

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ
يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

اللَّهُ
رَسُولُ
عَلَى

اَصْلُوهُ وَسَلَامٌ

درود و سلام کے فضائل و آداب کیا ہیں؟
نبی کریم پر درود و سلام کب اور کیسے؟
آل نبی میں کون کون شامل ہیں؟
مسنون درود کونسا ہے؟

مترجم

مؤلف

قاضی محمد سلیمان عثمان مینڈو پوری

شیخ الاسلام شمس الدین ابو عبیدہ ابن قثم الجوزی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب و سنت کی جامع مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

دارالسلام

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی مکتبہ



سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سہیل موب: 4033962-4043432 00966 1 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa • riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

• الرياض: الفون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز: فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سوہم: فون: 2860422 01
• مصوبہ: ریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • ضمیر: ریدہ: فون: 3696124 06 موبائل: 0503417156
• مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ: فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
• ہندو فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الفجر: فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
• فتح: انور فون: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • نیس: شیخ فون: 2207055 07 موبائل: 0500710328

• لندن: فون: 5632623 6 00971 • امریکہ: فون: 7220419 713 001 • نیویارک: فون: 6255925 718 001
• لندن: فون: 208 539 4885 • اسلام آباد: فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

36- نورمال، سیکرٹریٹ ٹاؤن، لاہور

فون: 7110081 7111023 7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 8484569-0322

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

• لاہور: فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 4439150-0321

• سون مارکیٹ، قبال ٹاؤن: فون: 7846714 موبائل: 4156390-0321

• Y-260 بلاک کرش سیریا فیر III: فون: 5084895-042 موبائل: 4212174-0321

• اسلام آباد: فون: 2281513 051 موبائل: 5370378-0321

• کراچی: (D.C.H.S / 110, 111-Z) مین طارق روڈ، آئین ہال سے (ہمارے آؤٹ لیٹ طرف) دوسری گلی، کراچی

فون: 4393936 021 فیکس: 4393937 موبائل: 2441843-0321

Darussalamkhi@darussalampk.com

اصَلوة و السلام على رسول الله

ترجمہ

جلالہ اللہ فیہ

فی الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلٰی خَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ

مؤلف

شیخ الاسلام شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قیم الجوزیہ

المتوفی ۷۵۱ھ

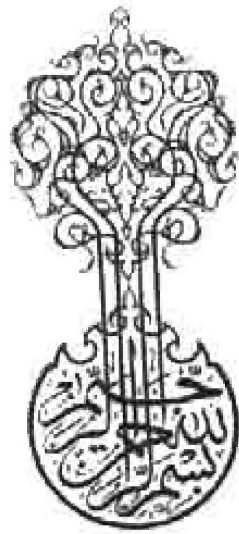
مترجم

قاضی محمد سلیمان سلطان منصور پوری



دار السلام

پبلشرز: دار السلام، لاہور



فہرست

40	انصاری بیٹھاک کی حدیثیں	9	عرض ناشر
41	انس بن مالک ہجرت کی حدیث	11	مقدمہ
43	احادیث مرفوعہ و مقبوضہ	13	مقدمہ المؤلف
46	عامر بن ربیعہ ہجرت کی حدیث	14	باب اول
47	عبدالرحمن بن عوف کی حدیث	15	فصل اول
48	ابی بن کعب ہجرت کی حدیث	15	احادیث صلوة اور ان کے راوی
49	اوس بن اوس ہجرت کی حدیث	16	ابو مسعود ہجرت کی حدیث
56	حضرت حسن ہجرت کی حدیث	17	ابو مسعود ہجرت کا حال
56	حضرت حسین ہجرت کی حدیث	18	کعب بن عجرہ ہجرت کی حدیث
57	فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی حدیث	19	کعب بن عجرہ ہجرت کا حال
58	براعن عازب اور جابر بن عبد اللہ علیہ السلام	20	ابو حمید سالمی ہجرت کی حدیث
59	ابو رافع ہجرت کی حدیث	21	ابو اسید و ابو حمید اور ابو سعید خدری
60	عبد اللہ بن ابی اوفی ہجرت کی حدیث	21	محمد بن ابی بکر کی حدیثیں
60	حدیث روایف بن عاتب اور ابو امامہ علیہ السلام	21	ابو سعید خدری ہجرت کا حال
61	عبدالرحمن بن بشر ہجرت کی حدیث	22	طلحہ بن عبید اللہ ہجرت کی حدیث
62	ابو بکر بن نیر ہجرت کی حدیث	23	زید بن خاریج ہجرت کی حدیث
63	عمار بن یاسر ہجرت کی حدیث	24	حضرت علی ہجرت کی حدیث
63	ابو امامہ بن مسلم ہجرت کی حدیث	26	احادیث ابو ہریرہ ہجرت
64	صحابی کا کسی فعل کو سنت کہنا کیا حکم رکھتا ہے؟	35	بریدہ بن انصیب ہجرت کی حدیث
64	حدیث جابر بن سمرہ اور مالک بن نویر کی حدیث	35	سہل بن سعد سالمی ہجرت کی حدیث
65	حدیث عبد اللہ بن جزاہ و ابراہیم کی حدیث	36	احادیث عبد اللہ بن مسعود ہجرت
			حدیث فضالہ بن عبید اور ابو طلحہ

94	صلوٰۃ اور رحمت میں فرق
96	صحیح بخاری میں معنی صلوٰۃ
96	لفظ مشرک المعنی
100	مثل کی جزا، اسی جس سے ہوتی ہے
104	جہمیہ اور صفات باری تعالیٰ
	تیسری فصل
107	نبی رحمت کے اسم مبارک کے معنی اور
	اشتقاق کے بیان میں
107	اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی
108	اسماء معنی کا معلق سے تعلق
113	وجہ تسمیہ محمد ﷺ
116	﴿وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾
	کی تفسیر
117	اخلاق و عادات نبوی
118	نعت نبوی از جناب علی بن ابی طالب رحمہ
122	نمل محبت کی تعریف
122	حقیقت شرک
123	أَوَالْحَبَالِ وَالْأَكْرَامِ کی شرح
124	نبی ﷺ کی تعظیم اللہ کی تعظیم کرنے
	والہی کر سکتا ہے
124	نبی ﷺ سے صحابہ کرام کی محبت
125	محمد و احمد میں فرق
129	پہلے محمد نام رکھا گیا یا احمد؟
130	تورات میں اسم مبارک کا ہونا
136	تورات میں صرف محمد انجیل میں احمد اور
	قرآن میں دونوں کیوں جمع ہوئے
	چوتھی فصل
139	آل کے معنی اور اشتقاق و احکام کلیان
141	آل کے معنی

65	احادیث ابن عباس رحمہما
65	ایک خواب کا ذکر
66	حدیث ابو ذر رحمہ
67	حدیث وائل بن اسحق اور ابو بکر رحمہما
68	احادیث اسم المؤمن عائشہ صدیقہ رحمہا
69	احادیث عبد اللہ بن عمر رحمہما
69	امان سننے کے آداب (عائشہ)
70	ابو اللہ روا ابو بکر کی حدیث
71	سعید بن جبیر رحمہ کی حدیث

باب دوم

72	مرسل معروف حدیثوں کا بیان
----	---------------------------

باب سوم

	فصل اول
80	آواز درود شریف میں ہو اللہم ہے
	اس کا معنی
83	حروف الفاظ کو معنی سے مناسبت
	ہوتی ہے
83	حرکات کو معنی سے مناسبت
83	دعائے دافع رنج و الم
88	دعائے اسم اعظم
89	اقسام دعا
90	يَا اَللّٰهُمَّ کہنا صحیح نہیں
	دوسری فصل
91	صلوٰۃ کے معنی میں
93	صلوٰۃ اللہ کی قسمیں
94	صلوٰۃ کے معنی

186	پانچویں فصل ابراہیم خلیل الرحمن کے ذکر میں	142	الیاسین کی تحقیق
187	مورنمین عجم کی غلطی	144	آل محمد کی تحقیق
189	﴿لَقَدْ كَفَرَكَ لِلدِّينِ خَيْفًا﴾ کی تفسیر	157	فصل: لفظ زوج کی تحقیق
190	اولیات خلیل	158	قرآن لفظ زوج کن معنی میں استعمال کرتا ہے
190	مسماں نوازی خلیل ﷺ	159	زوجین کے معنی
194	خات اور قربانی، فرزند منکرہ	160	فصل: ازدواج مطہرات رسول پاک ﷺ کا ذکر
195	اعداء کی مخالفت	160	ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
196	بناء بیت اللہ	161	مسئلہ فضیلت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما
	چھٹی فصل	162	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
197	ایک مشہور مسئلے کا بیان	163	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
197	صلوٰۃ نبوی کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ سے وجہ تشبیہ۔	165	حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا
200	عمر تشبیہ کا قاعدہ	166	ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا
	ساتویں فصل	175	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
210	ایک نکتہ اس حدیث کے متعلق جس میں صلوٰۃ مطلوبہ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ و آل ابراہیم رضی اللہ عنہم کی صلوٰۃ کی مثل کہا گیا ہے	176	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
213	طول دعاء کا راز	177	حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا
214	حقیقت دعاء	177	حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
	آخری فصل	178	حضرت صفیہ بنت حمی رضی اللہ عنہا
218	اللہم بارک علیٰ من خلد کے معنی اور برکت کی شرح	179	میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
222	بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں اور بنی اسرائیل کا توہرات میں ہونے کی وجہ	180	ذریعہ کا بیان
223	خاندان خلیل الرحمن کے خصائل و فضائل	180	ذریعہ کی تحقیق
		182	معنی ذریعہ کی تحقیق
		183	اضافت اور اسم
		183	﴿اِنَّا جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ کے معنی
		184	ذریعہ میں اولاد و آخر بھی داخل ہے یا نہیں
		185	نسب باپ کی طرف سے ہے
		186	قیاس صحیح خلافت نص نہیں ہوتا

تیسرا فصل

269	مقام : 6	228	حمید و حمید پر اختتام صلوٰۃ کا بیان
271	مقام : 7	228	حمید و حمید کے معنی
273	مقام : 8	229	حمید کے معنی
274	مقام : 9' 10' 11		وسوں فصل
275	وجوب و ردود شریف کے دلائل	232	ان دعوات و افکار کا بیان ہو الفاظ
285	فصل : عدم وجوب و ردود شریف کے دلائل		مختلفہ کے ساتھ مروی ہیں

باب چہارم

289	مقام : 12' 13' 14' 15	236	ردود خوانی کے مقام و محل کا بیان
290	مقام : 16 تا 40	236	نماز میں ردود فرض ہونے نہ ہونے کی بحث
			نماز میں وجوب صلوٰۃ کے دلائل : دلیل
			اول

باب پنجم

312	ردود کے فوائد و ثمرات کا بیان	252	اس استدلال پر چند سوال
317	وجوب کا رد	252	ان سوالات کے جوابات

باب ششم

326	نبی کریم کے سوا پر صلوٰۃ و سلام کا ذکر	252	دلیل دوم
331	غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا مسئلہ	253	دلیل سوم
331	صرف آل پر ردود ہو سکتے ہیں یا نہیں	254	اعتراض سوم
332	آل کے سوا اوروں پر صلوٰۃ (ردود)	255	اعتراض چہارم
332	کیا مقام بمعنی صلوٰۃ اور ردود ہے	256	اعتراض ششم
333	صلوٰۃ کو محمد و آل محمد پر خاص کرنے والوں کے دلائل	257	دلیل چہارم
335	صلوٰۃ (ردود) کو عام رکھنے والوں کے دلائل	258	دلیل پنجم و ششم
339	قائمین عموم کے دلائل کا جواب	259	ردود شریف پڑھنے کا (اور سرائی)
344	اس مسئلہ میں فیصلہ کن بات	260	مقام : 3
		262	مقام : 4
		264	مقام : 5
		267	

عرض ناشر

قاضی محمد سلیمان منصور پوری ریسٹریشن جج ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔

آپ صرف ایک جج اور قاضی ہی نہیں تھے بلکہ آپ انصاف کا مجموعہ اور علوم و معارف کا گنجینہ تھے، آپ کی ذات قدیم و جدید کا حسین امتزاج اور علم و عمل کا جامع نمونہ تھی۔ علاوہ ازیں اسلام کے ایک عظیم مبلغ و داعی اور رسول اللہ ﷺ کے سچے محب اور متبع تھے۔

آپ نے اپنے پیچھے جس طرح اپنی سیرت و کردار کے تابندہ نقوش چھوڑے جو بعد میں آنے والوں کے لئے رہنما ہیں، اسی طرح آپ نے علمی یادگاریں بھی تصنیفات کی صورت میں چھوڑی ہیں جن سے لاکھوں اردو دان فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہ گراں قدر تصنیفات آپ کے لئے ایسے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے عند اللہ آپ کے رتبے بلند سے بلند تر ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

آپ کی شہرہ آفاق کتاب "رہمۃ للعالمین" ہے جس نے آپ کو ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ دارالسلام، الریاض - لاہور کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ سیرت پر لکھی ہوئی اس کتاب کو 'جو عوام و خواص میں یکساں مقبول ہے' رسول عربی ﷺ کی زبان -- عربی -- میں غفلت کر کے شائع کیا۔ اس سے اب پاک و ہند کے علاوہ عرب دنیا بھی مستفیض ہو رہی ہے۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْهُ

”ذمہ نظر کتاب امام ابن القیمؒ کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے نہایت اہم ہے۔ یہ سیرت ہی کے ایک خاص موضوع کا ترجمہ ہے۔ یہ درود و سلام پر نہایت عالمانہ اور فاضلانہ کتاب ہے۔

”رحمۃ للعالمین“ کے عربی ایڈیشن کے بعد اب ادارہ دارالسلام قاضی صاحب مرحوم کی اس دوسری کتاب --- الصلاة والسلام کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ ادارہ دارالسلام قاضی صاحب کی دیگر کتابیں بھی پچھاپنے کا عزم رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی رحمۃ للعالمین (اردو) اور دیگر کتب معیاری کتبیت و طباعت کے ساتھ دسین پیکر میں پیش کی جائیں گی۔ ویند اللہ التوفیق وبہ نستعین

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام، الریاض، لاہور۔

ستمبر 2000ء



مقدمہ

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے 'حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی مشہور تالیف لطیف "جاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" کا اردو پیکر ہے۔ موضوع کتاب نام سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام اور اس سے متعلق مسائل و مباحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کی علمی حیثیت کے تعارف کے لئے وسیع علم کے حامل اس مصنف کا نام ہی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ ان کے عالمانہ و فاضلانہ انداز بحث اور ایمان و بصیرت افروز اسلوب بیان کی وضاحت سورج کو چرخہ اُغ و گھمانے کے مترادف ہے۔ تاہم حضرت مصنف کے الفاظ میں ہی موقع کی مناسبت سے کتاب بڑا کے متعلق اتنا ضرور عرض ہے کہ اس موقع پر اپنے انداز کی یہ منفرد کتاب ہے۔ نہ اس سے پہلے یہ مباحث طبع اور دقائق لطیف کسی صاحب نے لکھے نہ اس کے بعد اس اسلوب و انداز میں کوئی اور صاحب اس شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

فاضل مترجم مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ سیشن جج ریاست پنجاب بھی اپنے دور کے جید عالم 'مابہ' ناز محقق اور مصنف ہی کی طرح سلفی العقیدہ اور ذات رسالت مآب ﷺ سے بے پناہ شغف و محبت رکھنے والے بزرگ تھے 'جس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی شہرۃ آفاق تالیف "رحمۃ للعالمین" ہے جو سیرت رسول ﷺ پر بے مثل کتاب اور مقبول انام ہے۔ زیر نظر کتاب بھی ان کے جذبہ حب رسول کا یوں کھٹے گویا مظہر ثانی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون بھی سیرت مبارک ہی کا ایک گوشہ اور ذات رسالت مآب ﷺ ہی اس کا خاص موضوع ہے۔ فاضل مترجم کے بے پناہ جذبہ حب رسول کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ حب (دوبارہ ۱۳۳۸ھ) میں سفر حج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر ہمدانی میں آپ کی روح قدس معصری سے

پرداز کر گئی اور شیعہ رسالت کے اس پروانے کی نعش وہیں بحرِ عظیم خیزی سہجوں کی
نذر کر دی گئی۔ گویا محبوب کی راہ میں آنے والا طویل و عمیق بحرِ ناپید کنار آپ کی قبر
ہے۔ نَغْظَةُ اللّٰہِ بِرُخْطَبِہِ وَرِضْوَانِہِ

یہ کتاب متحدہ ہند میں فاضل مترجم علیہ الرحمۃ کی زندگی میں امرتسر سے شائع
ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ نایاب ہو گئی اور بب سے ہی شائقینِ علم، اصحابِ ذوق
اور مجاہدِ رسول اس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ تا آنکہ پھر 1972ء میں لاہور
پاکستان سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی وہ بھی نایاب ہو گیا۔

اب دار السلام - الرياض لاہور کے حصے میں یہ سعادت آ رہی ہے کہ وہ اس
گوہرِ نایاب کو شائع کر کے عام کرے۔

دارالسلام نے اس کتاب کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے بہتر سے بہتر
بنانے کی سعی کی ہے۔ * چنانچہ ایک تو اصل عربی نسخے کے ساتھ مقارنہ کر کے متعدد
اظطاح کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ * بہت سے زوائد کے نام، حتیٰ کہ عربی نسخے میں بھی غلط
تھے۔ اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ * عربی اشعار اور
بہت سی آیات و احادیث کے تراجم نہیں تھے ان سب کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ناگزیر مقالات پر زبان و بیان کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔ جس کا فریضہ
محترم پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار کاظم صاحب نے نہایت محنت، اخلاص اور محبت سے
سرا انجام دیا ہے اور ادارے کے ایک نوجوان فاضل جناب آصف اقبال نے اس
سلسلے میں خاصی محنت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور توفیقِ مرصیات سے
نوازے اور ان کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف، دارالسلام لاہور۔

جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ - ستمبر ۲۰۱۱ء

مقدمة المؤلف

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِيْثُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ
بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ
فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَالسَّلَامُ عَلٰى
اَشْرَفِ خَلْقِهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبَعَهُ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ
الدِّينِ

اس کتاب کا نام میں نے "جلاء الانعام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" رکھا ہے۔
اس کے پانچ ابواب ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب گراں قدر مواد اور کثرت فوائد
میں اس طرح منفرہ ہے کہ ابھی تک کسی نے اس انداز سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ ہم
نے اس میں وہ حدیثیں جمع کر دی ہیں جو حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے سلسلے
میں بیان کی گئی ہیں۔ اور معلول حدیثوں کی علتوں (وجوہات) پر بھی اچھی طرح روشنی
ڈال دی ہے۔

علاوہ ازیں اس دعا (درود شریف) کے اسرار اس کے فضل و شرف اور جن
حکمتوں اور فوائد پر یہ مشتمل ہے ان کی وضاحت کی گئی ہے اور ان مواعظ
(مقامات) کا ذکر کیا گیا ہے جہاں جہاں درود کا پڑھنا مسنون و مستحب ہے پھر درود کی
مقدار واجب اس میں اہل علم کا اختلاف اور رائج اور غیر مجمع مذہب کا بیان ہے۔
بہر حال کتاب کی خوبیاں بیان سے بالا ہیں۔ جس کا اندازہ کتاب کا پڑھنے والا ہی کر
سکتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

باب اول

نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کے بارہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا بیان

ابو مسعود بہزہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سعد بن عبادہ بہزہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی ﷺ تشریف لائے۔ بشیر بن سعد بہزہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔ ہم کیوں کر صلوٰۃ بھیجیں۔ فرمایا کہ کرو:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارَكْتَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ»

”یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت فرمائی“ اور حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت فرمائی۔“

پھر فرمایا کہ سلام کو تم جانتے ہی ہو۔ اس حدیث کو امام احمد و مسلم و نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ امام احمد نے بشیر بن سعد بہزہ کے سوال میں یہ الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں:

«فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا»
”جب ہم نماز کے اندر درود پڑھا کریں تو کس طرح پڑھا کریں۔“

فصل اول

احادیث صلوٰۃ کے راویوں کا بیان

احادیث صلوٰۃ کے راوی صحابہ درج ذیل ہیں:

- | | | |
|---|--------------------------------|---------------------------|
| (3) ابو حیدر الساعدی | (4) کعب بن جحرہ | (5) ابو مسعود انصاری بدری |
| (6) زید بن عارضہ یا ابن خاریجہ | (7) طلحہ بن عبید اللہ | (8) ابو سعید الخدری |
| (9) برید بن الحبیب | (10) ابو ہریرہ | (11) علی بن ابی طالب |
| (12) فضالہ بن عبید | (13) اسلم بن سعد الساعدی | (14) اسلم بن سعد الساعدی |
| (15) عمر بن الخطاب | (16) انس بن مالک | (17) ابو طلحہ الانصاری |
| (18) ابی بن کعب | (19) عبدالرحمن بن عوف | (20) عامر بن ربیعہ |
| (21) حسین بن علی مرتضیٰ | (22) حسن بن علی مرتضیٰ | (23) اوس بن اوس |
| (24) روافع بن ثابت الانصاری | (25) برادہ بن عازب | (26) فاطمہ الزہراء |
| (27) عبداللہ بن ابی اوفیٰ | (28) ابو رافع موی رسول اللہ ﷺ | (29) جابر بن عبد اللہ |
| (30) ابو بردہ بن نیار | (31) عبدالرحمن بن بشر بن مسعود | (32) ابو امامہ الباہلی |
| (33) ابو امامہ بن سلم بن حنیف | (34) جابر بن سمرہ | (35) عمار بن یاسر |
| (36) عبداللہ بن عباس | (37) عبداللہ بن جزم الزبیدی | (38) مالک بن الحویرث |
| (39) ابو بکر الصدیق | (40) داؤد بن اسقع | (41) ابو ذر |
| (42) سعید بن عمیر الانصاری جو اپنے باپ عمیر سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ | (43) حبان بن متقہ | (44) عبد اللہ بن عمر |

(1) ابو مسعود بنی ہاشمی کی حدیث کی وضاحت | واضح ہو کہ ابو مسعود بنی ہاشمی کی حدیث بالما صحیح ہے۔ امام احمد

رحمہ اللہ نے روایت میں جو اضافہ کیا ہے اس کے شروع میں ہے کہ: ”ایک آدمی آیا اور نبی ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اور سواں کیا کہ جب ہم نماز میں ہوں تو کس طرح درود پڑھا کریں۔“ آپ خاموش ہو رہے تھے حتیٰ کہ ہم کہنے لگے۔ کاش یہ شخص سوال ہی نہ کرتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ،
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ وَتَبَارَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ
إِنَّكَ خَمِيدٌ مُجِيدٌ»

”یا اللہ! امی نبی محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی جہانوں میں یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“
ابن خزیمہ۔ وحاکم رحمہما نے بھی اپنی اپنی صحیح میں اس اضافے کو روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتلایا ہے۔ مگر یہ حاکم کی سہل انگاری ہے۔ کیونکہ مسلم نے اصول میں ابن اسحاق سے حجت نہیں لی۔ بلکہ متابعات و شواہد میں اسے لائے ہیں۔

اس اضافے میں غلط یہ بتلائی گئی ہے کہ اس روایت کو صرف ابن اسحاق نے بیان کیا ہے اور وہ دیگر راویوں سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔
① ابن اسحاق ثقہ ہے اور کسی نے ایسی جرح نہیں کی کہ ترک حجت اس سے ضروری ہو۔ بڑے بڑے ائمہ نے اسے ثقہ کہا اور حفظ و عدالت (یادداشت اور پرہیزگاری کے جملہ اوصاف) کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ روایت کے لیے یہی دونوں اوصاف نہایت اہم ہیں۔

① ابن اسحاق کی روایت میں تالیس کا خوف ہوتا ہے۔ لیکن یہاں محمد بن ابراہیم سے سماعت کی صراحت ہے۔ پس وہ شبہ جاتا رہا۔ سنن میں دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سب راوی ثقہ ہیں۔ ظل میں ہے کہ دار قطنی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا محمد بن اسحاق تو محمد بن ابراہیم جی سے دو محمد بن عبد اللہ بن زید سے اور ابو مسعود سے روایت کرتا ہے۔ اور نعیم الجمر سے محمد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔ اختلاف نعیم سے چلا۔ کیونکہ مالک بن انس اور علی بن ابی قحیفہ و معن و اصحاب مطاء تو نعیم سے اور نعیم محمد سے اور محمد ابو مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور نماز بن مسعود نعیم سے اور نعیم محمد بن زید سے اور زید اپنے باپ سے کہتا ہے۔ مگر یہ وہم ہے۔ داؤد بن قیس القراء نعیم سے اور نعیم ابو ہریرہ سے کہتا ہے۔ اسی میں روایت مالک کا اختلاف ہے۔ مگر روایت مالک زیادہ درست ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس اضافے میں اختلاف ابن اسحاق سے ہوا ہے۔ کیونکہ ابراہیم بن سعد تو ابن اسحاق سے اضافے کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور زبیر بن معاویہ اسی سے بغیر اضافے کے۔ عبد بن حمید نے مسند میں احمد بن یونس سے طبرانی نے معجم میں زبیر سے جو روایت کی ہے۔ وہ بھی بغیر اضافے کے ہے۔ واللہ اعلم۔

ابو مسعود بنی شمر کا حال: ابو مسعود راوی حدیث اور مشہور صحابی ہیں۔ ان کے بارے میں عبد اللہ بن احمد مقدسی "نسب الانصار" میں لکھتے ہیں کہ ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بدری ہے۔ ان کو بدری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بدر میں اترے یا انصرے تھے۔ جمہور علماء سیر کا اتفاق ہے کہ یہ بدر کے غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ شریک ہوئے تھے۔ ہاں اس پر اتفاق ہے کہ بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رحمہ نے ان کو لشکر کشی صفین کے وقت والی کوفہ بنایا تھا۔

② راوی کا ایسے صف سے روایت کرنا جو صالح حدیث پر صراحت دلالت تو نہ کرتا ہو البتہ صالح حدیث کا وہیم پیدا کرتا ہو۔ مثلاً "من فلاں" "نوی من فلاں" قال فلاں

عید کے روز ان کو اپنا نائب بنا کر مسجد میں ضعیف لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے بھی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ۳۰ یا ۷۰ کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

میں کہتا ہوں کہ غزوہ بدر میں ان کے شریک ہونے کا ذکر چار ائمہ نے کیا ہے۔ امام بخاری و ابن اسحاق و زہری رحمہم اللہ اپنی کتاب میں اس میں اس

(2) کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے | اس حدیث کو اہل صحیح و اصحاب

سنن و مسانید نے عبد الرحمن بن ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ الحمد للہ! اس حدیث میں کچھ شبہ نہیں۔ صحیحین کے لفظ ابن ابی بکر سے یہ ہیں۔ مجھے کعب بن عجرہ ملے۔ کہا میں تم کو ایک عقد دوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تشریف لائے ہم نے عرض کیا کہ حضور پر سلام بھیجے کا طریقہ تو ہم جان چکے ہیں۔ فرمائیے صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ فرمایا کہما ترو۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

”یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

- ① فقہ حنفیہ کی بیعت میں شامل ہونے اور غزوہ احد میں بھی جنگ بدر میں ان کی شہادت کو ابن مندہ ابو نعیم و ابن عبد اللہ علاء سی نے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ محمد سید بن علی من۔
- ② کتاب میں پوچھا نام نہیں ہے اسباب میں ہے کہ ابو عقبہ بن سلام اور مسلم نے کہی ہیں کہا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔

(3) کعب بن عجرہ کی ایک اور روایت | جسے مستدرک میں حاکم نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: حاضر ہو جاؤ۔ ہم حاضر ہو گئے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے منبر کے پستے زمین پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر دوسرے زمین پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ جب فارغ ہوئے تو منبر سے اترے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا وہ پستے نہ سنا تھا۔ فرمایا:

”جبریل میرے سامنے آئے اور کہا جس نے ماہ رمضان پایا اور وہ بخیر شانہ“ یہ (رحمت سے) دور ہے۔ میں نے کہا آمین۔ میں نے دوسرے زمین پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا جس شخص کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے کہا آمین۔ میں نے تیسرے زمین پر قدم رکھا۔ جبریل نے کہا جس نے والدین کو یاد دہانوں میں سے ایک کو یاد دہانے میں پایا اور جنت میں داخل نہ ہوا وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے آمین کہا۔“

حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

کعب بن عجرہ کا حال: کعب بن عجرہ انصاری سلمی جریڈ صحابی اور راوی حدیث ہیں۔ ان کی کنیت ابواسحاق ہے۔ ان کا شمار بنی سالم میں ہوتا ہے۔ یہ عمرو بن عوف قوقل کے بھائی ہیں۔ عمرو بن عوف صاحب مال و منال شخص تھا۔ جب کوئی خوف اور ڈر کا مارا اس کے پاس پناہ کے لیے آتا تو وہ کہا کرتا:

”قَوِّقْلُ حَيْثُ شِئْتَ“

مطلب یہ کہ اترو اور امن سے رہو۔

کثرت استعمال سے وہ خود قوقل اور ان کی اولاد قواقلہ مشہور ہو گئی۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبید اللہ بن الحارث البہلی بن یس بنی سواد میں سے ہیں اور انصار کے حلیف ہیں۔ بعض کہتے ہیں بنی حارث کے حلیف۔ بعض کہتے ہیں بنی سالم (جو انصار میں سے ہے) کے حلیف۔

واقعی کہتے ہیں، یہ انصار کے حلیف نہیں، بلکہ ان میں سے ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں،
 میں نے انصار میں ان کا نام دھونڈا نہ ملا۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ اور آیت:
 ﴿فَبَدِّلْهُم مِّنْ صِبَاہِ اَوْ صَدَقُوْا اَوْ تُسَلِّوْا﴾ (البقرہ: ۱۹۶)

ان کیلئے اتنی تھی۔ یہ کوفہ بھی گئے تھے۔ انکی وفات مدینہ منورہ میں ۵۵ھ یا ۵۴ھ یا
 ۵۳ھ میں ۵۷ سال کی عمر میں ہوئی۔ اہل مدینہ اور کوفہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(4) ابو حمید ساعدی بخاری کی حدیث ہے | اس حدیث کو بخاری اور مسنن
 ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی

اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر درود
 کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: کہتے ہو:

«اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَفَرِّجْہِمْ، کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 آلِ اِبْرٰہِیْمَ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَفَرِّجْہِمْ، کَمَا
 بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰہِیْمَ، اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ»

”یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی ازواج مطہرات (بیگمیں) اور ان کی
 اولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل
 فرمائی اور برکت فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی ازواج مطہرات اور اولاد پر
 جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر یقیناً تو قاتل
 تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

ابو حمید ساعدی بخاری کا حال: ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کے نام میں
 اختلاف ہے۔ کوئی تو منذر بن سعد بن منذر، کوئی عبدالرحمن بن سعد بن منذر، کوئی
 عبدالرحمن بن عمرو بن سعد بن مالک، کوئی عبدالرحمن بن عمرو بن سعد بن مالک بن خالد
 بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن ساعدہ کہتا ہے۔ یہ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ معاویہ
 جرح کے آخر عند حکومت میں ان کا انتقال ہوا۔ صحابہ میں سے جابر بن عبد اللہ اور تابعین میں
 سے عروہ بن زبیر، عباس بن سل، بن سعد، محمد بن عمرو بن عطاء، خارجہ بن سعد، ابن
 ثابت اور اہل مدینہ کے تابعین کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(5) ابو اسید و ابو حمید کی حدیث | جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مسجد میں آؤ تو:

«اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

اور جب مسجد سے نکلو تو:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ»

(6) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث | ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر سلام کرنے کو تو ہم جان گئے۔ مگر آپ

پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: گمارو۔

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَصَارِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ»

”یا اللہ! اپنے رسول اور بندے محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔“

اس کو صحیح میں امام بخاری نے اور نسائی و ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا حال: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔ اور اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جنگ خندق میں شامل ہوئے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ہمرکاب ہو کر بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی کثیر تعداد میں سنتوں کو حفظ کیا تھا۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

① انصاری فزیری، قاضی محمد سلیمان مفتی ع۔

(7) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث | صدقہ احمد میں ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور پر (19)

کس طرح بھیجا کریں۔ فرمایا نماز کرو

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ. كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُهُ مُحَمَّدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُهُ مُحَمَّدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (ع) پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (ع) کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی نے یوں کہا ہے کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا: کہو:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُهُ مُحَمَّدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُهُ مُحَمَّدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (ع) پر رحمت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (ع) پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی نے اسحاق بن ابراہیم کے طریق سے یوں روایت کی ہے:

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (ع) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (ع) کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

ہے۔"

عثمان بن عبد اللہ بن مویب جو نسائی کی دونوں روایتوں اور امام احمد کی روایت کا راوی ہے۔ اس حدیث کو موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتا ہے اور شیخین نے بھی موسیٰ بن طلحہ سے اس کی روایت کی جست پڑی ہے۔

(8) زید بن خارجہ رحمہ اللہ کی حدیث | اس کو شیخ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر صلوٰۃ کی کیا کیفیت ہے۔ فرمایا: درود بھیجو اور اس میں حمد کو شش کرو اور یوں کہو:

«اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُنَا فَجِدْ»

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی و اسماعیل بن اسحاق و حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ نے بھی اس کو اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

زید بن حارثہ رحمہ اللہ کا حال: زید بن حارثہ رحمہ اللہ راوی حدیث ہیں۔ بنی سلمہ میں سے ہیں اور ان کا نسب یوں ہے۔ زید بن ثابت بن ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ۔ انہی کو ابن خارجہ الخزرجی الانصاری کہتے ہیں۔ یہ بیان تو ابن مندہ کا الصحابہ میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زید بن خارجہ ابن ابی زہیر الانصاری الخزرجی ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے اور عثمان ذوالنورین رحمہ اللہ کی خلافت میں وفات پائی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے وفات کے بعد بھی گنگو کی تھی جیسا کہ ابو نعیم و ابن عبد البر رحمہما نے لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد از مرگ کلام کرنے والے خارجہ بن زید تھے۔ مگر قول اول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

(9) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ترمذی نے روایت کیا ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْبَجَلُ الَّذِي مِنْ دُبُرَاتِ جَنَدِهِ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ»

"بجیل وہ ہے جس کے رو برو میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

ترمذی نے اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ اور بعض نسخوں میں حسن غریب لکھا ہوا ہے۔ نسائی نے سنن میں ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔

حسن بن عرف نے معنعن طریق پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ دُعَاءٍ إِلَّا بَشَّهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ وَجَنَابِ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا صَلَّيَ عَلَيَّ النَّبِيُّ مُحَمَّدٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْخَرَقَ الْجَنَابُ وَاسْتَجِيبَ الدُّعَاءُ وَإِذَا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُسْتَجِبِ الدُّعَاءُ»

"دعا اور آسمان میں اس وقت تک حجاب ہوتا ہے جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔ جب درود پڑھا گیا تو حجاب اٹھ گیا اور دعا قبول کی گئی اور جب درود نہ پڑھا گیا تو وہ دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔"

لیکن اس حدیث میں تین غلط ہیں۔

الف: یہ حارث اعمور سے سیدنا علی کی روایت ہے۔

ب: شعبہ نے بیان کیا ہے کہ ابو اسحاق عیسیٰ نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ یہ حدیث ان میں سے نہیں۔

ج: ثابت نے ابو اسحاق سے ہی روایت کرتا ہے، اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک موقوفاً روایت کیا ہے۔

تمالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ پورے بیانیوں کے ساتھ اسے اجر

ملے تو چاہئے کہ جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو یوں پڑھے:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَواتَكَ وَزِكاتَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَآلِهِ وَارْزُقْهُمْ أَشْهَادَ الْمُؤْمِنِينَ وَدُرَجَاتِهِ وَأَهْلِي بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ»

"یا اللہ! نبی حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی ازواج مطہرات اہل بیت پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی یقیناً تو قاتل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

اس سند میں حبان بن یسار جو راوی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی۔ ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ وہ قوی ہے نہ مہرک۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ سے جس کا آخر عمر میں ہونا بیان کیا جاتا ہے اس کی حدیث میں بعض کمزوریاں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک اور علت ہے۔ یعنی اس میں موسیٰ بن اسماعیل بن ہذیل نے عمرو بن عاصم سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار سے اپنی سند کو علی مرتضیٰ جہد تک پہنچاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسماعیل اسی حبان بن یسار سے روایت کرتا ہوا اپنی سند کو ابو ہریرہؓ تک پہنچاتا ہے۔ ابو داؤد نے موسیٰ

بن اسماعیل سے روایت کی ہے۔ اس میں ایک اور علت یہ ہے کہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار کے بعد راوی کا نام عبدالرحمن بن طلحہ الخزاعی جاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسماعیل راوی کا نام عبید اللہ بن طلحہ بن عبید اللہ بن کریم اور تاریخ بخاری و کتاب ابن ابی حاتم اور ثقات ابن حبان و تہذیب الکمال ابوالحجاج المزنی میں بھی اسی طرح ہے۔

اب یا تو عمرو بن عاصم ہی کو راوی کے نام میں دہرا ہوا ہے۔ اور یا وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ مگر عبدالرحمن بن طلحہ معمول ہے۔ اس حدیث کے سوا کبھی معروف نہیں۔ اور متقدمین میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ عمرو بن عاصم سے گو بخاری و مسلم روایت کرتے اور حجت لیتے ہیں۔ مگر موسیٰ بن اسماعیل اس سے زیادہ حافظ ہے۔ اور

اسی حدیث کی بروایت ابو ہریرہؓ دوسری سند اور متن سے اصلیت ضرور ہے۔ جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

(10) ابو ہریرہؓ ہجرت کی حدیث | نے محمد بن اسحاق السراج نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: کما

وَاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرٰهِيْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّكَ حَسْبُكَ حَسْبُكَ

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت اور برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر جہانوں میں یقیناً تو قائل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

رہا سلام وہ تم جانتے ہی ہو۔ یہ اسناد صحیح اور شرط شیخین پر ہے۔ اسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے حدیث ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے سوال کے جواب میں فرمایا: کما:

وَاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَبَارَكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ ثُمَّ تَسْلِمُوْنَ عَلٰی

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ پھر محمد پر سلام کہو۔"

ابراہیم جس سے یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں "ابن ابی یحییٰ اسلمی

ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کی کئی بیشی و فرد کذاشت پر بھی اس سے جہت پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم کا آسمان سے گرایا جانا اس کے جھٹلانے سے مجھے گوارا تر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ و دیگر اشخاص نے اس پر بحث کی ہے اور ضعف و ترک کا اشارہ کیا ہے۔ اور امام مالک احمد و یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین و نسائی رحمہم نے اس کے کذب کی صراحت کی ہے۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیث پر بہت غور کیا۔۔۔ وہ منکر الحدیث نہیں۔ ابو احمد بن عدی بھی اس قول سے اتفاق کر کے کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم کی بہت سی حدیثوں پر نظر ڈالی ان میں کوئی منکر نہیں۔ ہاں شیوخ بجمول ہیں تو یہ ضعف ان میں اور ان کی بہت سے ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ابراہیم کی احادیث پر میں نے غور کیا تفتیش کی نظر دوڑائی۔ لیکن ان میں کوئی منکر نہیں۔ محمد بن سعید اصمائی بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ابراہیم کی توثیق کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ پر درود کی احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بھی ہیں۔ ایک دو ہے جسے عشاری نے اپنی اسناد کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي وَكَلَّ اللَّهُ بِهِ مَلَكًا يُبَلِّغُنِي وَكَفَى أَمْرَ دُنْيَا وَآخِرَتِهِ وَكَفَى لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيدًا وَشَفِيعًا»

”جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اور (درود کا پڑھنا) اس شخص کے دنیا و آخرت کے کام کو گفایت دیتا ہے۔ اور میں قیامت کے دن اس کا شہید (گواہ) و شفیع ہوں گا۔“

اس حدیث میں محمد بن موسیٰ جو راوی ہے وہ محمد بن یونس بن موسیٰ کدیمی ہے جو متروک الحدیث ہے۔ ایک حدیث صالح مولیٰ توامہ کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَلَسَ قَرَمَ مَجْلِسًا فَلَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَيَّ بِيَوْمٍ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ مَجْلِسُهُمْ عَلَيْهِمْ بَرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُمْ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَهُمْ»

”اسی مجلس میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلتی جو اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہ
کرے۔ مگر یہ کہ وہ مجلس ان کے لیے قیامت کو حسرت ہوگی۔ اللہ چاہے
ان کو معاف کرے چاہے ان کو پکڑے۔“

امام ترمذی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور حسن بتایا ہے۔ پھر ایک اور
سند سے بھی روایت کیا۔ اسطیل بن اسحاق نے کتاب فضل الصلوٰۃ میں اور ابو داؤد و
نسائی نے سنن میں ابن حبان نے صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبان کی شرط
سند مسلم پر ہے۔ ابن حبان نے دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

«مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَّقْعِدًا لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ خَسْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنْ
دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ»

”یعنی جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہیں ہوا وہ ان لوگوں کے
لیے قیامت کو حسرت کا سبب ہوگی۔ گو وہ ثواب کے لیے جنت میں ہی داخل
ہو جائیں۔“

یہ سند شرط شیخین پر ہے۔ عالم نے اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کر کے سند
کو شرط بخاری پر بتلایا ہے۔ مگر اس میں شبہ کا امکان ہے کیونکہ ابراہیم بن حسن بن
برید کی روایت آدم بن ابی ایاس سے ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اس پر بحث کی گئی
ہے۔ اور علت اس میں یہ ہے کہ ابو اسحاق فراری الخمش سے وہ ابو صالح سے وہ
ابو ہریرہ سے موقوف روایت کرتا ہے۔ اور شعبہ رحمہ اللہ صحیح مولی التوامہ سے روایت
نہیں کرتے تھے بلکہ اوروں کو بھی منع کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں ’وہ ثقہ
نہیں‘ اس سے کچھ نہ لیا جائے۔ یحییٰ کہتے ہیں ’وہ حدیث میں قوی نہیں۔ ایک بار کہا
ثقہ نہیں۔ ایک بار گماشتہ ہے۔ سعدی کا قول ہے:“تغیر ذہنی کیفیت بہتر نہ رہی تھی)
ہو گیا تھا۔“

نسائی کہتے ہیں 'ضعیف ہے۔ میں گمنا ہوں کہ صالح کے بارے میں حفاظ کے تین قول ہیں۔ تیسرا قول سب میں بہتر ہے۔ یعنی فی نفسہ تو وہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اسے تغیر ہو گیا تھا۔ اس لیے جس نے اس سے ابتدائی عمر میں سنا وہ صحیح اور جس نے آخر عمر میں یعنی اختلاط کے بعد سنا اس میں کچھ ضعف و نقص موجود ہے۔ ابن ابی ذئب ' ابن جریج ' زیاد بن سعد نے تو اس سے بہت پہلے سنا ہے اور مالک اور ثوری نے اسے اختلاط کی حالت میں پایا ہے۔ یہ فیصلہ امام احمد کا ہے۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ جس نے اس سے بہت پہلے سنا ہے ' اس میں کچھ ڈر نہیں۔

واضح ہو کہ اسی حدیث کو سلیمان بن بلال نے بھی سمیل سے وہ اپنے باپ سے اور اس نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ' مگر اس میں نبی ﷺ پر درود کا ذکر نہیں ہے۔ ابن ابی اویس جو عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت کرتا ہے اور وہ سمیل سے۔ اس نے بھی سلیمان بن بلال کی ہی متابعت کی ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرہ کی وہ ہے جسے اسماعیل نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ زَكَاةٌ لَكُمْ قَالَ وَاسْتَلُوا اللَّهَ بِالنَّوَسِيلَةِ قَالَ فَمَاذَا حَدَّثْنَا وَإِنَّمَا سَأَلْنَا قَالَ النَّوَسِيلَةُ أَعْلَىٰ دَرَجَةٍ فِي الْخَنَفِ لَا يَسْأَلُهَا إِلَّا رَجُلٌ أَرْجُو أَنْ أَكُونَ ذَلِكَ الرَّجُلُ»

”مجھ پر درود بھیجو تمہارا درود پڑھنا تمہارے لیے ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ (پھر خود ہی یا ہمارے سوال کرنے پر فرمایا) وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک کو ہی ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔“

ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو مسند میں روایت کیا ہے۔ اسماعیل نے ایک یہ حدیث بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا عَلَيَّ أَنْبِيََاءَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِي»

"اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجا کرو کیونکہ ان کو بھی اللہ نے مبعوث کیا تھا جیسا مجھے کیا ہے۔" "صَلُّوا عَلَى سَلَامَةٍ عَلَيْهِمُ اجمع۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن زید جو اس حدیث کا راوی ہے، حماد بن سعید کا بھائی ہے۔ یحییٰ بن زید نے اس حدیث کو "بہت ضعیف" کہا۔ سعدی نے کہا: "یہ حجت ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے۔" نسائی نے کہا "قوی نہیں۔" مگر مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں اچھا قول "لیس یدقاس" کہا ہے۔ یحییٰ بن معین اور بخاری نے اس کو اٹھ کہا ہے۔ ربیعہ بن عمرو بن ہارون اور موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن ثابت جو اسی حدیث کے راوی ہیں، کو حجت نہیں مگر ان حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اور ایسی حدیث استصحاباً شامد بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«رَجِمَ اَنفُ رَجُلٍ ذَكَرَتْ عِلَّةَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَجِمَ اَنفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ اَسْلَخَ قَبْلَ اَنْ تُغْفَرَ لَهُ وَرَجِمَ اَنفُ رَجُلٍ اَذْرَكَ عِلَّةَهُ اَبْوَاهُ الْكَبِيرِ فَلَمْ يَذْهَبْ اِلَى الْجَنَّةِ»

"ذلیل ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا" ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور معینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا" ذلیل ہو وہ شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انہوں نے جنت میں اسے داخل نہ کرا دیا۔"

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں جابر و انس سے بھی حدیث ہے۔ اور یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ اور ربیعہ بن ابراہیم راوی اصیل بن ابراہیم کا بھائی اور ثقہ ہے۔ اور ربیعہ ابن ملیح ہے۔ بعض اہل علم سے مروی ہے کہ۔

«اِذَا صَلَّيَ الرَّجُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مَرَّةً فِي الْمَجْلِسِ اُجْزَا عَنْهُ

مَا كَانَ فِي ذَلِكَ الْجَلِيسِ

"جب کوئی شخص کسی مجلس میں نہیں بیٹھتا تو ایک دفعہ درود پڑھ دے تو جو
بچہ اس مجلس میں ہوا اس کے لیے کفارہ ہے۔"

حدیث بالا حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی ہے، عبدالرحمن بن اسحاق جو
ترمذی کی حدیث بالا کا راوی ہے، امام مسلم نے اس سے حجت پکڑی ہے اور امام احمد
نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔ مگر بعض نے اس پر شبہ کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے
"ثقت اور قدری المذہب" کہا ہے۔

قاضی اسحاق بن اسحاق نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے:

وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ آمِينَ آمِينَ آمِينَ فَبَقِيَ لَهُ
بَارِسُ اللَّهِ مَا كُنْتُ تَضَعُ هَذَا فَقَالَ لِي جَبْرِيلُ رَغِمَ أَنْفُ
رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانَ وَلَمْ يُعْفِرْ لَهُ فَقُلْتُ آمِينَ ثُمَّ قَالَ رَغِمَ
أَنْفُ عَبْدِكَ أَبُو تَيْبٍ أَوْ أَحَدُهُمَا الْكَبِيرُ لَمْ يَدْخُلِ الْحَنَّةَ ثُمَّ قَالَ
رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ آمِينَ

"رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے تو آپ نے تین مرتبہ آمین کہا صحابہ نے
عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا ہے وہ پہلے نہ سنا تھا آپ
نے فرمایا! جبریل کہہ رہا تھا کہ ذیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مسینہ
ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا تو میں نے کہا آمین! پھر جبریل نے کہا ذیل ہو وہ
شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انہوں نے اسے جنت
میں داخل نہ کروایا! پھر کہا ذیل ہو وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو
اور اس نے درود نہ پڑھا تو میں نے کہا آمین۔"

کثیر بن زید جو اس حدیث میں ہے، ابن حبان نے اس کی توثیق کرا دی اور ابو
درود نے اسے صدوق کہا ہے۔ گو بعض نے اس پر شبہ بھی کیا ہے، ابن حبان نے
اسی حدیث کو محمد بن عمرو سے اور انہوں نے ابو سلمہ سے اور انہوں نے ابو ہریرہ
رحمہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ ہے:

«مَنْ ذُكِّرَتْ عِلَّتُهُ فَلَمْ يَصِلْ لِمَاتِ النَّارِ فَابْعَلَهُ اللَّهُ قُلْ آمِينَ قُلْتُ آمِينَ»

”یعنی جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا اور اللہ نے اسے دوزخ کر دیا۔ کہتے آمین میں نے کہا آمین۔“

محمد بن عمرو اس حدیث میں راوی ہے، بخاری و مسلم نے صحاح میں اس کی حدیث لی ہے۔ ابن معین نے اس کی توثیق اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حدیث میں جو اِذْعَم کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ذلیل لکھا گیا ہے یہ نہیں کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ ناک کا خاک آلودہ ہوتا۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ ابن اعرابی نہیں پر زہر کستا ہے اور معنی ذلیل ہونا۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَىٰ وَاحِدَةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»

”جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔“

اس کو ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور صحیح میں ابن مہبان نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ ابن مہبان نے روایت کیا ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَىٰ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ كُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرُ حَسَنَاتٍ»

”یعنی ایک درود کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيَسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَجِرْ مِنِ الشَّيْطَانِ»

”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور «اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» پڑھے۔ اور مسجد سے جاتے وقت نبی ﷺ

پر سلام بھیجے اور اَللّٰهُمَّ اجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ کہے۔ ”(اس کو ابن مہبان نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے حسین بن احمد صاحب براء المعروف نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَجْعَلُوا يُيُوسِكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْدًا وَاصْلُوا عَلٰی قَبْرِ صَلَاتِنَا تُبَلِّغُنِيْ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ“

”تم اپنے گروں کو قبریں نہ بناؤ۔ یعنی ان میں نوافل و قیہ نہ عاکرو اور میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ یعنی میلہ اعراس اس پر نہ کرو اور مجھ پر درود بھیجا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کسی جگہ ہو۔“

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے مسلم بن ابراہیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اِذَا عَلِمَ مَنَابَرَةٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اِذَا مَرُّوْا بِخَلْقٍ الذَّكَرِ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَفْعَلُوْا فَاِذَا دَعِيَ الْقَوْمُ اَشْرَوْا عَلٰی دُعَائِهِمْ فَاِذَا صَلُّوْا عَلٰی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یُزْعَمُوْا لَمْ یَقُورْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ طَلَبِیْ لِهٰذَا لَمْ یُزْجِعُوْا مَغْفُوْرًا لَّهُمْ“

”پھر ملائکہ ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں جب وہ ذکر کے خلقوں میں پہنچتے ہیں تو ہانکھ کہتے ہیں بیٹھ جاؤ۔ جب مجلس والے دعا مانگتے ہیں تو یہ آمین کہتے ہیں اور جب درود پڑھتے ہیں تو یہ بھی درود پڑھتے ہیں۔ جب وہ فارغ ہو جاتے ہیں تو فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ یہ کیسے خوش نصیب ہیں کہ اپنے گھروں کو اس حالت میں لوٹتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بخش دیا ہے۔“

اس حدیث کو ابو سعید القاسم نے فواد میں روایت کیا ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے امام احمد و ابو داؤد نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یُّسَلِّمُ عَلٰی رَاٰی اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ اِلَیْہِ“

السلام

”ہم مسلمان مجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یزید بن عبد اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ان کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی یہ ضعیف ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننے کے بارے میں کامل ہے۔

ابو الشیخ نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ فرمایا:

”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعْدِي أَقْبَلْتُهُ“

”جو مجھ پر میری قبر کے پاس ورد پڑھتا ہے میں اسے سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے معلوم کرا دیا جاتا ہے۔“ (یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابو نعیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ فِي شَرْقٍ وَلَا فِي غَرْبٍ إِلَّا أَنَا وَمَلَائِكَتِي رُودٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ قَاتِلٌ بَارِسُوهَ اللَّهُ مَا بَالُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ وَمَا يُفْعَلُ لَكُمْ فِي حَبْرَتِهِ وَجَبْرَتِهِ أَنَّهُ مِمَّا أَمَرَ بِهِ مِنْ حِفْظِ الْخَوَارِ وَحِفْظِ الْحَبْرَةِ“

”مشرق و مغرب میں جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اس پر سلام کا جواب لوٹاتے ہیں تو ایک نئے نئے والے نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! مدینے والوں کا حال ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھے شریف کے متعلق اس کی ہمسائیگی اور ہمسایہ کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے؟ یہی تا کہ وہ پڑوسی اور پڑوسی کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔“

حافظ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عمر بنی نے وضع کیا ہے۔ بے شک حافظ کا

یہ قول صحیح ہے۔ اس حدیث کے لیے یہ سند جو بیان کی گئی ہے، ضعیف ہو سکتی۔

(11) بریدہ بن الحصب بن سہیل کی حدیث | جس کو حسن بن شاذان نے اپنی

اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

صحابہ نے عرض کیا کہ سلام تو آپ پر کرنے کو ہم بیان گئے، درود کی کیفیت کیا ہے۔

فرمایا کہ:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما

جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر نازل فرمائی، یقیناً تو قاتل تعریف اور بزرگی

والا ہے۔

ابوداؤد جو حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں، یہ نفع بن عمارث الاعمی سے گوئیے

حشوک اور مطح الحدیث انقبہ قاتل التفات ہیں) ہے مگر اس کی روایت کو شواہد

میں لانے سے یکسو نقصان نہیں۔

(12) سل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث | جس کو طبرانی نے معجم میں اسناد

کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَا وُضوءَ لَهُ وَلَا وُضوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ

عَلَيْهِ وَلَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَصِلْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَا صَلَوةَ لِمَنْ

لَمْ يُجِبِ الْاِئْتِصَارَ»

"جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں" اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو

نہیں" اور جو نبی ﷺ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں" اور جو انصار سے

محبت نہیں رکھتا اس کا درود نہیں۔"

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی عبدالمہم بن عباس سے جو ابی بن عباس کا بھائی

ہے روایت کیا ہے۔ ابی بن عباس سے امام بخاری نے صحیح میں حجت پکڑی ہے مگر

امام احمد دیکھی بن معین نے اسے ضعیف بتلایا ہے۔ رہا عبدالمیسین تو اس کے اور اس کی حدیث کے ترک پر تو اتفاق ہے۔ مگر یہ صورت ہو کہ عبدالمیسین نے اپنے بھائی سے یہ حدیث چاہ کر بیان کی ہے تو اس کی حدیث میں کچھ ضرر نہیں اور حدیث کا درجہ حسن سے کم نہیں۔ گو نیچے کے راویوں نے عبدالمیسین اور اس کے بھائی ابی یحییٰ غلطی کھائی ہو جیسا کہ شبہ ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث عبدالمیسین کی جانب سے معروف ہے اور یہی اس میں قوی دلیل ہے۔ (واللہ اعلم)

سل بروجر کی ایک حدیث وہ ہے جسے امام بغوی رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ ابو طلحہ مہاجر نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میرے مادر و پدر آپ پر نماز ہو جائیں! آج تو چہرہ مبارک پر سرور نمایاں ہے۔ فرمایا: ہاں۔ میرے پاس ابھی جبریل آئے تھے۔ آکر کہا: یا محمد! سوچو! جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کرے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ ابن حبیب راوی کہتے ہیں: میں جانتا ہوں کہ ابو عازم نے یہ بھی کہا کہ فرشتے اس پر دس دفعہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔

(13) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے حاکم نے مستدرک میں اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ»

”یعنی جب تم نماز میں تشہد پڑھو تو کہنا کہ: یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت اور برکت اور شفقت نازل فرمائی، یقیناً تو قاتل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ صحیح بھی بظاہر قاتل غور ہے کیونکہ یحییٰ بن سہاق اور اس کا شیخ عدالت و جرح و توثیق اور عدم توثیق میں غیر معروف ہیں۔ تہذیبی نے بھی سنن میں اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے یحییٰ بن سہاق کا

ذکر کتاب الشفقات میں کیا ہے۔

ایک حدیث وہ ہے جسے دار قلمی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ یا ابو معمر سے روایت کیا ہے کہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد سکھایا وہ کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے جیسا کہ آپ ہم کو قرآن سکھایا کرتے تھے:

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ،
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اللَّهُمَّ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُجِيدٌ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمُ اللَّهُمَّ بَارِكْ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَبِيبٌ مُجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمُ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَبَرَكَاتُهُ

اس کی برکتیں۔"

راوی کہتا ہے کہ مجاہد کہتے تھے کہ جب نمازی نے "عَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ" کہا تو تمام زمین و آسمان والوں کو سلام کر دیا۔

اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس میں عبد الوہاب بن مجاہد راوی ہے۔ جسے یحییٰ بن معین و دارقطنی وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ عبد الوہاب اپنے باپ سے بہت سی احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے۔ و سری علت اس میں یہ ہے کہ ابن مسعودؓ بہرحال کا تشہد محفوظ ہے۔ "بِوَأَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" ہے۔ اور پھر ان سے موقوف ہے و مرفوع ہے طریق پر یہ بھی روایت ہے کہ اتنا پڑھنے سے نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہ تو کھڑا ہو جا خواہ بیٹھا رہے۔ (واضح ہو کہ اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ قرن قیاس ہے۔)

ابن مسعودؓ کی ایک حدیث وہ ہے جسے محمد بن حمدان المروزی نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى فُلَا دِينٍ لَهُ"

"جو مجھ پر درود نہیں پڑھتا اس کا دین نہیں۔"

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اسناد کے ساتھ ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَوةٍ"

"قیامت کے دن سب لوگوں سے مقدم اور اولی مجھے وہ ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہو گا۔"

- ① وہ حدیث جس میں صدوق یا ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا کئی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے اس کو "شاذ" اور اس کے مخالف راوی کی روایت کو "المختلط" کہتے ہیں۔
- ② وہ قول یا فعل جس کی اصانت صحابی کی طرف ہو۔
- ③ وہ قول یا فعل تقریر و سکوت یا وصف و خوبی جو نبی کریم ﷺ کی طرف مکتوب ہو۔

امام ترمذی نے اس کو حسن فریب کہا ہے! ابن حبان نے صحیح میں ہزارے سند میں اور بغوی نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن مسعودؓ بڑھ کی ایک حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابن مسعودؓ ہجر نے فرمایا کہ: جب تم نبی ﷺ پر درود بھیجا کرو تو اسے سنوار لیا کرو، شاید وہی آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے۔ لوگوں نے کہا: ہم کو سکھاد دیجیے۔ گناہیوں پر حاکروں

اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَأَمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ
وَقَائِدِ الْبُخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ اللَّهُمَّ ابْعَثْ مَقَامًا مُخْمُودًا يُعْطَاهُ
بِهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُحِبٌّ
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُحِبٌّ

"یا اللہ! رسولِ رحمت، قائدِ خیر، امامِ الخیر، خاتمِ النبیین، امامِ المتقین، سید المرسلین اپنے رسول اور بندے حضرت محمد (ﷺ) پر اپنی رحمتیں، شفقتیں، برکتیں نازل فرما، یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) کو مقامِ محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں۔ یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قاتلِ تعریف اور بزرگی والا ہے اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قاتلِ تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

ابن مسعودؓ ہجر کی ایک حدیث نسائی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرَّمَ وَجْهَهُ يُبْعَثُ عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ»

"کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہجرت دہے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچا دیتے ہیں۔"

اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور ابن حبان نے بھی صحیح میں اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔

(14) فضالہ بن عبید بن جریج کی حدیث | جسے امام احمد نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ نبی ﷺ نے ایک شخص

کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا۔ وہ اللہ کی حمد کرتا تھا نہ نبی ﷺ پر درود بھیجتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اس نے جلدی کی۔ پھر اسے بلایا پھر اسی کو یا اور کو مخاطب کر کے فرمایا:

«إِذَا صَلَّيْ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالشَّعَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُو بِعَدْوٍ مِمَّا شَاءَ»
”جب تم نماز پڑھو پہلے حمد و شکر و پھر نبی ﷺ پر درود بھیجو پھر جو چاہو دعا مانگو۔“

ابوداؤد کے بھی یہی لفظ ہیں۔ نسائی ابن خزیمہ وابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(15) ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث | مسند احمد میں ہے کہ ایک صحیح رسول اللہ ﷺ پاکیزہ نفس اٹھے۔ چہرہ

مبارک پر بشارت و بشارت نظر آتی تھی۔ عرض کیا گیا کہ آج آپ ایسے معلوم ہوتے ہیں تو فرمایا:

«أَحَلَّ اللَّهُ لِي مِنْ رَجَائِي عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ صَلَوَةٌ كُنْتُ اللَّهُ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمِنْهَا غَنَةُ عَشْرِ سِتِّينَ وَزَقَّعَ لَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَرَفَعَ عَلَيْهِ مِثْلَهَا»

”ہاں پروردگار کا فرستادہ میرے پاس آیا۔ کہا آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا دس بریاں محو کرے گا دس درجے اس کے بلند فرمائے گا۔ اور ویسا ہی جواب بھی اس کو دے گا۔“

دوسری سند کے ساتھ بھی اس کو روایت کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرشتے نے آکر کہا پورو کار فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے تو اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ اور جو ایک بار سلام بھیجے اس پر دس بار سلام بھیجے گا۔ کیا آپ اس پر خوش نہیں؟ فرمایا ہاں۔ نسائی نے اور صحیح میں ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(16) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث | انس نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے

فرمایا:

اَمْرٌ ذُكِرَتْ عَنْدَهُ فَلْيُصَلِّ عَلَىَّ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

”جس کے سامنے میرا نام آئے اسے درود پڑھنا چاہیے اور جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔“

دوسری سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے

وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا صَلَوَاتٍ وَخُطِّ عَنْهُ بِهَا عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَ بِهَا عَشْرُ ذُرِّيَّاتٍ

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور دس بدیاں مٹا دے گا اور اس ورے اس سے بلند فرمائے گا۔“

امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں اپنی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ غلط اس میں یہ ہے جس کی طرف نسائی نے کتاب کبیر میں اشارہ کیا۔

ہے کہ یونس بن ابی اسحاق دو طرح پر روایت کرتا ہے۔ یزید بن ابی مریم سے وہ حسن سے وہ انس بن مالک سے۔ دوسرے یزید بن ابی مریم خود انس بن مالک سے۔ لیکن یہ غلط اس حدیث کے لیے کچھ قدح نہیں۔ کیونکہ حسن اور یزید دونوں کو انس بن مالک سے اس حدیث کا سنا ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں اور حاتم نے مستدرک میں یزید سے ہی روایت کی ہے۔ انس میں یزید نے اپنی سماع کی صراحت کر دی ہے۔ پس

ممکن ہے کہ یزید نے اس حدیث کو حسن سے بھی سنا ہو اور دونوں طرح روایت کر دی ہو جیسا کہ خود اس نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ احتمال اب تک باقی ہے کہ یہ حدیث حمید ابو طلحہ ہجرت کی حدیث ہو جسے انس ہجرت نے ارسال کے ساتھ روایت کیا ہو۔ جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت انس حضرت ابو طلحہ ہجرت سے ہی روایت کرتے ہیں۔

ایک حدیث انس ہجرت کی ابن الغازی نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِيهِ يَوْمٌ أَلْفَ مَرَّةٍ نَمَّ بَنُوتٌ حَتَّىٰ يَبْرُزَ مِنْ الْجَنَّةِ»

”جو کوئی ہزار دفعہ روزانہ درود پڑھ لیتا ہو وہ نہ مرے گا جب تک اپنا مقام جنت نہ دیکھ لے گا۔“

حافظ ابو عبد اللہ المقدسی نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ میں اس کو بجز حکم بن علیہ کی روایت کے نہیں پہچانتا۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ حکم بن علیہ نے ثابت سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ امام احمد کا قول ہے کہ ”اس کی روایت میں کچھ ذر نہیں۔“ البتہ ابو داؤد طیالسی نے اس سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حضرت انس سے جعفر قریابی نے وہ حدیث بھی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین پکارنے کا ذکر ہے (یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے) اسی حدیث کو ابو بکر شافعی نے انس ہجرت سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سلمہ بن وردان ہے جو لیث الحدیث ہے۔ گو اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے مگر وہ ایسا نہیں جس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔ خصوصاً ایسی حدیث جس کے لیے شواہد موجود ہیں۔ اور جو دو سہی طرح سے بھی معروف ہے۔ انس ہجرت کی حدیث وہ ہے جسے ابو یعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابِّينِ يَسْتَغْفِلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ (حَاجِبَةً)

وَيُصَلِّانِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى
تُغْفَرَ لَهُمَا ذُنُوبُهُمَا مِمَّا تَقَدَّمَ مِنْهَا وَمِمَّا تَأَخَّرَ

”ہو دو دوست آپس میں ملیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں انکی حالت میں
جدا ہوں گے کہ ان کے اگلے پیچھے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے۔“ (۱)

انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن ابی عامر نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
نبی ﷺ نے فرمایا:

اصْلُوا عَلَيَّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ عَلَيَّ كِفَارَةٌ لَكُمْ فَعَنْ صَلَّيْ عَلَى
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

”مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ تمہارے لیے کفارہ ہے جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ
اس پر رحمت بھیجتا ہے۔“

ابن شاہین نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ
مِنَ الْجَنَّةِ»

”جس نے مجھ پر ایک دن میں ایک ہزار دفعہ درود بھیجا اس پر اس وقت تک
موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ نہ لے۔“

یہ حدیث دوسرے طریق سے آگے آئے گی۔

(17) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث | جسے انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی

ﷺ باہر کو تشریف لے گئے۔ آپ کے
ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ گھبرائے۔ اور پانی کا لونا لے کر پیچھے ہو لیے دیکھا تو
نبی ﷺ گھاس پر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ دور بٹ گئے۔ اور آنحضرت
ﷺ کے پچھلی طرف بیٹھ گئے۔ جب نبی ﷺ نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا:

(۱) حسن بن سفیان نے اپنی سند کے ساتھ اور ابن ابی حبان نے الضعفاء میں نکالا ہے اور علامہ
سحاوی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

وَأَخْبَتَ بِأَعْمَرٍ جَيْشٍ وَجَدْتَنِي مُسَاجِدًا فَتَكَلَّمْتُ عَنْهُ إِنَّ
جَبْرَائِيلَ أَتَانِي فَقَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
عَشْرًا وَرَفَعَهُ عَشْرَ درجَاتٍ

”عمرہ نے نوب لیا کہ مجھے مسجد میں دیکھ کر درود پڑھا۔ جبریل میرے پاس
آئے تھے اور کہتے تھے جو آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ اس پر دس
رحمتیں بھیجے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔“

اس حدیث کو عمر فاروق موطا کی حدیث بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور انس بن مالک
کی بھی لیکن عمر فاروق موطا کی جانب سند دو درجہ سے ہے۔ اول سیاق سے ظاہر ہے
کہ انس اس وقت حاضر نہ تھے۔ دوسرے قاضی اسماعیل نے جو روایت کی ہے اس
میں اوس بن حداد حضرت عمر سے ہی روایت کرتا ہے۔ حضرت انس کا اس میں
واسطہ نہیں۔ لیکن اس دوسری سند پر نظر کرنے سے پہلے سند میں علت معلوم ہوتی
ہے۔ مگر یہ کوئی علت نہیں۔ کیونکہ سلمہ کا دونوں سے سماع ہے۔ ابو بکر اسماعیلی نے
کتاب مسند عمر میں ایک روایت وہ بیان کی ہے جو پہلی حدیث کے موافق ہے۔ یعنی
انس بن مالک نے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔ اور دوسری روایت وہ بیان کی ہے جس
میں سلمہ نے اس حدیث کو مالک بن انس اور انس بن مالک ہمشیر دونوں سے سنا
بیان کر دیا ہے۔ پھر فضل بن وکیع کی وہ سند بیان کی ہے جس میں سلمہ نے دونوں
سے سنا ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت عمر مہاجر کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن شابرین نے سند کے ساتھ روایت کیا
ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

”مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَوةٍ صَلَّى اللَّهُ بِهَا عَشْرًا فَلْيَقْبَلْ غَبْدُ بَعْدُ
عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوةِ أَوْ لِيَكْثُرْ“

”جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے
اب اس کے بعد خواہ کوئی درود کم پڑھا کرے یا زیادہ۔“

عمر فاروق موطا کی ایک حدیث وہ ہے جسے ترمذی نے اپنی جامع میں موقوفہ روایت

کیا ہے۔
 «إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَضَعُهُ مِنْهُ شَيْءٌ
 حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»
 ”علاء زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے۔ ذرا بھی اس میں سے
 اوپر نہیں جاسکتی جب تک نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔“
 اسماعیل نے اس سے اتم طور پر روایت کی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مسلمان
 کھلی زمین پر جا کر وضو کی دو رکعتیں پڑھے اور پھر یوں کہے:

«اللَّهُمَّ أَصْبَحَ عَبْدُكَ عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ خَلَقْتَنِي وَلَمْ أَكُ شَيْئًا
 أَسْتَغْفِرُكَ لِدُنْيِي فَإِنِّي قَدْ أَوْعَقْتَنِي دُنُوْنِي وَأَحَاطْتُ بِحَيٍّ إِلَّا أَنْ
 تَغْفِرَ لِي يَا رَحْمَنُ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لِي فِي ذَلِكَ الْخَطْعِ ذَنْبُهُ
 وَإِنْ كَانَ مِثْلُ زَيْدِ النَّخَعِ»

”الہی تیرے بندہ نے صبح ہی تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر۔ تو نے مجھ کو پیدا
 کیا اور میں کوئی شے نہ تھا۔ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوں کیونکہ
 گناہوں نے مجھ کو دشواری میں ڈال دیا اور گھیر لیا ہے (کوئی راہ نہیں رہی)
 بجز اس کے کہ تو مجھے بخش دے۔ پس اے رحمن مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ
 اسی جگہ بیٹھے ہوئے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ گو وہ کف دریا کے برابر
 ہوں۔“

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ وعاء
 زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے۔ بلند نہیں ہوتی جب تک درود ساتھ نہ
 ہو۔“

ایک روایت اور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اعمال باہم فخر کرتے ہیں اور
 صدقہ کتنا ہے میں سب سے افضل ہوں۔ فرمایا جو مسلمان اپنے مال میں سے جوڑا دینا
 ہے۔ اس کے لیے جنت کے دربان حمزی سے ہاتھ ہیں۔
 اسماعیلی کا قول ہے کہ: صلوٰۃ وضو اور صدقہ کی احادیث تو موقوف ہیں اور باقی

برابر ہیں۔ مطلب یہ کہ نماز اور اعمال کی احادیث کے مرفوع ہونے کا بھی احتمال ہے اور موقوف کا بھی۔ اور حدیث متنی تو معاذ بن عمار کی سند سے مرفوع بھی مروی ہوئی ہے۔ مگر رفع ثابت نہیں ہوا اور موقوف زیادہ قرن قیاس ہے، (واللہ اعلم) انس بن مالک بہتہ کی حدیث شے عمر بہتہ کی حدیث لکھا گیا ہے۔ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر طبرانی نے لکھ دیا ہے کہ اس سند میں ابو عبید اللہ بن عمر ہے۔ اس سے صرف یحییٰ بن ایوب روایت کرتا ہے۔ اور پھر اس سے روایت کرنے میں بھی عمرو بن الربیع بن طارق اکیلا ہے۔

(18) عامر بن ربیعہ بہتہ کی حدیث | جسے امام احمد رحمہ اللہ نے سند میں روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

خطبہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيَّ مَا صَلَّيْ عَلَيَّ فَلْيَقُلْ عَبْدًا مِنْ ذَلِكَ أَوْ لِيَكُنْ»

”جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود خوانی میں رہتا ہے“ اب ہند کو اختیار ہے کہ کم پڑھے یا زیادہ۔ ”اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔“

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فَكَثُرُوا أَوْ أَقَلُّوا»

”جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے“ اب تم زیادہ پڑھو یا کم۔“

عاصم بن عبید اللہ بن عاصم جو روایت امام احمد رحمہ اللہ میں ہے اور عبد اللہ بن عمر العری جو عبدالرزاق کی سند میں ہے گو ان دونوں کی حدیث میں کچھ ضعف ہے مگر حدیث کا ان دو مختلف وتوہ سے مروی ہونا اناست کرتا ہے کہ حدیث کی اصلیت ضرور ہے۔ اور یہ حسن کے درجہ وسطیٰ سے کم نہیں، (واللہ اعلم)

(19) عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث | جسے امام احمد رحمہ اللہ نے سند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ

ﷺ ہاجر تشریف لے گئے میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔ آپ نخلستان میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے ایک لمبا سجدہ کیا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ نے وفات دے دی۔ میں دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ”عبد الرحمن تجھے کیا ہو گیا۔“ میں نے اپنا اندیشہ عرض کیا فرمایا:

إِنِّي حَسْبُ الْبَيْتِ قَالَ لَيْتَنِي إِلَّا بُشِّرْتُكَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ

”جبریل نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ اللہ پاک فرماتا ہے۔ جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔“

دوسری سند میں اتنا زیادہ ہے کہ:

اَفْتَحَدَّثُكَ اللَّهُ شُكْرًا

”میں نے اللہ تعالیٰ کا سجدہ شکر ادا کیا۔“

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کو مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے صحیح الاسناد بتلایا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ابن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور اسے طول کیا۔ میں نے اس بارے میں عرض کیا تو فرمایا:

إِنِّي سَجَدْتُ هَذِهِ السَّجْدَةَ شُكْرًا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيمَا أَبْلَاَنِي فِيهِ أَشْجِي فِرَاقُهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا

”میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ سجدہ شکر کیا تھا کہ اس نے میری امت کے بارے میں یہ ارزانی فرمائی کہ جو کوئی شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔“

موسیٰ بن عبیدہ اس حدیث کی سند میں ہے۔ گو اس کی حدیث میں کچھ ضعف

ہوتا ہے۔ تاہم یہ حدیث 'حدیث بالا کے لیے شائبہ ہے۔

بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ پہلی حدیث کے موافق روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ: "الحديث لدلت"، "میں نے اسی لیے تجد کیا۔"

(20) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث | سے عہد امید نے سند میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابی غنیمت کہتے ہیں

کہ: جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جائے تو رسول کریم ﷺ گھر سے ہوتے اور فرماتے "لوگو ذکر الہی کرو" ذکر الہی کرو۔ "آیہ زلزلے کا جھٹکا" اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا "موت آنی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ" موت آنی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ۔"

أَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَكْثَرُ الصَّلَاةِ عَلَيْكَ، فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي؟ قَالَ: مَا سُنْتُ: قُلْتُ الرَّوَاحُ؟ قَالَ: مَا سُنْتُ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ، قُلْتُ النُّصْفُ؟ قَالَ: مَا سُنْتُ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ، قُلْتُ الثَّلَاثِينَ؟ قَالَ: مَا سُنْتُ قَالَ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا

"میں نے عرض کی 'اے اللہ کے رسول! میں آپ پر درود پڑھا کرتا ہوں۔ فرمائیے درود کی کیا مقدار رکھوں، یعنی اور وظیفوں کے مقابل میں۔ فرمایا جس قدر تو چاہے۔ عرض کیا ایک چوتھائی ۱/۴۔ فرمایا 'جتنا تو چاہے' اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا نصف ۱/۲۔ فرمایا 'جتنا تو چاہے' اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا دو تہائی ۲/۳۔ فرمایا 'جتنا تو چاہے' اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تمام (وقت کو) آپ کے درود کے لیے وقف کر دوں گا۔"

فرمایا:

«إِذَا يَتَكَبَّرُ هُنَاكَ وَيَغْفِرُ لَكَ ذُنُوبَكَ»

"اُسی حالت میں وہ تیرے مقاصد کے لیے کفایت کرے گا۔ اور تیرے گناہوں کو بخش دے گا۔"

ترمذی و امام احمد اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن عبد الحمید کی سند میں ہے۔ اس سے احمد کبار، شمس حمیدی، احمد، اسحاق، علی بن المدینی، ترمذی رحمہ اللہ وغیرہم نے جست پہنچی ہے۔ اور ترمذی رحمہ اللہ نے اس ترجمہ کو بھی صحیح بھی حسن کہا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اس حدیث کی تفسیر یہ تھی کہ: کما ابی بن کعب رحمہ اللہ اپنے لیے کچھ دعا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ اس دعا میں سے جو تعالیٰ یا نصف یا دو تہائی کو درود بنا لوں۔ اور کل کو درود بنا لینے کے اظہار پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”کہ اب تیرے مقاصد کے لیے کفایت اور تیرے گناہوں کے لیے مغفرت کا ذریعہ ہو گا۔“ (جب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت مطالب کی کفایت کنندہ اور گناہوں کی بخشندہ ہے۔ یہ معنی ہیں اس حدیث کے۔

(21) اوس بن اوس بن ہشام کی حدیث کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

مِنْ أَفْضَلِ أَلْبَائِكُمْ يَوْمَ الْحُجَّةِ فِيهِ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَفِيهِ قُبُورُ
وَفِيهِ التَّغْفَةُ وَفِيهِ الشَّعْفَةُ فَكَثِّرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ
صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَعْرِضُ عَلَيْنَا
صَلَاتُنَا وَقَدْ أَرَمْتَ بَعْنِي وَقَدْ بَلَّيْتُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ
عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

”دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ اسی دن نفوس حضرت اسرافیل صور چھوٹیں گے۔ اسی دن بجلی کی کڑک اور گڑگڑاہٹ ہے۔ تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔“

کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جب آپ مٹی ہو جاویں گے تو ہمارا درود کس طرح آپ کے سامنے پیش ہو سکے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔ زمین ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔"

امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے صحیح میں۔ اور حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور سب کی روایت میں حسین الجعفی ہے۔ بعض حفاظ نے اس میں یہ طلت بیان کی ہے کہ حسین جعفی، عبدالرحمن بن یزید سے اور جابر ابو الاشعث صنعانی سے وہ حضرت اوس بن ہذیل سے روایت کرتے ہیں۔ بقاہر تو جو شخص اس اسناد کو دیکھے گا اس کی صحت میں شک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی احادیث کو امام نے قبول کیا ہے۔ مگر علت اس میں یہ ہے کہ حسین جعفی نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے نہیں سنا۔ اس نے عبدالرحمن بن یزید بن حمیم سے سنا ہے اور اسے بخت نہیں سمجھا۔ حسین جعفی نے جب اس حدیث کو روایت کیا تو اپنے راوی کے جد کے نام میں غلطی کر گیا اور ابن تمیم کہنے کی بجائے ابن جابر کہہ گیا۔ جس کو حفاظ نے ظاہر کر دیا اور تنبیہ کر دی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم الشامی مکحول رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے۔ ولید بن مسلم نے اس سے سنا ہے اس کے پاس منکیر المنکر روایات ہیں۔ یہ وہ ہے جس سے ابواسامہ اور حسین جعفی روایت کرتے ہیں۔ اور دونوں نے اس کا نام یزید بن جابر کہا اور اس کے نسب میں غلطی کھائی ہے حالانکہ صحیح یزید بن تمیم ہے اور یہ ضعیف ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ یزید بن عبدالرحمن بن تمیم کی احادیث کو عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کیا ہے مگر اس بارے میں ان کو وہم ہوا۔ اور ان احادیث کے اخذ کرنے میں بھی۔ حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں ابواسامہ نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے مگر یہ اس کا وہم ہے وہ تو ان سے ملا بھی نہیں۔ وہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم سے ملا۔ مگر اسی کو ابن جابر سمجھ گیا۔ ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور اس کے ضعف کی طرف ایک

سے زیادہ حافظوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس تو جیسہ کا جواب بعض وجوہات کی بنا پر یہ ہے کہ: حسین جعفی نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سماع کی خود صراحت کر دی ہے۔ ابن خباب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

”جب اس نے خود سماع کی صراحت اپنی روایت میں کر دی ہے تو یہ خیال کہ جس سے یہ روایت کرتا ہے دراصل ابن حمیم تھا اور حسین نے اپنی غلطی سے اسے ابن جابر سمجھ لیا تھا۔ بالکل بعید ہے کیونکہ حسین جعفی کو اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا جب کہ یہ صاحب علم و نقد ہے اور دونوں سے سماع بھی رکھتا ہے۔“

اس کے جواب میں کوئی شخص ابو حاتم کی کتاب اسئل کو پیش کر سکتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

”میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ اہل عراق میں سے میں نے کسی کو نہیں سنا جو عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کرتا ہو۔ ابو اسامہ اور حسین جعفی جس سے روایت کرتے ہیں وہ ایک ہی شخص یعنی ابن حمیم ہے۔ کیونکہ ابو اسامہ نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کی روایت سے پانچ یا چھ احادیث منکر بیان کی ہیں۔ اور یہ ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا کہ ابن جابر جیسا شخص ایسی احادیث کی روایت کرے۔ رہی حسین جعفی کی روایت کردہ حدیث ”افضل الايام“ جس کو وہ ابن جعفر سے روایت کرتا ہے۔ یہ بھی حدیث منکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ حسین کے سوا کسی اور نے روایت کیا ہو۔ یہ یاد رہے کہ عبدالرحمن بن یزید بن حمیم تو ضعیف حدیث ہے اور عبدالرحمن بن یزید بن جابر ثقہ ہے۔“

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حسین جعفی اور ابو اسامہ کے سماع ابن جابر میں کفایت کی گئی ہے۔ ابو اسامہ کا سماع ابن جابر سے تو اس کا انکار اکثر اہل حدیث نے کیا ہے۔ ترمذی میں حافظ ابوالحجاء المزنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن نمیر نے ابو اسامہ کا ذکر کیا کہ جس ابن جابر سے یہ روایت ہے یہ مشہور ابن جابر نہیں۔ میرے پاس

ذکر ہوا ہے کہ ایک اور شخص ابن جابر کے نام سے مشہور تھا۔ یعقوب کہتے ہیں یہی شخصیک ہے وہ (در اصل) ابن تمیم تھا۔ ابو اسامہ اس کے پاس گیا۔ اس سے احادیث لکھ کر روایت کی۔ حالانکہ وہ ابن جابر کے نام سے محض مشہور ہی تھا۔ یعقوب کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ابن نمیر نے ابو اسامہ پر گویا یہ الزام لگایا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا پتہ بھی چلا مگر پھر بھی اس نے غفلت کی۔ ابن نمیر نے یعقوب سے کہا کیا تم اس کی روایت کو نہیں دیکھتے جو تمام صحاح کے تحت اہل شام اور اصحاب ابن جابر نے روایت کیا ہے کسی سے نہیں ملتی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ

”میں نے حسین جعفی کے برادر زادہ محمد بن عبدالرحمن سے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کا سوال کیا۔ کہا کوفہ میں عبدالرحمن بن یزید بن تمیم بھی آیا اور عبدالرحمن بن یزید بن جابر بھی۔ اور اس سے کچھ زمانہ بعد عبدالرحمن بن یزید بن جابر پھر کوفہ آیا۔ مگر جس شخص سے ابو اسامہ روایت کرتا ہے وہ ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہے۔“

ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ: ”ابو اسامہ نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن جابر سے سنا اور یہ دونوں ابن مبارک و ابن جابر کھول سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جابر اخیمر مشہور بھی دمشق ہے۔ جب یہ آیا تو اس نے کہا میں عبدالرحمن بن یزید و دمشق ہوں۔ پھر اس نے کھول سے روایت کی۔ ابو اسامہ یہ سمجھ گیا کہ یہ ابن جابر وہ ہے جس سے ابن مبارک روایت کرتے ہیں۔ بے شک عبدالرحمن بن یزید بن جابر ثقہ و مامون ہیں۔ ان کی حدیث جمع کی جاتی ہے۔ اور ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور ابو داؤد نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابو اسامہ اسی سے روایت کرتا ہے اور اس کے نام میں غلطی کہا گیا ہے اور ابن جابر الشافعی کہہ کر روایت کرتا ہے۔ دراصل اس کی یہ تمام احادیث ابن تمیم سے ہیں۔“

رہا حسین جعفی کا ابن جابر سے سنا تو ہمارے شیخ نے قندیب میں اس کا ذکر کر کے حسین بن علی کی ابن جابر سے روایت کو زیادہ قوی قرار دیا ہے اور ابو اسامہ (اصل) بن اسامہ کو محفوظ ہے اکی روایت پر شک کیا ہے۔ تعلیل بالا کا جواب تو ہو چکا۔ اس

قدر لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دار قطنی نے اس کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔ وہ ابو حاتم کی کتاب الضعفاء پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین بن علی نے تو عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے۔ اور ابواسامہ نے عبدالرحمن بن یزید بن حاتم سے مکر وہ اس کے بعد کے نام میں غلطی کھاتا ہے۔

حدیث بالا میں ایک صحت اور ہے یعنی عبدالرحمن بن یزید نے ابوالاشعث سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ کوئی علت قاطعہ نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے لیے حدیث ابو ہریرہ، ابودرداء، ابولہامہ، ابومسعود، انس بن مالک اور حسن بن علیؓ بطور شہاد ہیں۔ جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(الف) حدیث ابو ہریرہؓ سے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُقْبِطَ وَفِيهِ تَبَّ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصَيَّخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنْ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسُ وَفِيهَا سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي بِسَاقٍ إِلَّا أَغْطَاهُ إِثْمُهُ»

”بہترین دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی روز زمین پر آئے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن مرے اسی دن قیامت ہوگی۔ جن انسان کے سوا جتنے جان دار ہیں اس روز قیامت کے ذر سے طلوع آفتاب سے ہی گوش بر آواز رہتے ہیں۔ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مل جائے اور وہ نماز پڑھتا ہو اللہ سے سوال کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز دے دیتا ہے۔“

یہ حدیث صحیح ہے اور حدیث اس بن اس کی تائید کرتی ہے اور اس کے ہم معنی ہے۔ اب کتاب التہذیب میں حدیث ابودرداءؓ سے بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَتَّبِعُوا الصَّلَاةَ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مُسْتَهْوَذٌ نَشْهُدُ»

الْمَلَائِكَةُ وَإِنْ أَحَدًا لَا يُصَلِّيْ عَلٰی إِلَّا عَرَضَتْ عَلَيْهِ صَلَواتُهُ
حَتَّى يَغُفِّرَ قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنْ اللَّهُ حَرَّمَ عَلَى
الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ - فَبَيَّ اللَّهُ حَتَّى يُرْزَقَ!

”جمع کے روز درود بکثرت پڑھا کر دیکھو کہ وہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے۔
فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود میرے
سامنے کر دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد کیا حال رہے گا۔ فرمایا
اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کھائے۔ اللہ کا نبی ا قبر میں
بھی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔“

اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو آگے آئے گی۔ طبرانی اور ابن ماجہ نے
روایت کیا ہے:

(ج) حدیث ابو امامہؓ کو یحییٰ نے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَكْتَبُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِي كُلِّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ ثَلَاثَ صَلَواتٍ
تُعْرَضُ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلَوةً
كَانَ أَقْرَبَهُمْ مِنِّي مُنْزَلًا»

”جمع کے دن مجھ پر درود بکثرت پڑھا کر دیکھو کہ ہر جمعہ امت کا درود میرے
سامنے کیا جاتا ہے۔ جو درود خواتی میں پڑھا ہوا ہو گا وہی درجہ میں مجھ سے
قریب تر ہو گا۔“

اس حدیث میں دو غلطیاں ہیں:

① بدین شان جو معمول شامی سے روایت کرتا ہے اس کے بارے میں علماء نے
جرح اعلیٰ محدثین کی اصطلاح میں راوی کے عیب ظاہر کرنے کو جرح کہتے
ہیں اکی ہے۔ طبرانی بن مہین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

② کہتے ہیں کہ معمول شامی نے ابو امامہؓ سے نہیں سنا۔ واللہ اعلم

(د) حدیث انسؓ کو طبرانی نے محمد بن علی الاحمر کی سند سے روایت کیا ہے
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ آتِئًا مِنْ رَبِّهِ
عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُسْلِمٍ يَصَلِّيُ عَلَيْكَ مَرَّةً
وَاحِدَةً إِلَّا صَلَّيْتُ أَنَا وَمَلَائِكَتِي عَلَيْهِ عَشْرًا»

”جمعہ کو بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ ابھی جبریل اللہ تعالیٰ کی جانب سے
میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ روئے زمین پر جو مسلمان آپ پر ایک بار
درود پڑھے گا میں اور میرے فرشتے دس دفعہ اس پر رحمت بھیجیں گے۔“
نیز محمد بن اسماعیل وراق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا

«اَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ»
”مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود
مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

یہ دونوں راوی گو ضعیف ہیں مگر استشاد (طلب گوئی) کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
ابن ابی السری نے سند کے ساتھ صرف اس قدر روایت کیا ہے:
«اَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ»
”جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ پر بکثرت درود پڑھنے کو
پسند کرتے تھے۔ ابن وہب کا قول محمد بن یوسف نے نقل کیا ہے کہ مجھے ابن مسعود
رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے زید بن وہب تو ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَالْحَبِیْبِ الْاَمْرِیْ پڑھ لیا کر۔ کوئی جمعہ خالی نہ جائے۔“
(۱) حدیث حسن بخیر ہے نبی ﷺ نے فرمایا

«لَا يَأْكُلُ الْأَرْضُ حَسَنًا مِنْ كَلِمَةٍ رُوحُ الْقُدُسِ»
”جس کے ساتھ جبریل (روح القدس) نے کلام لیا ہو۔ زمین اس کے جسم کو نہیں
کھاتی۔“

(22) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی سند میں روایت کیا ہے۔ رسول

کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا فِي يَوْمَيْكُمْ وَلَا تَجْعَلُوهَا قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوهَا بَيْتًا صَلُّوا عَلَيَّ وَتَسَلَّمُوا فَإِنَّ صَلَواتَكُمْ وَسَلَامَكُمْ يَنْتَلِعُنِي إِلَيْهِ مَا كُنْتُمْ»

”نواقل گھروں میں پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بنا کر گھوا جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے رہو تم جہاں کہیں ہو گے وہیں سے تمہارا سلام و صلوٰۃ میرے پاس پہنچتا رہے گا۔“

حالت اس حدیث میں یہ ہے کہ ابو بکر خنی نے تو عبد اللہ بن نافع سے مذکورہ بالا الفاظ روایت کئے ہیں مگر مسلم بن عمرو جو عبد اللہ بن نافع سے حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اس نے یہ الفاظ کہے ہیں

«لَا تَجْعَلُوهَا يَوْمَيْكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوهَا قُبُورًا صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَواتَكُمْ تَنْتَلِعُنِي حَيْثُ مَا كُنْتُمْ» یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

طبرانی نے عجم کبیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں۔

«حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَواتَكُمْ تَنْتَلِعُنِي»

”تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔“

(23) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے عجم میں روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ ذُكِرْتُ عَنْدهُ فَخَطِيءٌ الصَّلَاةُ عَلَيَّ خَطِيءٌ طَرِيقُ الْجَنَّةِ»

”جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود میں غلطی کی۔ ایسی درود شریف نہ پڑھا وہ جنت کی راہ بھول گیا۔“

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ "عمرو بن حفص نے تو اس کو روایت ابو ہریرہ سے ہی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی عاصم و اسحاق بن اسحاق نے امام زہری و العابدین سے مرسل روایت کیا ہے۔ سلیمان بن حرب اور علی بن مدینی کی روایتوں میں اسی حدیث کو امام باقر رحمہ اللہ سے بطور ارسال روایت کیا گیا ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عمرو راوی کے بعد ایک اور شخص نے بھی اس کا نام سفیان راوی نے بسام صیرفی بتلایا ہے بیان کیا تھا کہ اس نے بھی یہ حدیث امام باقر رحمہ اللہ سے ہی سنی تھی۔ حضرت حسین موثر کی ایک وہ حدیث ہے جسے نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْبَخِيلُ مِنْ ذُكُورٍ عَيْنُهُ وَلَهُ يُضِلُّ عَلَيْهِ»

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اس کو ابن حبان و حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اور ترمذی نے جامع میں روایت کیا اور حسن صحیح غریب بتلایا۔ اور مسند میں علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی حدیث گما ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور علت ہے۔ جو نسائی نے سنن کبیر میں لکھی ہے کہ عبد العزیز بن محمد کی روایت میں عبد اللہ بن علی بن حسین حضرت علی رحمہ اللہ سے مرسل روایت کرتے ہیں:

اور ذکر ابن یحییٰ کی روایت میں یوں ہے کہ عبد اللہ بن علی بن حسین نے کہا کہ حضرت علی رحمہ اللہ نے کہا کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے "بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

(24) فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی حدیث جس کو ابو العباس ثقفی نے سند کے ساتھ فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَقُولِي بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَسَهِّلْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجْتَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُولِي كَذَلِكَ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَسَهِّلْ لِي

ابوابِ رِزْقِکَ

”بب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو اللہ کے نام سے شروع کرتی ہوں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر صلوٰۃ و سلام بھیج۔ یا اللہ! مجھے بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے آسان کر دے۔“

مسجد میں داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْحَمْدُ پڑھنا چاہیے۔ اور اسی طرح صرف جانے کے وقت رَحْمَتِکَ کی جگہ رِزْقِکَ بدل لینا چاہیے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھ دیا کہ حدیث کی سند حدیث کی متصل نہیں کیونکہ قاطمہ بنت حسیں رضی اللہ عنہا نے اپنی داری قاطمہ کبریٰ حبیبہ کو نہیں پایا۔ ابن ماجہ نے بھی ترمذی کی طرح روایت کیا ہے۔

(25) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے احمد بن عمرو رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا:

”مَنْ صَلَّى عَلَى كَتَبَتْ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُجِبِّي عَشْرَ بَهَا عَشْرٍ مَنِيَّاتٍ وَرَقْعَةً بَهَا عَشْرُ ذُرَجَاتٍ وَكُنْ لَهُ عِزٌّ عَشْرَ رِقَابٍ“

”جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ اور درود کا پڑھنا اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔“

(26) جس کو جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نسائی نے سنن کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا:

”مَا اخْتَمَعَ قَوْمٌ شَيْءً تَعَرَّفُوا عَنْ غَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَصَلُّوْهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَامُوا عَرَى النَّارِ جَبَقِيَّةً“

”کوئی قوم جمع ہو کر متفرق نہیں ہوتی جس میں ذکر اللہ اور صلوٰۃ نہ ہو مگر

اس کی مثال ایسی ہے کہ غلیت بدو دار مردار سے اٹھے ہیں۔
ابو عبد اللہ المقدسی کہتے ہیں کہ یہ سند میرے نزدیک مسلم کی شرط پر ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ
کی ایک حدیث احمد بن عمرو نے سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوا فِي كَفَذِ الرَّائِبِ إِنْ الرَّائِبُ بَدَلًا قَذْحُهُ فَإِذَا فَرِغَ
وَعَلَقَ مَعَالِيقَهُ فَإِنْ كَانَ فِيهِ مَاءٌ شَرِبْ حَاجَتُهُ أَوْ الْوُضُوءُ تَوْضُؤًا
وَالْأُخْرَى الْقَذْحُ فَاجْعَلُوا فِي أَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِي أَوْسَطِهِ وَلَا
تَجْعَلُوا فِي آخِرِهِ»

”مجھے سوار (مسافر) کے پیالہ کے مانند نہ بناؤ جو پیالہ بھر لیتا ہے۔ پھر جب
فارغ ہو کر اسباب وغیرہ لاد کر (چلنے کو تیار ہو جاتا ہے) تو پیالہ کے پانی کو پی
لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے اور پھر اسے توڑ دیتا ہے۔ تم مجھے دعا کے اول اور
وسط میں جگہ دو۔ اور آخر میں جگہ نہ دو۔“

یہ الفاظ ابی حاتم کے تھے لیکن طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

«فَجْعَلُوا فِي وَسْطِ الدُّعَاءِ وَفِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ»

”یعنی دعا کے اول و آخر اور وسط میں درود بر نبی ﷺ ہونا چاہیے۔“

(27) ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث | جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ
نے فرمایا:

«إِذَا طَلَّتْ أُذُنُ أَحَدِكُمْ فَلْيَذْكُرْنِي وَلْيُصَلِّ عَلَيَّ»

”جب کسی کا کان شل شل کرنے لگے تو اسے لازم ہے کہ میرا ذکر کرے
اور مجھ پر درود پڑھے۔“

طبرانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو رافع رضی اللہ عنہ سے اسی اسناد کے ساتھ مروی ہے اور
معمر بن محمد اس روایت میں منفر ہے۔ ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور
اس کے آخر میں:

«ذَكَرَ اللَّهُ مِنْ ذِكْرِي بِخَيْرٍ»

”یعنی اللہ کا ذکر میرے ذکر سے بہتر ہے۔“ زبان گما ہے۔

(28) عبد اللہ بن ابی اوفیٰ برہنہ کی حدیث جسے ترمذی نے اپنی جامع میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ كَانَتْ لَهُ إِلَى اللَّهِ حَاجَةٌ أَرَادَ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لْيُصَلِّ رَكَعَيْنِ ثُمَّ لْيُسَلِّ عَلَى اللَّهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْخَلِيقُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَتَانِكَ مُوْجِبَاتُ رَحْمَتِكَ وَغَزَائِمُ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةُ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةُ مِنْ كُلِّ أَثِمٍ لَا تَدْعُ لِي ذُنُوبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِصًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا رَاحِمَ الرَّاحِمِينَ“

”جس کو اللہ سے حاجت ہو یا کسی آدمی سے۔ اسے چاہیے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اللہ کی ثناء اور درود برنی ﷺ کے بعد یہ دعا پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَمْدُ لِلَّهِ“

ترمذی رحمہ اللہ نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں علماء کی جرح ہے۔ قائد بن عبد الرحمن حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ قائد کی کنیت ابو الورقاء ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کو موقوف الحدیث اور یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم بن مہان نے کہا یہ مشابہہ سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور ابن ابی اوفیٰ برہنہ سے نامعلوم حدیثیں بیان کرتا ہے۔ بنی سے حجت مناسب نہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ میں اس کو بطور شہاد لایا ہوں اور قائد مستقیم الحدیث ہے۔

(29) روفیع بن ثابت برہنہ کی حدیث جو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الْمُقْعَدِ الْمُقْرَبِ عِنْدَكَ“

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

"جو شخص اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دے گا، میں اس کی شہادت کروں گا اور قیامت کے دن اسے اپنے قریب ترین جگہ دے گا" پڑھتا ہے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔"

اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(30) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوا مَجْلِسًا ثُمَّ قَامُوا بَيْنَهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَتْ ذَلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً

"جس مجلس والے ذکر الہی اور درود بر نبی کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں ان کے لیے وہ مجلس حسرت و افسوس کا باعث رہے گی۔"

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے جسے طبرانی نے تجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاتِي اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا مَلَكَ مُوَكَّلٌ بِهَا حَتَّى يُبَلِّغَهَا

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ ایک فرشتہ مقرر ہے جو بندے کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔"

(31) عبدالرحمن بن بشر بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے اسماعیل بن اسحاق نے اپنی کتاب میں

سند کیساتھ روایت کیا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو حکم ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں، سلام تو ہم جان گئے۔ درود آپ پر کس طرح بھیجیں فرمایا: گما کرو۔

اس سند میں کمال راوی ہے اس کے متعلق علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ان کا سماع ابوامامہ سے ثابت نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اَبِي مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اَبِي اِبْرَاهِيْمَ،
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اَبِي اِبْرَاهِيْمَ

”یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔“

حضرت عبدالرحمن بن یزید صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن مندو نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام ابن بشر بھی لکھا گیا ہے اور ابن بشر بھی۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابن بشری تحریر کیا ہے۔ شعبی رحمہ اللہ نے ان سے فضیلت علی مرتضیٰ بنجر کی حدیث روایت کی ہے اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث ان سے روایت کی۔ مسدد اور ترمذی بن علی کی روایات میں بھی اسی طرح ہی ہے۔

(32) ابو بروہہ بن یزید بن یزید کی حدیث جسے نسائی نے روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”مَنْ صَلَّى عَلٰى مَنْ اُتِيَ صَلَوةٌ مُّخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ يَہَا عَشْرَ صَلَواتٍ وَرَفَعَ يَہَا عَشْرَ ذِرَعاتٍ وَكُتِبَ لَہُ يَہَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمُحِي عَنْہُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ“

”جس مسلمان نے خلوص دل سے درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، دس نیکیاں لکھتا ہے، دس برائیاں مٹاتا ہے۔“

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ اسے سعید بن سعید سے ابو اسامہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے بھی اور دونوں کی سند میں اختلاف پڑ گیا ہے۔ ابو زررہ راوی کا قول ہے کہ حدیث ابو اسامہ زیادہ مناسب ہے۔ طبرانی نے معجم میں اور ابن عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں اس کو اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دونوں کی سند میں ابو اسامہ ہے۔

(33) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث | جسے ابو الشیخ اسماعیلی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنَّاكَ أَعْطَاهُ أَسْمَاعُ الْخَلَائِقِ فَهُوَ قَائِمٌ عَلَى قَبْرِي إِذَا مِثُّ فَلَيْسَ أَحَدٌ يُصَلِّي عَلَى صَلَوةٍ إِلَّا قَالَ يَا مُحَمَّدُ صَلِّ عَلَى فَلَانٍ بَيْنَ فَلَانٍ قَالَ فَيُصَلِّي الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى ذَلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاجِدَةٍ عَشْرًا

"اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک ایسا فرشتہ ہے جسے اس نے تمام مخلوق کی آوازیں کی قوت شنوائی دے دی ہے۔ جب میرا انتقال ہو گا تب وہ میری قبر پر فصرار ہے گا جو کوئی مجھ پر درود پڑھے گا وہ بتا دے گا کہ فلاں بن فلاں آپ پر درود پڑھتا ہے۔ فرمایا اس درود پڑھنے والے پر ایک کے بدلے دس رحمتیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔"

(34) ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث | ایک صحابی نے خبر دی

کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے پھر تکبیر اولیٰ کے بعد چپکے چپکے فاتحہ پھر می اکر م ﷺ پر درود اور باقی تکبیرات میں میت کے لیے ہی دعا ہے اور کچھ نہ پڑھے پھر آہستہ سے سلام کر دے۔"

اس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے سند میں روایت کیا ہے۔ نیز اسماعیل بن اسحاق نے۔ نیز سنن میں نسائی نے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں ابو امامہ بن سہل بن حنیف بن واہب انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ ان کا نام اسعد ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے دادا کے نام پر ان کو ابو امامہ اسعد بن زرارہ تھے ان کا نام رکھ دیا تھا اور ان کی کنیت پر کنیت۔ ان کے لیے دعا فرمائی اور برکت دی۔ ابو عمرو غیریہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ ۱۰۰ھ میں نوے سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ اس حدیث میں اختلاف بھی ہے۔ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ ابو امامہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ خود ابو امامہ رحمہ اللہ

نے کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طرح روایت کی ہے۔

در اصل حدیث کے لیے یہ کوئی علت قاطعہ (افتصاد وہ سبب) نہیں کیونکہ صحابی
بریل کا بھول (غیر معروف) ہونا ضرر نہیں دیتا۔

صحابی کا کسی فعل کو سنت کہنا ایسا حکم رکھتا ہے واضح ہو صحابی کا یہ کہنا کہ: ”یہ سنت
میں سے ہے۔“ اس میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے مرفوع کے حکم میں ہے اور کوئی
کہتا ہے کہ رفع کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث اسی کتاب کے کسی
دوسرے مقام پر کی گئی ہے۔

(35) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں منبر پر چڑھتے اور نہیں ہار آمین
کہنے کا ذکر ہے۔ اسی میں ہے کہ جبریل

علیہ السلام نے کہا:

”بِأَمْرِ اللَّهِ مِنْ ذُكْرَاتٍ بِئِنَّهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلَيْكَ فَقَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ
فَكَفَعَهُ اللَّهُ فَلَمْ آمِينَ قُلْتُ آمِينَ“

”اے محمد (ﷺ)! جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا
پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا اور اللہ نے اسے دور کر دیا۔ کسے آمین میں
نے کہا! آمین۔“

قیس بن رفیع جو اس حدیث کا راوی ہے صدوق (صحیح ہونے والا) ہے مگر بد حافظہ
ہے۔ شعبہ ان کی تعریف کرتا تھا۔ ابو حاتم نے کہا وہ محل صدق ہے مگر قوی نہیں۔
ابن عدی نے کہا:

”اس کی تمام روایات مستقیم ہیں۔“ رسی یہ حدیث اس کی اصل حدیث ابو ہریرہ
کعب بن عجرہ ابن عباس مالک بن حویرث اور عبد اللہ بن عمارث رضی اللہ عنہ سے ہے۔
حدیث ابو ہریرہ جابر و کعب بن مالک اور ابن سمرہ پہلے گزر چکی ہیں۔

(36) مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو حاتم نے صحیح میں روایت کیا
ہے کہ جس میں منبر کے تیوں

دروں پر چڑھنے آمین کہنے رمضان والدین اور سلوۃ برہی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

(37) عبد اللہ بن جزء الزیدؓ کی حدیث | بھی اسی مضمون کی ہے اور اس کو جعفر فریابی نے

اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(38) ابن عباسؓ کی ایک حدیث | ابو مالک اور عبد اللہؓ کی حدیث بلا کے ہم مضمون ہے اسے طبرانی

نے روایت کیا ہے۔

(39) ابن عباسؓ کی ایک حدیث | وہ ہے نئے محمد بن حسن باقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ صَلَّى عَلَىَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَرَلِ الصَّلَاةَ جَارِيَةً لَهُ مَا دَامَ اسْمُهُ فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ“

”جو کوئی شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھتا ہے اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے۔“

اس روایت میں کالج اور نمشل دو راوی ہیں دونوں غیر ثقہ اور کذب سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی ایک توہمکی اصل ہے۔ دوسرے ابن جبار کی سند سے بروایت ابو ہریرہؓ بھی ہے۔ اسی حدیث کو امام جعفر بن محمد کا قول کہہ کر موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہے اور یہی زیادہ درست ہے۔ محمد بن حمیر امام محمود سے ہی یہ قول روایت کرتا ہے:

”مَنْ صَلَّى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي كِتَابٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ عَزْوَةً وَرَوَّاحًا مَا دَامَ اسْمُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ“

”جو شخص کسی کتاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود لکھتا ہے جب تک اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک لکھا رہتا ہے فرشتے اس شخص پر صبح و شام دعا و رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔“

ایک خواب کا ذکر احمد بن عطاء ابو صالح عبد اللہ بن صالح کا قول بیان کرتے تھے کہ

اصحاب حدیث میں سے ایک کو خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ کہا: مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا: کس عمل کے بدلے؟ کہا: اس درود شریف کی وجہ سے جو میں نبی ﷺ پر کتابوں میں لکھا کرتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے طبرانی نے معجم میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطَا ظَرْفَيْنِ الْجَنَّةِ»

”جو درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ بہشت کی راہ بھول گیا۔“

اس کو ابن ماجہ نے سنن میں، مبارہ بن معمر نے روایت کیا ہے۔ یہ جبارہ وہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کوئی وضعی حدیث بیان کر دیتا تو خود اسے روایت کر دیتا اور معلوم نہ کر سکتا۔ مگر اس حدیث کے معنی حضرت ابو ہریرہؓ، حسین بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم میں مروی ہیں۔ حسین بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ محمد بن حنفیہ کی حدیث کو ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ ذَكَرْتُ عَنْهُ النَّبِيَّ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطَا ظَرْفَيْنِ الْجَنَّةِ»

”جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو وہ بہشت کے راستے سے بھٹک گیا۔“

اور حدیث ابو ہریرہؓ کو عبد الخالق بن حسن سقطی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

«مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطَا ظَرْفَيْنِ الْجَنَّةِ»

”جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔“

(40) ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث | جسے اسماعیل بن اسحاق نے کتاب الصلوٰۃ میں منہ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ أَبْخَلَ النَّاسُ مَنْ ذَكَرْتُ عَنْهُ فَلَمْ يُضِلَّ عَلَيَّ»

”سب سے بڑھ کر بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر

درود نہ پڑھے۔"

ابن ابی عاصم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَخْلَى النَّاسِ فَأَلَوْا بَلَى يَتَرْتَمِلُونَ اللَّهَ قُلَانِ مِنْ دُكُوتٍ جَنْدُهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَذَلِكَ أَخْلَى النَّاسِ»

"ایسا سب سے زیادہ بخیل تمہیں نہ بتا دوں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ سب سے زیادہ بخیل ہے۔"

اس حدیث میں صحابی صحابی سے روایت کرتا ہے اور اس کی اصل حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی احادیث میں جو بیان ہو چکی ہیں موجود ہے۔

(41) داؤد بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابن خبیث نے مسند میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا قَوْمٍ جَلَسُوا فِي مَجْلِسٍ ثُمَّ تَفَرَّقُوا قَبْلَ أَنْ يَذْكُرُوا اللَّهَ وَيُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذَلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ نَزَرٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جو قوم کسی مجلس میں ذکر الہی اور درود بر نبی ﷺ نہیں پڑھتی تو قیامت کے دن وہ مجلس اہل مجلس کے لیے خسارہ ہوگی۔"

اس کی اصل ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

(42) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث اسے ابن شاکب نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔"

ابن ابی داؤد کی روایت میں ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع

میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَهَبَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ جَنْدَ الْإِسْتِغْفَارِ فَمَنْ اسْتَغْفَرَ بِتِلْكَ صَادِقَةٍ غُفِرَ لَهُ وَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَسُحِّحَ مِيزَانُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”اللہ تعالیٰ استغفار سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جس جس نے اُسی نیت سے استغفار پڑھا اسے بخش دیا گیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کی میزان بھاری ہو گئی۔ جس نے مجھ پر درود پڑھا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔“

(43) ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بھی نبی کی حدیث جسے ابراہیم بن رشید بن مسلم نے سند کے ساتھ

روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً إِلَّا عَرَّجَ بِهَا مَلَكَ حَتَّى يَبْحِثَ بِهَا وَجْهَ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ رَبَّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذْهَبُوا بِهَا إِلَى قَبْرِ عَبْدِیْ تَسْتَغْفِرُ لِمَا حَبِطَ وَتَقْرَأُ بِهَا عِبْدَهُ»

”جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو اسے ایک فرشتہ لے کر اوپر کو چڑھتا ہے اور اسے رحمن کے حضور میں لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے میرے بندہ مقبول (محمد ﷺ) کی قبر پر لے جاؤ تاکہ آپ درود خوان کے لیے دعائے بخشش کریں اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔“

حضرت عائشہؓ بھی اس کی ایک حدیث ابو نعیم نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا صَلَّى عَلَيَّ فَلْيَكْثِرْ عَبْدٌ أَوْ يَقُلْ»

”جو مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک ۱۰۰ درود پڑھتا رہے۔ اب کوئی زیادہ پڑھے یا کم۔“

(44) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابو داؤد نے سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ
مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُّوا اللَّهُ لِي
الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْتَعِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ
وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ
الشَّفَاعَةُ

”جب تم مؤذن کی اذان ① سنو تو وہ جو کہے تم بھی وہی کہو پھر اُتھ اذان کے بعد مجھ پر درود پڑھو۔ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو بدنگاہن اٹھی میں سے صرف ایک کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ بیشک جو کوئی میرے واسطے وسیلہ کا سوال کرے ہے میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے عبداللہ بن احمد نے سند کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے کہ:

- ① اذان سننے کے آداب مختلف حدیثوں کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتے ہیں۔
- ② جو کلمات مؤذن کہے تو وہ بھی وہی پڑھتا رہے۔
- ③ حق علی الصلوٰۃ حتی علی الصلاح کے بواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم پڑھے۔
- ④ اتم اذان کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔
- ⑤ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ النَّامَةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُخَوِّدُ الْوَسِيْلَةِ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مُخَوِّدَ الَّذِي وَعَدْتُهُ
- ⑥ درود شریف پڑھے۔

”جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر ستر دہ رخصت بھیجتے ہیں۔ اب کوئی خواہ زیادہ پڑھے یا کم۔“ امام احمد اور ابونعیم نے بھی اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے حافظ ابوموسیٰ مدنی رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”جس شخص کی کوئی حلاوت ہو اسے چاہیے کہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کو درود رکھے۔ جمعہ کے دن غسل کرے۔ مسجد کو جائے اور کم و بیش صدقہ بھی دے۔ نماز جمعہ کے بعد یہ دعا پڑھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَنْتُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ الَّذِي مَلَأَ عَظَمَتُهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي عَنَتَ لَهُ الرُّجُودُ وَخَشَعَتَ لَهُ الْأَصْوَاتُ وَوَجَلَبَ الْقُلُوبُ مِنْ خَشْيَتِهِ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْ تُعْطِيَنِي حَاجَتِي وَهِيَ كَذَا وَكَذَا»

ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ احمقوں کو یہ دعا نہیں سکھانی چاہیے کیس وہ گناہ کے لیے یا قطع رحم کے لیے دعا نہ کرنے لگیں۔

(45) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے معجم کبیر میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَىَّ جِئْتُ بِصَبْحٍ عَشْرًا وَجِئْتُ بِمُغِيبٍ عَشْرًا
أَذْرَكْتُ شَفَاعَتِي»

”جو شخص مجھ پر صبح کو دس بار اور شام کو دس بار درود پڑھتا رہے اسے

➡ پھر اپنے لیے دعا مانگے بعض لوگ اوپر کی دعا میں «وَأَذْرَكْتُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ» پڑھا کرتے ہیں لیکن صحیح روایت میں یہ الفاظ نہیں آتے۔ (محمد سلیمان)

میری شفاعت نصیب ہوگی۔"

طبرانی نے دوسری سند کے ساتھ ابودرداء مجہول سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ خَبِثَ كَذَانٌ فَلَنْ وَتَعُدَّ وَفَاتِكَ قَالَ وَتَعُدَّ وَفَاتَنِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ»

"جمعہ کے دن ورود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو بندہ ورود پڑھتا ہے خواہ وہ کیس ہو۔ اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد؟ فرمایا وفات کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔" (۱)

(46) سعید بن عمیر مجہول کی حدیث جس کو وہ اپنے باپ عمیر بدری سے روایت کرتے ہیں۔ اس کو عبدالباقی بن قانع نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَادِقًا مِنْ نَفْسِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ»

"جو شخص مجھ پر ورود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے اور اسکے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔"

① ابن ابی عاصم نے اسے روایت کیا ہے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ضعف ہے۔



مرسل ① اور موقوف ② حدیثوں کا بیان

① اسماعیل نے اپنی کتاب میں یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ: "ایک فرشتہ جمعہ کے دن مامور ہوتا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہے وہ نبی ﷺ کو پہنچا دیتا ہے اور عرض کر دیتا ہے کہ فلاں امتی نے یہ درود بھیجا ہے۔"

اسماعیل نے سند کے ساتھ حسن بھری سے انہوں نے نبی ﷺ سے مرسل اکثیراً علی الصلوٰۃ بزم الخسعة کو روایت کیا ہے۔

ابراہیم بن الجبل نے ابوب سے روایت کی ہے "وہ کہتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے (اگے اللہ جانے) کہ ایک فرشتہ سب پر موقوف ہے جو شخص درود پڑھتا ہے اسے نبی ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔"

② ابراہیم بن حمزہ نے سند کے ساتھ اسماعیل سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ پر سلام کرنے اعدت منورہ پر گیا "حسن بن حسین ایک گھر میں جو (قبر منور) کے پاس تھا رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بلا کر کہا "آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا کہ کچھ خواہش نہیں۔ پھر مجھ سے کہا تم کھڑے کیوں ہو؟ میں نے کہا نبی ﷺ پر سلام کرنے کے لیے۔ کہا جب مسجد میں جاؤ گے سلام کر لینا۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

③ جس حدیث کا راوی آخر سند سے ساتھ ہو یعنی صحابی کا نام نہ ہو

④ وہ قول فعل یا حکمت جس کی اساعت صحابی کی طرف ہو۔

«صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ لَعَنَ اللَّهُ
الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنْ
صَلَّاتُكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ مَا كُنْتُمْ»

”اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں نہ بنا رکھو۔ اللہ یہود پر لعنت
کرے جنہوں نے انبیاء غی علیہ السلام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ تم مجھ پر
دروود پڑھا کرو کیونکہ جہاں کہیں تم ہو گے وہیں سے درود میرے پاس پہنچ جالیا
کرے گا۔“

(۱۰) پھر سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
ہے:

«خَسِبَ امْرَأَةٌ مِنَ الْبُخْلِ أَنْ أَذْكَرَ عِنْدَهُ فَلَا يُصَلُّونَ عَلَيَّ
السَّيِّئُ»

”آدمی کے بخیل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کے سامنے آپ کا ذکر ہو
اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے۔“

(۱۱) پھر حسن بصری رحمہ اللہ سے ہی رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:
«كَفَى بِهِ شُحًّا أَنْ يَذْكُرَنِي قَوْمٌ فَلَا يُصَلُّونَ عَلَيَّ ﷺ»
”بخیل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کوئی قوم میرا ذکر تو کرے لیکن وہ مجھ پر
دروود نہ بھیجے۔“

(۱۲) پھر حسن بصری رحمہ اللہ سے مرفوع روایت کیات:
«أَكْثَرُوا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ»
”جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو۔“

(۱۳) پھر امام جعفر عمن ابیہ کی روایت سے مرفوعاً من سب الصلوة علی خطی طریق
الحنفہ بیان کی ہے۔

(۱۴) پھر امام محمد بن علی سے من ذکرک عندہ علیہ الصلوة علی خطی طریق الحنفہ
موقوفاً روایت کی ہے۔

(۱۰) پھر ان ہی سے حدیث من نسى الصلوة کو عرفوفا روایت کیا ہے۔
 (۱۱) پھر دوسری سند کے ساتھ امام غفر سے من ذکرث عندہ الخدیث کو روایت کیا ہے۔

(۱۲) اور محمد بن ابوبکر عیسیٰ کی روایت سے عبید اللہ بن عمر کی یہ حدیث موقوفاً روایت کی ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَىَّ أَوْ سَأَلَ اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا یا میرے لیے وسیلہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا قیامت کے دن اس کی شفاعت میرے لیے حلال ہو جائے گی۔“

(۱۳) سلیمان بن حرب کی روایت سے یزید بن عبد اللہ کا قول بیان کیا ہے کہ وہ لوگ یوں پڑھنا پسند کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ»
 ”یا اللہ! امی نبی حضرت محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما۔“

(۱۴) عاصم بن علی المسعودی کی روایت سے عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب تم نبی ﷺ پر درود بھیجو تو اچھی طرح درود بھیجو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید نبی (نبی ﷺ کے) پیش ہو گا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کو سکھلا دیجیے کہا پڑھا کرو:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ اللَّهُمَّ ابْعَثْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَقَامًا مَحْمُودًا يَنْبَغِيهِ بِه الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ»

”یا اللہ! اپنے بندے اور رسول‘ امام الخیر‘ قائم الخیر‘ خاتم النبیین‘ امام المصلحین‘ سید المرسلین پر اپنی رحمتیں‘ شفقتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں‘ یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی‘ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے‘ یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی‘ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

③ کجی حمانی کی روایت میں ہے کہ یونس نے عبداللہ بن عمرو یا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ نبی ﷺ پر درود کی کیا کیفیت ہے۔ انہوں نے یوں بتلایا:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَواتَكَ وَتَوَكُّلاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ اللَّهُمَّ انْعِمْ بِنَوْمِ الْقِيَامَةِ مَقَامًا مَحْمُودًا يَنْبَغُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ وَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ“

”یا اللہ! قائم الخیر‘ امام الخیر اپنے رسول اور بندے‘ خاتم النبیین‘ امام المصلحین‘ سید المرسلین پر اپنی رحمتیں‘ شفقتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ خواہش کرتے ہیں اور حضرت محمد (ﷺ) پر ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔“

④ محمود کی روایت سے ابراہیم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم بیان چکے‘ مگر صلوٰۃ آپ پر کس طرح ہے فرمایا: کو: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُنَا مُجِيبًا“

① سلیمان بن حرب کی روایت سے یوں بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب ۵۶)

نازل ہوئی تو عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے درود کے لیے کس طرح ارشاد ہے۔ فرمایا پڑھا کرو۔

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ»

② سلیمان بن حرب کی سند سے سعید بن المسیب کا قول مروی ہے کہ جس دعا سے پہلے نبی ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ ترمذی نے اس کو بروایت سعید حضرت عمر فاروقؓ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں مرفوعاً بھی ہے۔ مگر موقوفاً صحیح تر ہے۔

③ عبدالکریم بن عبدالرحمن نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے کہ ہر ایک دعا اور آسمان میں تباب ہوتا ہے جب تک نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا تباب اٹھا اور دعا قبول ہوئی۔ جب درود نہ پڑھا تو دعا بھی قبول نہ ہوئی۔ اس کا موقف ہونا ہی صحیح ہے۔ گو سلام خراز اور عبدالکریم نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

قاضی اسماعیل نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو حکیم معاذ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

④ معاذ بن اسد نے سند کے ساتھ غیب بن وہب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن کعب حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ نبی ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ کعب نے کہا: ہر فجر کو ستر ہزار فرشتے اترتے اور قبر کو گھیر لیتے ہیں۔ اپنے پروں کو قبر منور کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے اور اتر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین اقیامت کی شق ہوگی۔ تو نبی ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے اندر برآمد ہوں گے اور وہ آپ

سُپَریم کے گرد و پیش حاضر ہوں گے۔

(۱) مسلم بن ابراہیم نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ولید بن عقبہ ابن مسعود ابو موسیٰ و حذیفہ رضی اللہ عنہما کے سامنے عید سے ایک یوم پہلے آیا۔ کہا: عید قریب ہے نماز کیسے پڑھی جائے گی۔ عبد اللہ نے کہا: پہلے تکبیر کو جس سے نماز شروع ہوتی ہے (پھر اللہ کی حمد کر اور نبی ﷺ پر درود پڑھ پھر دعا پھر تکبیر کہہ (پھر حمد و صلوٰۃ اور دعا پڑھ) اور تکبیر کہہ اور حمد و صلوٰۃ و دعا کے بعد قراءت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہہ اور ہر ایک کے درمیان حمد و صلوٰۃ و دعا پڑھ پھر رکوع کر۔ حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو عبد الرحمن نے سچ کہا۔ (۲)

(۳) سلیمان بن حرب کی سند سے عبد اللہ بن ابوبکر بن جحہ سے روایت ہے کہ میں خیف میں تھا اور ہمارے ساتھ عبد اللہ بن ابی قحطہ تھے۔ انہوں نے پھر حمد و ثنا کی (پھر نبی ﷺ پر درود پڑھا پھر دعائیں مانگیں پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ یعقوب بن حمید کی سند سے ہے کہ قاسم بن محمد کہتے تھے یہ مستحب ہے کہ جب آدمی تہجد (ایک پکارنے) سے فارغ ہو تو نبی ﷺ پر درود پڑھے۔

(۴) یحییٰ بن عبد الحمید نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو درود شریف پڑھا کرو۔ (۵) سلیمان بن حرب نے اپنی سند سے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد میں جانے کے وقت:

(۱) عید کی نماز میں دائرہ تکبیریں ہوتی ہیں، اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر دوسری تکبیر کہنے میں امام ذرا وقف کرے اور اس میں چپکے چپکے حمد و صلوٰۃ و دعا پڑھ لے۔ دوسری تکبیروں کے درمیان وقف کرنا تو اترے کے نزدیک متفق علیہ ہے مگر وقف میں ذکر کرنے میں اختلاف ہے کوئی سکوت کو ترجیح دیتا ہے کوئی ذکر کو۔ دیکھو کتب فقہ۔ احمد سلیمان عقی ص ۲۱

«صَلَّى اللَّهُ وَقَلَّابَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ»
پڑھنا چاہیے۔

① عارم بن الفضل نے سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت کی ہے کہ
جب تم مکہ مکرمہ میں پہنچو تو بیت اللہ کا طواف قدم سات طواف کے ساتھ
کرو اور مقام ابراہیمؑ میں دو رکعتیں پڑھو پھر صفا کو جاؤ اس کے اوپر چڑھ کر
جب کہ بیت اللہ نظر آتا ہو سات تکبیریں کہو ہر ایک تکبیر کے درمیانی فاصلہ
پر حمد و ثناء اور درود نبوی ﷺ کے بعد اپنے لیے دعا مانگو پھر مردہ پر جا کر بھی
ایسا ہی کرو۔

② عبدالرحمن بن واقد نے سند کے ساتھ عبدالرحمن بن عمرو سے روایت کی ہے
کہ جو شخص نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں
لکھتا ہے دس برائیاں محو کرتا اور دس درجے بلند فرماتا ہے۔

③ علی بن عبد اللہ نے سفیان سے روایت کی ہے کہ یعقوب بن زید بن طلحہ تمیمی
نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَنْتَ مِنْ رَبِّي فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيُ عَلَيْكَ صَلَوةً
إِلَّا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ اجْعَلْ بَصَفَ دُعَائِي لَكَ قَالَ إِنْ شِئْتَ قَالَ اجْعَلْ ثَلَاثِي
دُعَائِي لَكَ قَالَ إِنْ شِئْتَ قَالَ اجْعَلْ دُعَائِي كُلَّهُ لَكَ قَالَ
إِذَا يَكْفِيكَ اللَّهُ هَمَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

④ عبدالرحمن بن واقد نے سند کے ساتھ یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ ایک
فرشتہ جمعہ کے دن ترجمانی کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ جو شخص نبی ﷺ پر درود
پڑھتا ہے اسے نبی ﷺ کے حضور میں پہنچا دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ آپ کا
فلاں امی آپ پر درود پڑھتا ہے۔

⑤ علی بن مدینی نے سند کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن

عباسؓ کیسے کرتے تھے:

«لَهُمْ نَقْلٌ شِفَاعَةٌ مُّحَمَّدٌ الْكَبْرَىٰ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعَلِيًّا
وَأَعْطِهِ سُلْطَةً فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ كَمَا أَتَيْتَ إِبْرَاهِيمَ
وَمُوسَىٰ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ»

اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی شفاعت کبریٰ کو قبول فرما، اور ان کے درجہ علیا کو برتر کر
اور آخر و اول میں ان کے جو سوال ہیں ان کو عطا کر، جیسا ابراہیم و موسیٰ
علیہم السلام کو تو نے عطا کئے ہیں۔

ج: اسمعیل نے سند کے ساتھ ابو سعید سے روایت کی ہے کہ:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يَتَعَذُّونَ ثُمَّ يَتُومُونُ لَا يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ
إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خَسْرَةٌ وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ يَرَوْنَ
النَّوَابِ»

”جو اشخاص کسی مجلس سے نبی ﷺ پر درود پڑھنے کے بغیر کھڑے ہو جاتے
ہیں وہ نشست ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی اور جب جنت میں
جائیں گے تو اس کا ثواب دیکھیں گے۔“ (یہ الفاظ حفص کے ہیں۔)



باب سوم

درود شریف کی لغوی تشریح اور اس کے فوائد

نبی ارم ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کے معنی 'آل کی تفسیر' وجہ تشبیہ۔ کہ نبی ﷺ کی صلوٰۃ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے کیوں مشابہ کیا 'صلوٰۃ کو حمید و مجید پر ختم کرنے کی وجہ' نبی ﷺ پر سلام و رحمت و برکت کے معنی 'اسم مبارک' "محمد" ﷺ کے معنی اور دیگر فوائد کا بیان۔ اس باب میں دس فصول ہیں:

فصل اول

آغاز درود شریف میں جو اللہم ہے اس کا معنی

اللہم کے معنی اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللہم کے معنی یا اللہ ہیں۔ اسی لیے اس کا استعمال طلب کے مواقع پر ہوتا ہے۔ دیکھو: اللہم غفر لہ دجنہ نہیں بولتے۔ بلکہ اللہم اغفر لہی واذا حسیٰ کہتے ہیں۔

حرف "م" لیکن علمائے نحو کو میم کے بارے میں جو آخر لفظ میں ہے 'اختلاف ہے۔ یہو یہ کا قول ہے کہ یہ حرف ندا کے عوض میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک حرف ندا اور میم کا جمع کرنا درست نہیں۔ یعنی یا اللہم نہیں کہہ سکتے (بجز مثلاً کے) اس قسم کے حرف کو جب وہ غیر محل محذوف میں ہو 'عوض کہتے ہیں اور

جب محل میں ہو تب بدل۔ جیسے قائم و باق میں الف واو اور یا کا بدل ہے۔ یہودیہ کے نزدیک اس اسم کو موصوف کرنا اور اللہم الزحیم ازحطین کرنا جائز نہیں اور نہ اس کا بدل جائز ہے۔ (۱) جو ضرر ہے یہ اسم متناوی مفرد کی علامت ہے اور میم پر فتح اس لیے دیا گیا کہ یہ میم اور اس کا ما قبل میم ساکن تھے (میم مشدد کو دو میم شمار کیا ہے)۔ یہ اس اسم اللہ کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ یہ اسم مخصوص ہے قسم میں حرف تاء سے اور الف لام تعریف کے ساتھ حرف نون کے داخل ہونے سے اور نون میں ہمزہ وصل کے قطع ہونے سے۔ اور تغیر لام بطور وجوب غیر مسبوق کے صرف اطلاق کے ساتھ۔ یہ خلاصہ ہے ظلیل اور یہودیہ کے مذہب کا۔

بعض کہتے ہیں کہ میم ایک جملہ محذوفہ کے عوض ہے یعنی یا اللہ انا بخیر کا مختصر ہے۔ جہر و مجرور و مفعول کو محذوف کر دیا۔ اور "یا اللہ ام" رہ گیا۔ چونکہ دعا میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا تھا اس لیے ہمزہ کو حذف کر دیا اور یا اللہم رہ گیا۔ یہ قول فراء کا ہے۔ اس قول کا قائل اللہم پر حرف یا کا داخل کرنا جائز سمجھتا ہے۔ ان کی حجت شاعر کا قول ہے۔ جس میں یا اللہم کا استعمال کیا ہے۔ بصریوں نے چند وجوہات کی بنا پر اس سے انکار کیا ہے۔

(۱) اس جملہ کے مقدر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور قیاس بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا پھر بغیر دلیل کیوں کر مان سکتے ہیں۔

(۲) عدم حذف اصل ہے اور ان محذوفات کثیرہ کا مقدر مانتا خلاف اصل ہے۔

(۳) دعا مانگنے والا کبھی اپنے لیے کبھی غیر کے لیے دعائے یا بھی اللہم کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس وقت اس مقدر انا بخیر کا درست ہونا کب صحیح رہے گا۔

(۴) محاورہ جو فصیح و شائع ہے وہ بتا رہا ہے کہ یا اور اللہم کو جمع نہیں کرتے۔ اگر فراء کا قول درست ہوتا تو جمع کرنا مستنع نہ ہوتا بلکہ استعمال فصیح و شائع ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

(۵) دعا کرنے والا اللہم انا بخیر کہہ کر دعا مانگ سکتا ہے۔ اور کوئی مستنع نہیں۔

اگر (م) جملہ مقدر کا ہوتا تب دونوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ عوض اور

معروض منہ کا جمع کرنا جائز نہیں۔

⑧ دعا کرنے والے کا اس جملہ کی جانب خیال بھی نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی توجہ اپنے مطلوب کی طرف ہوتی ہے۔

⑦ اگر یہ مقدر صحیح ہے تب اللہ تعالیٰ کو جملہ تمام کہنا چاہیے جس پر سکوت کرنا ٹھیک ہے۔ کیونکہ اسم منادی اور فعل طلب دونوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کرنا باطل ہے۔

⑧ اگر جملہ کا مقدر ہونا صحیح ہے، تو ضروری ہے کہ فعل اسرام کو جدا لکھا جاتا اور اسم منادی کے ساتھ وصل نہ کیا جاتا جیسے بواللہ قہ یا زیدمدا یا غفرلہ کیونکہ فعل کو اس کے ماقبل اسم سے وصل نہیں کیا جاتا۔ ایسا کہ رسم خط میں وہ ایک کلمہ بن جائے۔ اس کی مثال رسم خط میں کوئی نہیں اسم اللہ کے ساتھ ام کو وصل کر کے لکھتے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ اتفاق ہی بتاتا ہے کہ ام کو کوئی مستقل فعل نہیں۔

⑨ دعا میں نہ تو اسے کہہ ہی سکتے ہیں اور نہ یہ کہنا ٹھیک ہی ہے کہ بواللہ امی بکدا یعنی اے اللہ میری جانب فدا کا کام میں توجہ فرما۔ کیونکہ یہ غلطی و معنوی طور پر نمرود ہے۔ ایسا تو صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جسے غلطی و نسیان ہو سکے۔ لیکن جو پاک ذات ہر فعل کو ارادہ سے کرتی ہے اور جو بھول چوک سے مبرا ہے۔ اس کی جانب میں ایسا نہیں کہہ سکتے۔

⑩ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا استعمال ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جس کے بعد دعا نہیں ہوتی مثلاً اللہم لك الخنذ، اللہم انی اصبحت اشهدك اللہم ما نك اللہم فاطر السموات والأرض یہ سب ایسی مثالیں ہیں جہاں جملہ کا مقدر ہونا یا جملہ مقدر کا صحیح ہونا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

بعض کا قول ہے کہ (م) تعظیم و تفضیم کے لیے زیادہ کر دیا گیا ہے جیسے زرقم میں جو گھرے نیلے کو کہتے ہیں اور زرق سے بنایا گیا ہے، یا انم میں جو دن سے ہے۔ یہ قول صحیح اور ممکن ہے اور ایک تہہ کا محتاج ہے جس میں قائل کے صحیح معنی اور

پھر سے مدعا کو بیان کر دیا جائے۔ واضح ہو کہ ام الجع پر دلالت اور قضا کرتا ہے اور اس کا مخرج بھی اس کا مقتضی ہے۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ لفظ اور معنی کے اندر باہمی مناسبت ہوتی ہے۔ اور عربیت کے اعلیٰ ارکان (فضلاء) کا یہی مذہب ہے۔ ابو الفتح بن جنی نے (امانی خصوصیتوں میں) سیویہ کی روایت سے ایک جداگانہ باب قائم کیا ہے۔

حروف الفاظ کو معنی سے مناسبت ہوتی ہے پھر اس سے لفظ و معنی میں انواع تناسب کے ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ ایک مدت مجھ پر ایسی گتہ ری کہ کوئی لفظ میرے سامنے وارد ہوتا اور میں اس کا موضوع نہ جانتا ہوتا تو میں لفظ کی قوت اور حروف لفظ سے معنی کی مناسبت کا خیال کر کے اس کے معنی نکال لیتا۔ پھر جب تحقیق کرتا تو وہی معنی نکلتے جو میں نے کبھی تھے یا اس کے قریب قریب۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن جنی کا قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو سنایا۔ فرمایا 'مجھے بھی بارہا ایسا ہی اتفاق ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لمبی گفتگو جو بہت ہی نفع بخش ہے۔ لفظ و معنی کے اندر مناسبت اور حرکات کو معنی لفظ سے مناسبت کے بارے میں فرمائی۔ فرمایا:

حرکات کو معنی سے مناسبت اکثر قاعدہ تو یہ ہے کہ ضمہ (پیش) کو ہر حرکات میں اقویٰ ہے۔ قوی تر معنی کے لیے لاتے ہیں۔ اور فتح ازبرا کو جو خفیف ہے معنی خفیف کے لیے اور کسوا ازبرا کو معنی متوسط کے لیے غزینعز، فتح عین کے ساتھ سخت کو کہتے ہیں اور عنوا زمین سخت۔

غزینعز کسر عین کے ساتھ متمتع کو کہتے ہیں۔ متمتع سخت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض شے سخت تو ہوتی ہے۔ مگر خلیج حکم کے سامنے سخت نہیں رہتی۔ غزینعز بضم عین کے معنی غلبہ ہیں۔ غلبہ امتناع سے بھی قوی تر ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی شے فی نفسہ متمتع بھی ہوتی ہے اور عدد سے محفوظ بھی اور سب پر غالب بھی۔ ان تینوں افعال پر نظر ڈالو کہ غالب متمتع سے زیادہ قوی تھا اس کو اقویٰ حرکات

(ضمناً) دیا گیا۔ سخت منتفع سے کم تھا اسے ضعیف ترین حرکت (فتح) ملا اور منتفع جو دونوں کے درمیان تھا اسے حرکت وسطیٰ اکسہ ادی گئی۔

(۲) زنج بکسر اول: محل مذکور کو کہتے ہیں اور ذنج بفتح اول: نفس فعل کو۔ چونکہ جسم عرض سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس لیے قوی کو حرکت قوی دی گئی اور ضعیف کو حرکت ضعیف۔

یہ بکسر اول: منسوب کو کہتے ہیں۔

لہب بفتح اول: نفس فعل کو (تہب بمعنی غیبت و غارت)

ملا، بکسر اول: پری۔ یعنی چیز کو بھروسے والی۔

ملا بفتح اول: مصدر کے لیے ہے جو فعل ہے۔

حمل بکسر اول: وہ بوجھ جو اٹھانے کے لیے نہایت بھاری ہو۔ اور سرو پشت پر مقل۔

حمل بفتح: وہ بوجھ جو خفیف ہو اور اٹھانے والے پر ہلکا۔ جیسے حمل حیوانات۔ درخت کا پھل چونکہ حمل حیوان سے مشابہ تھا اس لیے اسے بھی حمل بفتح ہی کہا گیا۔ جب بکسر اول: نفس محبوب کو کہتے ہیں۔

جب بضم اول: مصدر کو۔ محبوب چونکہ بار خاطر نہیں ہوتا بلکہ سب کے نزدیک لطیف و شیریں ہوتا ہے اس لیے جب کو کسرہ دیا گیا اور محبت میں چونکہ گراں باری اور نردم ضروری ہے (جیسا کہ قرض واد پر قرض کا اور اسی لیے شینگی اور محبت کو بھی غرام کہتے ہیں۔ اور قرض کو بھی۔ غریم مقروض کو بھی کہتے ہیں اور شیفتہ و محبت کو بھی اور محبت کی گراں باری و شدت و صعوبت ضرب الثقل ہے اور اس کو مخلوقات میں عظیم تر بتلایا جاتا ہے اور آہن و سنگ سے بھی زیادہ سخت فرض کیا جاتا ہے۔ حقد میں و متاخرین کے شعروں میں جا بجا یہی معانی باندھے گئے ہیں کہ محبت کی برداشت کسی سے بھی ممکن نہیں یہ وہ بلا ہے جس سے پہاڑ کانپ جائیں اور سمندر پلایا ہو جائیں۔

آہل ہار امانت جو انست کشید

قرع فال بنام من دیوانہ زدند

اس لیے یہی سوزوں تھا کہ مصدر کو حرکت اقویٰ (ضرر) دی جاتی اور محبوب کو

اس سے کم۔

قبض: قبض سکون ثانی کے ساتھ فعل کے لیے۔

قبض: بفتحین مقبوض کے لیے جس طرح حرکت سکون سے قوی ہے۔ اسی طرح مقبوض مصدر سے۔

سبق: بسکون ثانی فعل ہے (آگے بڑھنا)

سبق: بہ فتحین شرط کا وہ روپیہ جو گھوڑہ دوز پر لگایا جائے۔

علیٰ ہذا خیال کرو۔ ذار ذوزانا۔ فازت الفدر فوزنا۔ غلث غلثنا۔ پر کہ ان مصادر

کی حرکات میں حرکت مسمیٰ کی وجہ سے کس طرح متابعت رکھی گئی ہے۔

اب تم خبر اور ہوا کو دیکھو کہ ثقیل و شدید کے لیے حروف بھی شدید وضع کیے

ہیں۔ اور خفیف الجسم کے لیے حروف بھی ہوائیہ ہیں جو جملہ حروف میں اخف ہوں۔

غرض یہی وجہ بکثرت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عمر میں برکت دی تو میں اس بارے

میں ایک مستقل کتاب لکھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے معانی و مطالب تپ سوجھتے

ہیں جب ذہن لطیف اور طبیعت صاف ہو، مولے دماغ کے آدمی یا صرف و نحو کے

ابتدائی مسائل کو بلا تامل و تدبیر سمجھ لینے والے کا یہ حصہ نہیں۔ بے شک واضع لغت

کی حکمت کو سمجھنا اور لغات باہرہ کے اسرار کا جو اکثر عقول سے مخفی ہیں، مطالعہ کرنا

ایسا امر ہے جو فاضل شخص کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نَوْزًا

فَسَاءَ لَهُ نَزْلُهُ۔

ہاں ذرا تامل کرو کہ غلط جاتی کا نام غلط، معتبری اور جو احتیاط رکھا گیا ہے پھر دیکھو

کہ طویل کو عشق اور کوتاہ کو نخثر کہا گیا ہے۔ عشق میں پیارے تین فتح ہیں اور

نخثر میں دو ضمہ اور درمیان میں سکون پسلا لفظ تو انفتاح و کشائش دہان اور امتداد

آلات نطق اور ایک دوسرے سے عدم رکوب ظاہر کرتا ہے اور دو سرائف بالکل اس

کئی ضد ہے۔

پھر دیکھو کہ پہلے تو طویل و کبیرہ ہوتے ہیں اور جب ان میں اضافہ منظور ہو تو (ی) کی جگہ حرف الف کو جس میں طول اور مد بہ نسبت (ی) کے زیادہ لے آتے ہیں اور طوال و کبار بنا دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ اور بھی زیادہ نیز نفوس پر بھاری بھی ہو تب اسم کو بھی ٹٹیل کر دیتے ہیں۔ یعنی کبار بنا دیتے ہیں۔ یہ ایسا میدان فراخ ہے کہ اگر اشبہ خامہ کو اسی کا ہولان گدہ بنایا جائے پھر بھی طے کرنا دشوار ہے اس لیے ہم ہر سر مطلب آتے ہیں۔

واضح ہو کہ ام) حرف شفقتی ہے۔ بولنے والے کے ہونٹ اس کے تلفظ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب نے اس کو علامت جمع بنایا دیکھو:

أَنْتَ أَنتُمْ هُوَ هُمْ صَرِيتْ صَرِيتُمْ إِيَّاكَ إِيَّاكُمْ إِيَّاهُمْ إِيَّاهُمْ بِهِ بِهِمْ وَغَيْرُهُ وَغَيْرُهُ.

آذوق: نلی چیز۔ دُلفم: جب نیلاہٹ گرمی ہو جائے۔ است: صرین^۱ سنہم: کلاں صرین والا۔

اب ان الفاظ پر جن میں اسماء غور کرو کہ معنی جمع کس طرح اس سے وابستگی رکھتے ہیں۔ لَمْ يَلْمِزْهُ يَلْمُ: بولتے ہیں جب کسی چیز کو قرآنم جمع کیا جائے۔ لَمْ يَلْمِزْهُ يَلْمُ: بولتے ہیں اور مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے متفرق امور کو جمع کرے۔

دارالمومۃ: وہ مکان ہے جہاں سب لوگ جمع ہو سکیں۔
 اکمل لٹ: قرآن مجید میں ہے۔ اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اپنا حصہ بھی کھا جائے
 اور دوستوں کا بھی۔

اصل ان سب کی لغت ہے اور یہ جمع ہے۔ اسی سے اللہ بالشیء ہے یعنی کسی چیز کا وصول اور اجتماع اس کے قریب تک پہنچنا (جیسے لڑکے کا بلوغ تک اور انکو راکا پختل تک) اسی سے نعم ہے جس کے معنی اجتماع کبارہ سے نزدیک ہو جانا ہے۔ اسی سے غلغله بنا ہے۔ جس کے معنی مصیبت و سختی ہیں۔ اور اسی سے لندہ ہے۔ جس کے معنی

سر کے گئے اور بھرے ہاں ہیں جو کان کی پیٹری سے نیچے ہوں۔ اسی طرح اور الفاظ میں (م) کو دیکھو۔ مثلاً:

النذر البسم: جب چاند پورا اور اس کا نور جمع ہو۔

النظام: ایک شہم میں جمع شدہ نیچے۔

أم اور ام الشی ہر چیز کی اصل۔ تا جس سے شاخیں نکلیں۔ گویا وہ فروغ کا جامع ہے۔

أم القری: مکہ معظمہ۔

أم القرآن: الحمد شریف۔

أم الکتاب: لوح محفوظ۔

أم مفذوک: گھروالی۔ جس کے پاس جائز انسان آرام لے۔ اور جس کے ساتھ انکسار ہو کر بیٹھے۔

أم الذمخ: وہ جلد جو دماغ کو گھیرے رکھتی ہے۔ أم الزاس: ایضاً۔

أم الکتاب: آیات حکمت۔

أم: وہ جماعت جو زمانہ یا خلقت میں تساوی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَآ مِنْ دَابَّتَوْفِ الْأَرْضِ وَلَا طَیْرٍ یَطِیْرُ یُخَافُ إِلَّا أُنْمُ أُنْمَا لَکُمْ﴾

(الانعام/۳۸)

”کوئی چوپایہ یا ہانڈوں سے اڑنے والا پرندہ نہیں، مگر وہ بھی تمہارے جیسی

جماعتیں ہیں۔“

حدیث میں ہے:

«لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِّنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا»

”مگر کتے بھی ایک جنس مخلوق دیگر اجناس جیسے نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا

حکم دے دیتا۔“

امام: جس کے اتباع پر مقتدی جمع ہوتے ہیں۔

رف الشی رمہ: تب بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کی اصلاح کر کے اس کی تفریق کو جمع کر

دیا جائے۔

ذَمَّان: انار۔ کیونکہ اس میں بکت سے دانہ جمع اور آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔
 حَمَمُ الشَّيْءِ بَضْفَةٌ: یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ فراہم کرنا۔
 هَمٌّ اور هَمُومٌ انسان کے وہ تفکرات یا قصد و ارادہ جو دل میں مجتمع ہوں۔
 أَحَمُّ: سیاہ ساہ۔
 حَشْمَةٌ: کونکہ۔

حَشْمٌ زَائِدٌ: جب سر منڈانے کے بعد کھوپڑی بالوں سے سیاہ ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ بینائی کو جمع رکھتا ہے اور متفرق ہونے نہیں دیتا۔
 غرض یہ بات بہت طویل ہے اور اسے مذکورہ بالا بیان پر ہی ہم مختصر کرتے ہیں۔
 جب (م) کی شان یہ ہے تو اسے نام پاک (اللہ) کے ساتھ جس کے وسیلہ سے ہر ایک حاجت کا سوال مالک الملک سے کیا جاتا ہے شامل کر دیا گیا تاکہ یہ (م) تمام اسماء و صفات کی جامعیت پر اشارہ کرتا رہے۔ گویا جب قائل و سائل نے اللہ کو دیا تو اس نے یہ کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کو جو اسماء حسنی اور صفات علیا کا مالک ہے اس کی تمام اسماء و صفات کے ساتھ پکارتا ہوں۔ یہی مطلب حدیث سے نکلتا ہے کہ:
وَعَلَى دَافِعِ رَنْجٍ وَالْم

«اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمْنِكَ نَاصِيئِي بَيْنَكَ مَا ضَرَفِي فِي حُكْمِكَ عَدْلٌ فِي قَضَائِكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيٌّ بِهِ نَفْسِكَ أَوْ أُنْزِلَتْ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلِمَتْهُ أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِكَ أَوْ اسْتَأْثَرَتْ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رِبْعَ قَلْبِي وَنُورَ صَدْرِي وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي وَعَمِّي»

”یا اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے اور تیری لونڈی کا جنا ہوا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرے حکم چلتے ہیں اور تو عدل کیا کرتا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر ایک نام کے طفیل جو تیرا ہے، بس سے تو نے اپنی ذات کو

موسوم کیا ہے یا کسی کتاب میں آمارا ہے یا کسی بندہ کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں تو نے اسے چھپایا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے لیے نوبہار دل اور نور سینہ اور غم و رنج فکر و اندوہ کا زائل کر دینے والا بنا دے۔"

کے پڑھنے سے کسی بندہ کو ہرگز کوئی رنج و غم نہیں جو پچھتا ہے 'یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر قسم کی پریشانی دور کر دیتا ہے اور اس کے غرض میں اسے خوشی اور سکون عطا کر دیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! کیا ہم اس دعا کو نہ سیکھ لیں۔ فرمایا: لازم ہے کہ جو اسے سنے وہ سیکھ لے۔" غرض یہ کہ دعا مانگنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے سب اسماء و صفات کے ساتھ سوال کرے۔
دعا کے اسم اعظم

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْخَنَّانُ
الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ
يَا قَيُّوْمُ»

"یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ حمد تیرے لیے ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں 'نمائت شفقت فرمانے والا' 'نمائت احسان کرنے والا' آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ اے جلال عزت کے مالک! اے زندہ رہنے والے 'قائم رکھنے والے!'"

دیکھو یہ کلمات کیسے اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہیں۔

اقسام دعا: واضح ہو کہ دعا کی تین اقسام ہیں

- (۱) اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء و صفات کے ساتھ سوال کیا جائے۔ چنانچہ آیت: ﴿وَلِلَّهِ الْأَنْشَاءُ الْخُسْیٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے۔
- (۲) اللہ تعالیٰ کے سامنے صرف اپنی حاجت و فقر بیان کر کے سوال کیا جائے اور یوں کہے کہ میں تیرا بندہ 'فقیر' 'مسکین' 'عاجز و ذلیل' 'حقیر و بیچارہ' ہوں۔

③ صرف جماعت کا بیان کرے اور پہلی دونوں صورتیں اس میں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت دوسری سے اور دوسری صورت تیسری سے اکمل ہے اور جس دعا میں یہ تینوں امور جمع ہو جائیں گے تو وہ کامل تر ہوگی۔ نبی ﷺ کی تمام دعاؤں کا یہی حال ہے۔ مثلاً اسی دعا کو لو جو آنحضرت ﷺ نے صدیق امت ہجو کو سکھائی۔ کہ اس میں ہر سہ امور ہیں 'ظَلَمْتُ لِنَفْسِي ظُلْمًا خَبِيرًا' کہا 'یہ مسائل کی حالت کا بیان ہے۔ ﴿وَ اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّلُوْبَ اِلَّا اَلَّذِيْ كُفِّرَتْ عَنْهُ سَيِّئَاتُہٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پھر ﴿وَ اَغْفِرْ لِيْ﴾ کہا یہ سوال عبادت ہے۔ پھر دعا کو اسماء حسنیٰ میں سے دو اسماء غفور و رحیم پر جو مطلوب سے تناسب رکھتے تھے اور مقصد کا تقاضا کرتے ہیں ختم فرمایا۔

مطلب میں سے بھی ایک سے زیادہ کا یہی مذہب ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللّٰهُمَّ تو تمام دعا کا جامع ہے۔ ابو رجاہ عطاروی کا قول ہے کہ جس نے اللّٰهُمَّ کہہ دیا اس نے اللہ تعالیٰ کو تمام اسماء کے ساتھ پکار لیا۔

ایک گروہ نے اس قول میں یہ توجیہ نکالی ہے اللّٰهُمَّ کا (م) اس جگہ بجائے (و) ہے 'جو جمع پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ (و) جمع کے مخرج سے ہے۔ گویا دعا مانگنے والا یہ کہتا کرتا ہے کہ یا اللہ تیرے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات طیبہ جمع ہیں۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ وہ علامت جمع اور ان جیسے مسلمانوں وغیرہ میں ہے) کا عوض ہے۔

لیکن جس طریق پر ہم گذشتہ فصل میں ذکر کر چکے ہیں کہ خود امہای جمع پر دلالت کرتا ہے پھر اس توجیہ کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یَا اللّٰهُمَّ کہنا صحیح نہیں: باقی رہا یہ سوال کہ مذہب صحیح کے موافق (یا) اور (م) کا اللّٰهُمَّ میں جمع کرنا کیوں جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ قیاس اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ اس اسم پر حرف ندا داخل نہ ہو 'کیونکہ الف و لام اس جگہ موجود ہے' اور چونکہ دعا میں اس اسم کے استعمال کی کثرت ہے۔ اور مستغنیٰ اپنے استغاثہ میں اس کے لیے مضطر ہوتے ہیں 'ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔

① یا تو الف و لام کو حذف کر دیتے۔ لیکن یہ ٹھیک نہ تھا کیونکہ دونوں الفاظ میں

فروم ہو گیا ہے۔

⑤ یا اس پر حرف یا بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ٹھیک نہ تھا، کیونکہ اسم میں ہو الف و لام سے محلی ہو۔ مثلاً الزَّجَلُ الزَّجَلُ۔ الہی کی ندا میں تو حرف یا کو پہلے بڑھا دیا جاتا ہے لیکن اعلام میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے فضاء نے اس اسم میں ضرورت قیاس کا خلاف کیا اور میم مشدود کو ہی جو علامت جمع کے عوض آخر میں بڑھا دیا گیا تھا، حرف ندا کا عوض بھی قرار دیا اور حرف ندا (وا) (م) میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

دوسری فصل

”صلوٰۃ“ کے معنی

لغت کے اعتبار سے اس لفظ کی اصلیت دو معنی ظاہر کرتی ہے۔

① دعار و تبریک۔

② عبادت۔

پہلے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ (النورہ ۹/۱۰۳)

”ان کو دعار دیجئے کیونکہ آپ کی دعار ان کے لیے موجب تسکین ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ (النورہ ۹/۸۴)

”ان میں جب کوئی مر جائے تو ہرگز ان کے حق میں دعار نہ کیجئے۔“

⑥ فضاء نے لفظ اللہ کی اصل ”ال لاہ“ بتائی ہے جس ”ال“ کے فروم کا ذکر ہے اس سے

”ال لاہ“ کا الف لام مراد ہے کیونکہ اب دونوں مرکب ہو کر اللہ ایک ایسا لفظ بن گیا، مگر یہ مرکب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الطَّعَامِ فَلْيَجِبْ فَإِنْ كَانَ حَاضِرًا فَلْيُكَلِّمْ»

”جب تم میں سے کوئی کسی کھانے کے لیے طلب کیا جائے تو چاہیے کہ مان لے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے۔“

جیسے ہندوستان میں کلمہ دیا کرتے ہیں اللہ زیادہ دے، مصنف کہتے ہیں کہ فلیکلم کی ایک شرح یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ کھاتے رہیں اور یہ درود پڑھتا رہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ”صلوٰۃ“ کے معنی لغت میں صرف دعا ہیں، اور دعا کی دو

اقسام ہیں:

① دعائے عبادت

② دعائے مسالت

یعنی جیسے عابد کو دعا کی کہتے ہیں۔ ایسے ہی سائل کو بھی۔ چنانچہ اذْعُوْا لِمَا اسْتَفْجَتْ لَكُمْ کی تفسیر دونوں طرح کی گئی ہے۔ یعنی اطاعت و عبادت کرو میں تم کو ثواب دوں گا۔ یا یہ کہ سوال کرو اسے منظور کروں گا۔ اسی طرح اُجِبْتَ دَعْوَةَ الْمَدْعَى إِذَا دَعَا کی تفسیر بھی ان ہی دونوں معنی سے کی گئی ہے مگر صورت یہ ہے کہ دعا ہر دو نوع پر عام ہے اور یہ لفظ متواظی ہے جس میں کچھ اشتراک نہیں۔

عبادت کے معنی میں لفظ دعا کا استعمال آیات ذیل میں ہوا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَقْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَسْتَلِكُمْ كُتُوبُكُمْ إِذْ تَدْعُونَ

فِي السُّبُورِ وَلَا فِي الْأَرْجَاءِ﴾ (سجۃ: ۲۷)

”کہہ دیجئے بلاؤ ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو وہ تو آسمانوں اور زمین پر ایک ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے۔“

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٦﴾﴾

(احقاف: ۱۶/۱۷)

”جو لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کی انہوں نے کچھ پیدا نہیں

کیا بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔

﴿قُلْ مَا يَعْبُدُوا إِلَهُكُمُ الرَّقِ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفراق ۲۵/۷۷)

اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر تمہاری عبادت خاص اس کے لیے نہیں تو

اللہ کو تمہاری کیا پروا ہے۔ اس معنی میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (الاعراف ۷/۵۵)

"اپنے پروردگار کی عبادت گریہ و نزاری اور پوشیدگی سے کرو۔"

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ (الاحزاب ۷/۴۶)

"اللہ کی عبادت خوف اور طمع کے ساتھ کرو۔"

﴿وَيَذَرُونَا إِذْ نَبَإُنا رُجُوبًا﴾ (الانبیاء ۲۱/۹۰)

"عبادت ہماری رغبت اور خوف سے کرتے ہیں۔"

یہ طریق (کہ صلوٰۃ کے لغوی معنی صرف دعا ہیں اور دعا کی اقسام دو ہیں)۔

پہلے طریق سے اچھا ہے جس میں دعا کے مسمیٰ کے خلاف کا دعویٰ ہے، اور اسی

سے وہ تمام مشکلات جو صلوٰۃ شرعیہ کے اسم پر وارد ہوتی ہیں (یعنی حقیقت لغوی سے

منقل ز کے پھر اسے حقیقت شرعی قرار دیا جائے) ذاکل ہو جاتی ہے اور اس طریق

میں لفظ صلوٰۃ لغوی معنی (دعا) پر باقی رہتا ہے۔ (دعا کا معنی عبادت اور سوال ہونا اور

عبادت ہو گیا) پس یہ معنی صلوٰۃ کے حقیقت ہوئے نہ مجاز ہوں یہ ضرور ہے کہ ایک

مختصر مع عبادت کے ساتھ اسم صلوٰۃ کو خاص کر دیا گیا ہے جیسا کہ دیگر تمام الفاظ کو

اہل لغت و عرف اس کے بعض مسمیٰ کے ساتھ خاص کر دیا کرتے ہیں۔ جس کی مثال

الفاظ ذائۃ النفس وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ تو گویا یہ بھی تخصیص لفظی ہی ہے اور لفظ کو

ایک نہ ایک موضوع پر مقرر کر دینا جس سے ثابت ہوا کہ موضوع اصل سے نقل

و خروج نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

صلوٰۃ اللہ کی قسمیں : صلوٰۃ کے جو معنی بیان ہوئے یہ تو آدمی کی طرف سے صلوٰۃ

کے ہیں۔ رہی حق سبحانہ کی صلوٰۃ بندوں پر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عامہ اور خاصہ۔

① عام تو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مومنوں پر ہے۔ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ (الاحزاب ۳۳/۴۳)

"اللہ اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔"

حدیث میں بھی یہی مراد ہے۔

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى»

"اے اے آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ بھیج۔"

ایک عورت کی درخواست پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«صَلِّ اللَّهُ عَلَيْكَ وَعَلَى رَوْحِكَ»

"اللہ تجھ پر اور تجرے شوہر پر صلوٰۃ بھیجے۔"

⑤ خاصہ وہ ہے جو انبیاء و رسل پر ہے بالخصوص دو جو خاتم النبیین و خیر المرسلین محمد ﷺ پر ہے۔

صلوٰۃ کے معنی: اصل صلوٰۃ کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس بارے میں چند اقوال ہیں۔

اقول: صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں۔ اسماعیل نے سند کے ساتھ ضحاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا۔ مبرد کا قول ہے کہ صلوٰۃ کی اصل رحمت ہے۔ وہ اللہ کی جانب سے رحمت ہے اور ملائکہ کی جانب سے رحمت اور بندوں کی جانب سے استدعائے رحمت۔ یہی قول اکثر متأخرین کے نزدیک معروف ہے۔

دوم: صلوٰۃ کے معنی مغفرت ہیں۔ اسماعیل نے ضحاک سے ہذا اللہ یُصَلِّي عَلَيْكُمْ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ مغفرت اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا ہے۔ یہ قول بھی پہلے قول سا ہے مگر یہ دونوں معنی و جہ سے ضعیف ہیں۔

صلوٰۃ اور رحمت میں فرق: (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر صلوٰۃ اور رحمت میں فرق خود بتلایا ہے۔ فرمایا:

﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ

الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ (البقرہ ۱۵۷)

"یہ وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوة اور رحمت ہے اور یہی راہ پانے والے ہیں۔"

یساں رحمت کہ صلوة پر عطف کیا ہے 'یہ دونوں کا غیر ہونا بتلاتا ہے کیونکہ عطف کی اصلیت بھی یہی ہے۔ بعض لوگ جو عطف میں تغیر نہ ہونے کے ثبوت میں وَاللّٰہِ فَلِیْہَا کُذْبًا وَّ مِثًا پیش کیا کرتے ہیں۔ اول تو یہ شاذ و نادر ہے جس پر انصح الکلام کو حمل نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ مبنی کذب سے خاص تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوة انبیاء و رسل نیز مومن بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ رہی رحمت وہ ہر چیز سے وسیع تر ہے اس لیے صلوة رحمت کی مترادف نہیں ہو سکتی اگرچہ رحمت صلوة کے لوازم اور موجبات اور ثمرات میں سے ہے۔

جو شخص صلوة کی تفسیر رحمت کے ساتھ کرتا ہے گویا وہ اس کے بعض ثمرہ اور بعض مقصود سے تفسیر کرتا ہے۔ اور یہ حال قرآن مجید اور نبی ﷺ کے الفاظ کی تفسیر میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک لفظ کی تفسیر اس کے لازم یا جزو سے کی جاتی ہے۔ جیسے ذنبت کی تفسیر شک کے ساتھ (حالانکہ شک ریب کا ایک جزو ہے) اور رحمت کی تفسیر ارادۂ احسان کے ساتھ (حالانکہ ایسا ارادہ لازمہ رحمت ہے) غرض اس کی مثالیں بہت ہیں جن کا ذکر اصول تفسیر میں کیا گیا ہے۔

④ مؤمنین پر رحمت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں مگر سلف و خلف کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء کے لیے صلوة بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں جو تین اقوال ہیں وہ تو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں ذکر کریں گے مگر پہلے لفظ پر اتفاق اور دوسرے پر اختلاف نے ظاہر کر دیا کہ یہ دونوں لفظ مترادف نہیں۔

⑤ اگر صلوة کے معنی رحمت ہیں تو رحمت کو انکال امر میں صلوة کا قائم مقام ہونا چاہیے۔ اور جس کے مذہب میں صلوة واجب ہے۔ اس کے نزدیک اَللّٰہُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَیْہِ سَلَامٌ سے ونب ساقط ہو جانا چاہیے۔ حالانکہ

صورت یہ نہیں۔

⑤ جو شخص غیر کے لیے رحمت کرتا اس کے لیے دل پکھلاتا، کھانا پلاتا پیتا ہے تو اس موقع پر کوئی نہیں بولتا کہ اس نے اس پر صلوٰۃ کی بلکہ کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس پر رحمت کی۔

⑥ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دشمن پر بھی رحم آجاتا ہے اور اس کا دل نرم ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ اس پر صلوٰۃ بھیجے گا۔

⑦ صلوٰۃ میں کچھ کلام ہونا ضروری ہے کیونکہ صلوٰۃ درود پڑھنے والے کی جانب سے ثناء و صفت ہے اس شخص کی جس پر درود پڑھتا ہے۔ وہ گویا اس کی شان بلند دکھاتا ہے تو صیف کرتا اور محاسن ظاہر کرتا ہے۔

صحیح بخاری میں معنی صلوٰۃ: امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ رسول پر اللہ کی صلوٰۃ اپنے نبی ﷺ کی ثناء کرنا ہے ملائکہ کے پاس۔ اسماعیل نے اپنی سند کے ساتھ ابو العالیہ سے **اِنَّ اللّٰهَ وَ ملائکته یصلّون علی النبی** کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ آپ پر ثناء کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی صلوٰۃ اور ملائکہ کی صلوٰۃ میں تفریق فرمائی اور پھر اسے ایک فعل کے ساتھ جمع کر دیا۔ فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ وَ ملائکته یصلّون علی النبی** پس جائز نہیں کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوں بیشک صلوٰۃ تو ثناء ہے اللہ کی جانب سے بھی اور ملائکہ کی جانب سے بھی۔

اللفظ مشترک المعنی: واضح ہو کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ "صلوٰۃ لفظ مشترک المعنی ہے اور جائز ہے کہ دو دو معانی کے لیے ایک ہی دفعہ استعمال کیا جائے۔" کیونکہ اس قول میں چند محاذیر یا نقص ہیں۔

(الف) اشتراک خلاف اصل ہے اور ایسے لفظ کا ایک واضح سے واقع ہونا غیر معلوم ہے۔ چنانچہ ائمہ لغت مبرہہ وغیرہ نے اس پر نص کر دیا ہے جو اشتراک بھی پایا

جاتا ہے، وہ عارضی و اتفاقی ہے جس کی ابتدائی وجہ واضعین کا تعدد ہے، پھر جب لغت آپس میں مل جل گئے تب لفظ میں اشتراک المعانی معلوم ہونے لگا۔ اب اکثر علماء لفظ مشترک دو معانی میں استعمال کرتا جائز نہیں سمجھتے نہ بطریق حقیقت اور نہ بطریق مجاز۔ جن لوگوں نے امام شافعی سے اس کے جواز کی روایت کی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ یہ مسئلہ ان کے اس قول:

«إِذَا أَوْضَى لِمَوَالِيهِ وَلَهُ مَوَالٍ مِمَّنْ فَوْقَ وَمِنْ أَسْفَلٍ تَنَاولَ جِبِينَهُمْ»

”جب ولی اپنے موالی کے لیے وصیت کر رہے اور ان کے موالی اوپر کے رشتہ والے بھی ہوں اور نیچے کے بھی تو وہ وصیت سب پر حاوی ہوئی۔“

سے نکالا گیا ہے۔ یعنی سمجھنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ لفظ موالی دونوں معانی کے لیے مشترک ہے اور تجرد کے وقت بھی ان دونوں پر اسے عمل کر سکتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ لفظ موالی الفاظ متواظیہ میں سے ہے اور امام شافعی نیز ظاہر مذہب میں امام احمد بھی قائل تھے کہ موالی کی ایک نوع اس لفظ میں داخل ہے، یہ ان کے نزدیک عام متواظیہ ہے مشترک نہیں۔ یہی تفسیر لا مصلحۃ النساء کی جو امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ ملاست سے مجامعت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملاست کے حقیقی معنی تو باتھ سے چھوٹا ہے اور مجازاً جملع۔ تو یہ روایت ان سے صحیح نہیں۔ ان کا کلام ہی اس انداز کا نہیں ہوتا، یہ تو متاخرین میں سے کسی فقیہ کا قول ہے۔ اور ہم نے ایک طبعہ رسالہ میں لفظ مشترک کے استعمال کے ابطال میں تیرہ پردہ کے قریب دلائل بیان کئے ہیں۔

غلام یہ ہے کہ جب صلوٰۃ کے معنی رسول کی ثناء اور نبی سریتہ سے شرف و فضل و حرمت کا اظہار اور آپ پر بذل عنایت و التفات کے ہیں تو آیت میں لفظ صلوٰۃ مشترک اور دو معانی پر محمول نہ ہوا بلکہ ایک معنی میں مستعمل ٹھہرا، جو الفاظ کی اصل ہے۔ ہم اس مسئلہ کی پوری توضیح فی اللہ و علانکتہ یصلون علی التہنہ کی تفسیر میں کریں گے۔

① اللہ سبحانہ نے آپ پر صلوٰۃ کا حکم تب دیا ہے جب پہلے یہ بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ اور معنی آیت یہ ہیں کہ جب اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو مومن بھی درود پڑھیں بلکہ تم کو درود پڑھنا سلام و تسلیم بھیجنا زیادہ تر شایان ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کی برکات و رسالت اور فیضان نبوت سے تم کو کیا کچھ شرف دنیوی اور خیر اخروی حاصل ہو چکے ہیں۔

دیکھو اگر آیت ہاں میں صلوٰۃ کے معنی رحمت لیں تو یہاں ہی نہیں ہوتے ہیں اور نظم کا ام بھی درست نہیں رہتا اور لفظ و معنی میں تناقض بھی ہو جاتا ہے اور آیت کی تقدیر یوں مانی پڑتی ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ فَالْكَفَّةُ تَرْحَمُهُ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِنَبِيْهِ فَاذْعَبُوا النِّعْمَ لَهُ وَاسْتَغْفِرُوا لیکن آیت کی یہ مراد ہرگز نہیں بلکہ ہم کو بھی اس سے صلوٰۃ کے طلب کرنے کا حکم ہوا ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے ملائکہ کی جانب سے دی ہے۔ یعنی آپ کی ثناء اور اظہار فضل و شرف اور ارادۂ عظیم و تقریب ہے اور یہی خیر و طلب کے ضمن میں آتی ہے۔

رسی یہ بات کہ ہماری جانب سے اس سوال و دعا کے جانے کا نام بھی صلوٰۃ رکھا گیا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔

(الف) صلوٰۃ درود خواں کی جانب سے تعریف و ثناء پر مشتمل ہوتی ہے اور نبی ﷺ کے ذکر شرف و فضل اور ارادۂ محبت کا اس میں اشارہ ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں ہے) پس اس سے خیر و طلب مشتمل ہے۔

(ب) صلوٰۃ اس لیے نام ہوا کہ بندے سوال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ تو آپ کے رفع ذکر کا ارادہ و تقریب ہے۔ اور ہماری صلوٰۃ جیسا کہ ہم ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ ایسا ہی فرمائیے۔

صلوٰۃ کی ضد اعداء اللہ اور دشمنان رسول کے لیے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾ (البقرة/۱۵۹)

”یہ وہ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور وہ سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے بھی مضاف کیا اور بندوں سے بھی ’لعنت الہی‘ تو بیزاری و اوری اور بغض پر مشتمل ہے اور بندوں کی لعنت اس سوال کے ضمن میں ہے کہ جو اہل لعنت ہیں ان پر لعنت فرمائے۔ جب یہ معنی ثابت ہو گئے تو ایسی حالت میں اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوتے تب طالب رحمت کو مصلیٰ کہنا ٹھیک نہ ہوتا بلکہ فسزجہم کہا جاتا۔ جیسا کہ طالب مغفرت کو مستغفر اور طالب عطف کو مستعطف کہا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی شخص کے لیے مغفرت مانگے تو اس وجہ سے اس کو ظالم نہیں کہا جاتا لیکن یہاں تو بندہ کو مصلیٰ کہا جاتا ہے۔ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوتے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صلوٰۃ پڑھنے والا اس کے لیے راجعہ ہوتا ہے۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس پر رحم کیا۔ اسی طرح کہا جائز ہوتا کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ پر ایک بار رحم کرے۔ اللہ اس پر دس بار رحم فرمائے گا۔ بیشک اس کا باطل ہونا معلوم ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ پر بندہ کی صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ طلب رحمت ہیں تو یہ بھی بوجہ باطل ہے۔

الف) طلب رحمت تو ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے اور طلب صلوٰۃ انبیاء و رسل کے لیے مخصوص جیسا کہ مذہب جمہور آگے بیان کیا جائے گا۔

ب) اگر طالب رحمت کا نام مصلیٰ ہو سکتا ہے تو طالب مغفرت کا نام غافر بھی ہونا چاہیے اور طالب عفو کا نام عافی اور طالب مسخ کا نام صلح بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اچھا تم بھی تو اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ (ثناء) کے طالب کو مصلیٰ کہتے ہو پھر اگر ہم نے اللہ سے طالب صلوٰۃ (رحمت) کو مصلیٰ کہہ دیا تو کیا ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو حقیقت صلوٰۃ کا وجود حاصل ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کی حقیقت ثناء اور اکرام و تقریب و اعلیٰ منزلت کا ارادہ ہے۔ اور یہ بندہ کی صلوٰۃ (ثناء) میں بھی حاصل ہے۔ ہاں درود شریف میں بندہ ان امور کا اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہے اور اللہ

تعالیٰ اپنی ذات پاک سے اپنے رسول کے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ رہا وہ سراپلو کہ مصلیٰ کو اللہ تعالیٰ سے طلبِ صلوٰۃ کی وجہ سے مصلیٰ کہتے ہیں۔ وہ بھی یوں ہے کہ صلوٰۃ ایک نوعِ کامِ طلب و خبری و ارادہ سے ہے اور یہ امر مصلیٰ سے بھی پائے گئے بخلاف رحمت و مغفرت کے 'یونکہ یہ ایسے افعال ہیں۔ جو طلب سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ مطلوبِ منہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے: صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ "جو شخص ایک دفعہ نبی ﷺ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ بھیجے گا۔"

یہ شریعت کے قاعدہ مستقرہ کے موافق ہے کہ عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے والے کی جزا بھی اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کو ہی بتایا۔ اور یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ پر صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ ثناء ہیں اور التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کا ذکر بلند اور تعظیم زیادہ فرمائے۔ جزا کے جنسِ عمل سے ہونے کا قاعدہ یہ بتاتا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کی ثناء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ثناء فرمائے گا اور شرف و تکریم میں اس کو بڑھائے گا۔ اب جزا کا عمل کے ساتھ رابطہ بھی صحیح ہو گیا اور مشابہت و مناسبت بھی درست ہو گئی جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ مثلاً جو شخص تنہی میں کسی کی مدد کرے اللہ تعالیٰ حسب میں اسے فراخی دے گا۔

جو مسلمان کو دنیا میں پسائے اللہ اسے دنیا و آخرت میں پسائے گا۔ جو کوئی مومن کی دنیا کی سختی دور کرے اللہ تعالیٰ آخرت کی سختی دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو کسی راہ پر طلبِ علم میں چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر راہِ بہشت کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس نے علم کی کوئی بات کہی وہ جانتا ہے پوچھنے پر نہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام قیامت کو پسائے گا۔ علیٰ ہذا جو کوئی رسول اللہ ﷺ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر اس رحمتیں بھیجے گا وغیرہ وغیرہ۔

① اگر کوئی شخص روایت حدیث کے وقت ﷺ کی بجائے عَنْ رَسُولِ اللَّهِ رَحِمَهُ اللَّهُ بِأَنْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ رَحِمَهُ اللَّهُ کہے۔ تب تمام امت اس پر انکار کرے گی اور اس کو بدعتی سمجھ کر جان لے گی کہ یہ نبی ﷺ کی عزت و توقیر نہیں کرنا آپ پر صلوٰۃ نہیں بھیجتا اور جس ثناء کے آپ مستحق ہیں اسے ادا نہیں کرتا اب اس کا حق نہیں کہ اس صلوٰۃ کو مانگے۔ دیکھو اگر صلوٰۃ کے معنی اللہ کی رحمت ہیں تو رَحِمَهُ اللَّهُ کتنا منع نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ نَعْصِكُمْ نَعَضًا﴾

(النور ۲۴/۶۳)

”یعنی مسلمان نبی ﷺ کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح باہم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہیں۔“

مطلب یہ کہ نام لے کر نہ پکاریں بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر بلائیں کیونکہ نام لے کر پکارنا تو کفار کی عادت تھی اور مسلمان ہمیشہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ پس جو حالت خطاب کا حکم ہے وہی غائبانہ کا یعنی یہ سزاوار نہیں کہ عام کی طرح آپ کے لیے دعا کی جائے بلکہ نبی ﷺ کے لیے تو اشرف دعا یعنی صلوٰۃ چاہیے اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ رحمت ایسی عام شے ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے ساتھ دعا دی جاتی ہے۔ بلکہ حیوانات کو بھی۔ چنانچہ دعا استسقاء میں یہ الفاظ ہیں:

«اللَّهُمَّ ارْحَمْ عِبَادَكَ وَبِلَادَكَ وَبَهَائِمَكَ»

② لغت اصلیہ میں صلوٰۃ کے معنی رحمت ہرگز نہیں بلکہ عرب کے نزدیک جو معنی اس کے مشہور و معروف ہیں وہ ثناء و تحریک ہیں اور صلی علیہ کے معنی رَحِمَهُ عرب کبھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے لفظ کے وہی معنی کرنے چاہئیں جو لغت میں متعارف ہیں۔

③ رحمت کی طلب ہر شخص کر سکتا ہے بلکہ مستحب بھی ہے کہ اپنے لیے رحمت کا سوال کرے۔ چنانچہ دعا میں ہم کو

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي»

"اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔" سکھایا گیا ہے۔ لیکن یہ کسی کو شایان نہیں کہ یوں کہے:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ»

"اے اللہ مجھ پر صلوٰۃ بھیج۔"

کے 'لیکن اگر کوئی کہے گا تو وہ دعا میں حد سے بڑھنے والا ہے نہ اللہ پسند نہیں کرتا۔ برخلاف سوال رحمت کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندہ اس سے مغفرت و رحمت کا سوال کرے۔ اس سے سمجھا گیا کہ صلوٰۃ اور رحمت کے معنی ایک نہیں۔

⑤ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں رحمت کا استعمال ہوا ہے اور اس جگہ صلوٰۃ کا استعمال نہیں فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِي وَمِيعَتِي كُلُّ شَيْءٍ﴾ (الأعراف ۷/۱۵۶)

"میری رحمت ہر ایک چیز سے وسیع ہے۔"

فرمایا:

«ارْحَمْنِي سَبَقْتُ عَلَى غَضَبِي»

"میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"

فرمایا:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الأعراف ۷/۵۶)

"اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔"

فرمایا:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الأعراف ۷/۳۲)

"مومنوں پر وہ رحیم ہے۔"

فرمایا:

﴿إِنَّمَا بِهِمْ رَوْفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة ۹/۱۱۷)

"وہ ان پر مہربان ہے" رحمت والا ہے۔"

حدیث میں ہے:

"إِنَّ اللَّهَ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَالِدِهَا"

"اللہ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہے بہ نسبت ماں کے اپنے بچے پر۔"

دوسری حدیث میں ہے:

"الرَّحْمَةُ مِنَ الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مِنْ فِي السَّمَاءِ"

"جو زمین پر ہے تم اس پر رحم کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔"

فرمایا:

"مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ"

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔"

غرض رحمت کے استعمال کے بہت سے ایسے مقامات ہیں (خواہ اللہ کی جانب سے ہوں یا بندوں کی طرف سے) جہاں لفظ صلوة کا واقع ہو تا زیبا اور موزوں نہیں۔ اس لیے صلوة کی تفسیر لفظ رحمت کے ساتھ ٹھیک نہیں (واللہ اعلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِنْ اللّٰهُ وَفَلَاحُكُمْ يَهْضَمُونَ عَلَى النَّبِيِّ کی تفسیر میں یہاں مَحْضَمٌ غَلِيظٌ کہا ہے لیکن برکت شاہ اور ارادۂ مکرم و تعظیم کے معنی نہیں۔ کیونکہ اللہ کی جانب سے تحریک ان امور بالا کے ضمن میں بھی ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ کے لیے صلوة کے ساتھ برکت کو بھی ملایا گیا ہے۔ (يَعْنِي اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدًا) ملائکہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کہا ہے۔

"رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ"

"اے گھر والو! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں۔"

سیدنا مسیح علیہ السلام نے کہا ہے:

"وَحَقِّقْ لِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ" (مزمع ۳۱/۱۹)

"اور مجھے مبارک بتایا جہاں کہیں کہ میں ہوں۔"

سلف صالحین میں سے ایک سے زیادہ نے کہا ہے کہ مبارک سے مراد خیر کا معلم

ہے مگر یہ معنی کا ایک جزو ہے کیونکہ مبارک وہ اپنی ذات سے غیر کثیر والا شخص ہے جس کو تعلیم و انداز یا فصاحت و ارادہ و اجتہاد کے ذریعہ دوسرے سے غیر حاصل ہوئی ہو۔ اسی لیے بندہ کا نام مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام برکت دینے والا ہے کیونکہ تمام برکت اسی کی جانب سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ (الفرقان: ۱-۲)

﴿نَزَلَكَ الْوَيْ بَيِّدٍ الْمُنْكَ﴾ (الحج: ۲۲)

(۱) برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان کو اپنے بندے پر نازل کیا۔

(۲) برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔

خیر ان معنی پر آگے چل کر بحث ہوگی۔

جہمید اور صفات باری تعالیٰ: بعض لوگوں نے صلوٰۃ بمعنی رحمت ہونے سے اس لیے انکار کیا ہے کہ رحمت کے معنی رقت طبع ہیں اور یہ اللہ سبحانہ کے حق میں محال ہے، جس شخص کا یہ قول ہے۔ اس کے دل سے زبان تک جہمیت کی نبض جاری ہے اور درحقیقت وہ رحمت البیہ کا قطعاً انکار کرتا ہے۔ جہم بن صفوان بانی مذہب کی علوت تھی کہ جب جذامیوں پر اس کا گذر ہوتا تو انکار رحمت کے طور پر اس وقت ازحم الراحمین زبان سے گھبرا کر کہتا۔ غرض قول بالا کے قائل نے صلوٰۃ بمعنی رحمت نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ دراصل منکرین صفات البیہ کا شبہ ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ ارادہ حرکت نفس کا نام ہے جو حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے ہو اور پروردگار حرکت نفس سے برتر ہے اس لیے اس میں ارادہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غضب انتقام کے لیے خون دل کے جوش مارنے کا نام ہے اور پروردگار اس سے پاک ہے اس لیے اس میں غضب نہیں۔ غرض اسی بھم نے رحمت پر وہ اللہ تعالیٰ کی حیات و کلام اور دیگر صفات کے بارے میں پٹے 'حالانکہ یہ بہت ہی باطل طریق ہے۔ کیونکہ یہ شخص صفت کے سہی میں صرف مخلوق کی خصوصیتوں کو لیتا ہے اور پھر ان کی وجہ سے صفت خالق کی نفی کرتا ہے۔ اس شخص کا یہ کام نہایت تلبیس و گمراہی ہے۔ کیونکہ صفت کی بس خاصیت کو یہ شخص لیتا ہے وہ صفت کے لیے ذاتی نہیں

بلکہ مخلوق ممکن کے اعتبار سے اضافی ہے اور روشن بات ہے کہ اگر کسی صفت سے ان خصم صیغوں کی نفی کر دی جائے جو مخلوق سے خاص ہیں تو اس سے اصل صفت کا نفی کر دینا یا اللہ تعالیٰ کا اس صفت سے موصوف نہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔

اور جب اصل صفت اللہ کے لیے ثابت کی جائے تو اس سے مخلوق کی خصم صیغیں اللہ تعالیٰ کے اندر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص تشبیہ نہ ہونے سے مخلوق کی صفات عیب و نقص سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ فرض خالق اور مخلوق پر ایک صفت کے اطلاق لفظی اسے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لیے جو کچھ وجوب اور قدوم و کمال ہے وہ مخلوق کے لیے بھی ثابت ہو جائے۔ یا بندہ میں جو نقص و عیب ہیں وہ اللہ کے لیے بھی ہوں یہی مثال حیات اور علم کی ہے۔ کیونکہ بندہ کی حیات متغیر آفات اور خصوصیات سے عبارت ہے۔ میند 'مرض' موت اسے لگی ہوئی ہیں 'علم' انسانی کو نسیان بھی ہے اور اس کی ضد بھل بھی لگی ہوئی ہے، لیکن ان خصوصیات کا اللہ تعالیٰ کی حیات و علم میں ہونا محال ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کے حیات اور علم کی نفی مذکورہ بالا خصوصیات انسانی کی وجہ سے کرتا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔ پس یہی مثال ہے نفی رحمت الہی کی جو صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ رحمت مخلوق میں رقت طبع کا ہونا ضروری ہے۔ اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ رحمت صرف اسی حالت میں ابو مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے اپائی جاسکتی ہے اور اس نے سمجھا کہ علم و حیات و ارادہ بھی ان ہی خصوصیتوں کے ساتھ جو مخلوق کے علم و حیات و ارادہ سے لگی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ میں پائی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہ محض غلطی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ اس صفت کو پہلے تو مخلوق کی صفت سے ہو اس پر پابند ہے قیاس کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے اندر جب اس صفت کا اثبات کیا تو اسی پابندی کے ساتھ۔ لیکن دونوں وہم باطل ہیں۔ کیونکہ جو صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور اس کی جانب مقسوم ہے اس میں مخلوق کی خصوصیات میں سے کسی شے کے ہونے کا وہم نہیں کیا جاسکتا۔ نہ لفظی طور پر نہ معنوی طور پر۔ اب جو شخص اسی باطل خیال پر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے اس کے لیے

ضروری ہے کہ جملہ صفات کمال کی ہی نفی کرے کیونکہ وہ تو ہر ایک صفت کو صفت مخلوق کا ہی نمونہ سمجھتا ہے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ ذات الہی کی بھی نفی کر دے کیونکہ وہ صرف مخلوق کی ذات کو ہی جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی کسی شے سے مشابہ نہیں۔

اس باطل طریق پر معطلہ فرقہ کے غالی لوگوں نے خود کو لازم کر رکھا ہے اور جس تک وہ ایسی صفات کی نفی میں بڑھتے گئے تو ان کی اسی قدر انصوص سے مخالفت بھی بڑھتی گئی اور قابل رد ہوتی گئی۔ بیشک یہ باتیں عقل کی سچی کسوٹی پر درست نہیں رہیں، عقل سلیم کے نزدیک بھی وہی درست ہے جو انبیاء و پیغمبروں نے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مُسَبِّحِينَ اللَّهَ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ (۱۶۰-۱۵۹/۳۷) (الصافات)

"اللہ پاک ہے ان باتوں سے جس سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہر ایک وصف کنندہ کے وصف سے مبرا قرار دیا۔ مگر مخلص بندوں کے جو انبیاء اور رسول ہیں یا ان کے پیرو۔ چنانچہ وہ سری آیت میں ہے:

﴿سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبَّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (۱۸۲-۱۸۰/۳۷) (الصافات)

﴿وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱۸۲-۱۸۰/۳۷) (الصافات)

"پاک ہے رب تیرا عزت کا مالک ان باتوں سے جن سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں اور سلامتی ہے مرسلین پر۔ اور حمد ہے واسطے اللہ کے جو رب العالمین ہے۔"

اس میں بھی اپنی ذات کو وصف کنندوں کے وصف سے پاک بتلایا اور مرسلین پر سلامتی نازل فرمائی کیونکہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں اس میں ہر ایک نقص و عیب سے سلامت رہتے ہیں۔ پھر اپنی ذات پاک کے لیے حمد و ثناء فرمائی کیونکہ

وہی ذات پاک صفات کمال سے موصوف ہے اور اسی لیے حمد کی مستحق ہے۔ پھر اسے ہر ایک نقص سے جو کمال حمد کا ملانی ہے مبرا بھی فرمایا۔

تیسری فصل

نبی ﷺ کے اسم مبارک کے معنی اور اس اسم کے اشتقاق کا بیان

واضح ہو کہ نبی ﷺ کے مشہور ترین اسماء میں سے جو نام ہے وہ حمد سے منقول ہے اور یہ دراصل حمد سے اسم مفعول ہے اور محمود کی ثناء و محبت اور اجلال و تعظیم کے ضمن میں ہے کیونکہ حمد کی حقیقت یہی ہے۔ یہ مفعول کے وزن پر مبنی ہے جیسے معظم و مبجل و مسود وغیرہ ہیں۔ یہ بناء تکثیر کے لیے موضوع ہے۔ جب اس سے اسم فاعل بناتے ہیں تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا صدور مرۃ بعد مرۃ کثرت کے ساتھ اس شخص سے ہو جیسے معلم و مفہم و مبین و مخلص و مفرج کے معنی سے واضح ہو گا اور جب اس سے اسم مفعول بناتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا وقوع مسلسل مرۃ بعد مرۃ اس پر ہوتا ہو۔ (استحقاقا ہو یا وقوفا) پس محمد (ﷺ) وہ ہے جس پر حمد کرنے والوں نے مرۃ بعد مرۃ بکثرت حمد کی ہو اور وہ ہو مسلسل حمد کے جانے کا مستحق ہو۔ حمد سے محمد ﷺ اس طرح بنایا گیا ہے۔ جیسے علم سے معلم۔

اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی: یہ اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی اور نبی اکرم ﷺ کے حق میں دونوں امور مجتمع ہیں۔ گو بہت سے لوگوں کے لیے جن کا نام یہی نام (محمد) رکھا جائے یہ اسم علم مختص ہو گا۔

یہی شان اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی اور کتب آسمانی کی ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ

کے جملہ اسماء مبارکہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اعلام بھی ہیں اور اپنے معانی پر بھی جو اعلام کے لیے اوصاف ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں طبیعت و صف سے متضاد نہیں ہوتی 'برخلاف دیگر مخلوق کے اسماء کے مثلاً اللہ 'خالق' 'مصور' 'قادر' ہو اسماء ہیں یہ اپنے معانی پر جو اس کی صفات ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن 'فرقان' اور کتاب 'بین'۔ اسی طرح نبی ﷺ کے اسماء محمد 'احمد' مائی ﷺ چنانچہ 'بیر بن مطعم' بڑی حدیث میں ہے:

إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا الْحَاجِبِي الَّذِي
يَمْشُو اللَّهُ بِهِ الْكُفْرُ

"میرے کنی نام ہیں۔ میں محمد ہوں 'میں احمد ہوں' میں مائی (ﷺ) ہوں بس کی وجہ سے اللہ نے کفر کو ٹھوکر دیا ہے۔"

دیکھو نبی اکرم ﷺ نے ان اسماء کا ذکر فرمایا 'اور فضیلت کی جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دی ہے اسے بیان کر کے معانی کی طرف بھی (یعنی کفر کو ٹھوکر دینے کی وجہ سے نبی ﷺ کا نام مائی ہے) ارشاد فرمایا۔ اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معنی نہ تھے۔ تو وہ معنی کی برگزدہ دلیل نہ ہوتے صلی بن ثابت ماح نبی ﷺ نے اسی وجہ سے یہ شعر کہا ہے:

وَقَدْ نَزَلْنَا مِنْ أَسْمَاءٍ لِيُجْلِسَ

فَذُو الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

نکالا نام اپنے سے دیکھو 'کرم' جیسی

کہ صاحب عرش کا محمود ہے اور یہ محمد ہیں

اسماء حسنی کا معانی سے تعلق: یہی حال اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء معنی کا ہے 'کیونکہ اگر وہ مجرد الفاظ ہوتے جن کے معانی نہیں تو وہ معنی پر دلالت کرنے والے نہ ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

هُوَ الَّذِي آتَى الْإِنْسَانَ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي

أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

"اللہ کے پاک نام ہیں" انہی سے اللہ کو پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں الجھ کر رہتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ اپنے عملوں کا بدلہ جلد پالیں گے۔
 جن اسماء کی توصیف لفظ حسنی کے ساتھ فرمائی وہ مجرد لفظ ہونے کی وجہ سے حسنی نہیں بلکہ اوصاف کمال پر دلالت رکھنے کی وجہ سے ہیں۔ مروی ہے کہ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَالشَّارِقُ وَالْمُشَارِقُ فَاقْطِعْهُمَا أَيَّدِيهِمَا جَزَاءُ بِمَا كَسَبَا﴾

(الحائدہ: ۱۳۸)

"چور مزد چور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو" یہ ان کے لئے ناکاہلہ ہے۔
 اس سے آگے اس شخص نے غفور رحیم پڑھا جس کے معنی ہیں "اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ قرآن میں دراصل عزیز حکیم تھا۔ "یعنی اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

ایک اعرابی نے سن کر کہا یہ تو کلام الہی نہیں۔ قاری نے کہا: کیا تو کلام اللہ کی تکذیب کرتا ہے؟ وہ ہوا انہیں "مگر جو تو نے پڑھا ہے وہ کلام الہی نہیں۔ قاری نے اپنے حافظ پر زور ڈالا تو غفور رحیم کی جگہ عزیز حکیم پڑھا۔ اعرابی بولا اب ٹھیک ہے "وہ غالب ہے اس لیے حکم دیا اور قطع یہ فرمایا اگر مغفرت و رحم کرتا تو قطع کا حکم نہ دیتا۔"

یہی وجہ ہے کہ جب آیت رحمت اسم عذاب پر یا بالعکس ختم کی جائے تو تافر کلام اور عدم انتظام ظاہر ہو جاتا ہے۔ سنن میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قراءت قرآن سات حرف پر ہے۔ اور ہر ایک کافی و شافی ہے۔ اگر منبغھا علیہا کی جگہ عزیزا حکیم پڑھ دیا جائے (تو کچھ ذر نہیں) جب تک کہ آیت عذاب رحمت پر اور آیت رحمت عذاب پر ختم نہ ہو۔

دیکھو اگر یہ اسماء محض احکام ہوتے جن کے کچھ معنی نہیں تو کچھ فرق نہ ہوتا چاہیے تھا کہ آیت اس اسم پر ختم ہو یا اس پر۔ اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ احکام اور افعال کو اپنے اسماء کی علت ٹھہراتا ہے۔ پس اگر اسماء کے لیے کچھ معانی نہ ہوں تو وہ تعلیل

بھی صحیح نہ ہوں۔ فرمایا:

﴿ اَسْتَغْفِرُكَ اَوْ يَسْتَغْفِرُكَ عَنْكَ كُنْتَ عَقْبًا ۝۱۰ ﴾ (سج ۷۱/۱۰)

"اپنے رب سے بخشش مانگو، بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے۔"

قرآن مجید کا طریق یہ بھی ہے کہ اسماء رجا اور اسماء خوف کو ساتھ ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ فرمایا

﴿ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۸ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۹ ﴾

(المائدہ ۵۵/۱۸)

"جان لو اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔"

اہل جنت کا قول ہے

﴿ لِنَعْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۝۱۸ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ

شَكُورٌ ۝۱۹ ﴾ (الفاطر ۳۵/۳۵)

"اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور فرمایا" ہے شک ہمارا رب غفور و شکور ہے۔"

اس آیت میں گویا اس معنی کا اظہار ہے کہ گناہ بھی ہمارے اسی نے بخشے اور نیکیوں کو مشکور بھی اس نے کیا تب ہم وار کرامت میں پہنچے۔ فرمایا:

﴿ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنْتُمْ ۝۱۷ وَكَانَ اللَّهُ

شَاكِرًا عَلِيمًا ۝۱۸ ﴾ (آلہ ۱۱۷/۱۱۷)

"اللہ تم کو عذاب نہ دے اگر اللہ کے تم شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم پروردگار کا شکر کرو گے وہ تم کو مشکور کرے گا اور وہ تمہارے شکر کو جانتا بھی ہے۔ شکر گزار و نافرمان اس سے کچھ مخفی نہیں۔ غرض قرآن مجید اسی سے بھرا ہوا ہے اور ہمارا مقصود اس پر آگاہی بخش دینا ہے۔

پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء سے توحید پر بھی اور نفی شرک پر بھی استدلال فرماتا ہے۔ پس اگر اسماء کے معنی نہ ہوتے تو اس مدعا پر دلالت نہ کر سکتے مثلاً

حضرت ہارون علیہ السلام پرستوں سے کہنا:

﴿يَقُولُوا إِنَّمَا أَفْنَسْتُمْ بِهٖ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ (طہ ۲۰/۹۰)

"اے قوم تم آزمائش میں آگے گئے ہو اور تمہارا رب تو رحمن ہی ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿اِسْمًا اِلٰهَكُمْ اِلٰهٗ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ کُلُّ شَیْءٍ

عِلْمًا﴾ (طہ ۲۰/۹۸)

"بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں" اس نے ہر

ایک چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔"

نیز یہ ارشاد:

﴿وَاللّٰهُ اِلٰهٌ ۚ وَحْدٌ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾

(الحشر ۲/۱۶۳)

"تمہارا معبود ہی ایک ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ رحمن رحیم ہے۔"

نیز سورہ حشر کے آخر میں یہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ اِلٰهٌ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلِیْمُ الْغُیْبِ وَالشَّهَادَةُ هُوَ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ ﴿هُوَ اِلٰهٌ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ

الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرَکُّوْنَ﴾ ﴿۱۵﴾

(الحشر ۲/۱۶۳-۱۶۴)

"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چھپی اور مخفی چیز کو جانتا ہے"

وہ رحمن رحیم ہے اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ملک

قدوس سلام مومن مہیمن عزیز جبار متکبر ہے۔ اللہ مشرکوں کی باتوں

سے پاک ہے۔"

اس میں مشرکین کے شرک سے اپنی ذات پاک کی تسبیح و پاکی اور اسماء حسنی کے

ساتھ (جو توحید کے متقاضی ہیں اور اثبات شریک کو محال بتلاتے ہیں) اپنی طرح فرمائی ہے۔

غرض جو شخص قرآن مجید میں اس انداز سے تدبر کرے گا وہ نور ہدایت پائے گا اور خیابان علم میں جا پہنچے گا جسے اللہ تعالیٰ ہر شخص سے جو کتاب و ہدایت سے برخوردار ہو بچائے رکھے یہ ایسا بیان ہے کہ اگر اس کتاب میں صرف یہ ایک فصل ہوتی تب بھی ذوق و مسرت والے کے لیے یہی کافی تھی۔ واللہ الفوفی للضوابط۔

اس کے علاوہ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کے ساتھ معمولات یعنی ظرف و جار و مجرور وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے اگر اسماء سنی محض اعلام ہی ہوتے تب ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا مثلاً فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَكْفِي شَيْءًا عَالِمًا﴾ (البقرہ: ۱۷۶)

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

﴿إِنَّكُمْ بَعِيدُونَ خَيْرٌ بَصِيرًا﴾ (الشوری: ۱۲۷)

غرض اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ علی ہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کو نظیرین صفات کمال کے لیے دلیل بھی بنایا ہے فرمایا:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملک: ۱۷)

واضح ہو کہ جن لوگوں نے اسماء حسنی پر غور سے نظر ڈالی ہے انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ

- ① کیا یہ اسماء متباہن ہیں؟ جیسا کہ ان معانی سے نظر آتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم ایک جدا معنی پر دلالت کرتا ہے جس پر دوسرا اسم نہیں کرتا۔
- ② کیا یہ مترادف ہیں؟ کیونکہ ذات واحد پر ہی دلالت کرتے ہیں اور ان کا مدلول ایک ہے متعدد نہیں۔ اور یہی تعریف مترادف کی ہے۔ لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے یہ مترادف ہیں اور صفات پر نظر ڈالنے سے متباہن اور ہر ایک اسم ہی ایسا ہے جو اپنی صفت سے موصوف ذات پر تو باطابقت اور باضمین دلالت کرتا ہے اور دوسری صفت پر بالترام۔

وجہ تسمیہ محمد ﷺ: جب تم مذکورہ بالا بیان سمجھ گئے تو نبی ﷺ کے نام (محمد ﷺ) وجہ تسمیہ پر فوراً کر دو حمد سے بتایا گیا ہے۔ ہر ایک نبی ﷺ محمود ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہیں، ملائکہ کے نزدیک محمود ہیں، اپنے انوان مرسلین کے نزدیک محمود ہیں، کل باشندگان زمین کے نزدیک محمود ہیں، گو ان میں سے کوئی آپ کا انکار کرے۔ کیونکہ جو صفات کمال آپ میں ہیں وہ صفات ہر ایک عاقل کے نزدیک ضرور محمود ہیں، اب اگر کوئی شخص جہالت اور عداوت کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو صرف اس امر کا کہ نبی ﷺ ان اوصاف سے متصف نہیں تھیں جب اسے نبی ﷺ کا متصف یہ اوصاف کمال ہو نا واضح ہو جائے گا تو ضرور آپ کی حمد کرے گا۔ کیونکہ وہ حالت انکار میں بھی ایک ایسے وجود مبارک کی تعریف کر رہا ہے جو یقیناً الٰہی حمد میں، گو نبی ﷺ کی اہل اشرف کو اس نے بھلا دیا ہے۔ پس یہ شخص فی الحقیقت نبی ﷺ کا صمد ہے۔

نبی ﷺ کو مسمیٰ حمد کے ساتھ جو خصوصیت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں یعنی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد و احمد ہے۔ (ﷺ) نبی ﷺ کی امت صمد ہے جو تنہی و فراخی میں اللہ کی حمد کرتی ہے۔ نبی ﷺ اور امت کی نماز اور خطبے اور قرآن مجید بھی حمد سے ہی شروع ہوتا ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ پر بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ نبی کے خلفاء و صحابہ بھی خطوط کو حمد سے ہی شروع کیا کرتے تھے اور قیامت کے دن لواء الحمد احمد کا جھنڈا بھی نبی ﷺ کے ہی دست مبارک میں ہو گا اور جب نبی ﷺ شفاعت کے لیے مجدد فرمائیں گے اور اذن عطا ہو گا تو اس وقت نبی ﷺ حمد ربانی ہی فرمائیں گے۔ ایسے حملہ کے ساتھ جو اسی وقت نبی ﷺ پر کھولے جائیں گے نبی ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں جس کے لیے اولین و آخرین کی آرزو رہی اور ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ أَلْبَسَ فَتَحَهُمْ بِهِ دُورًا لَّهُمْ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (الاسراء: ۷۹/۸۰)

”رات کو نیند سے انھیں رونا چڑھائی ہے۔ یہ آپ کے لیے ثمرت انبیاء

باعث ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر ہذا
فرمائے۔"

اگر کوئی شخص مقام محمود کے معنی باننے کا شوق رکھتا ہے تو اسے وہ معنی دیکھنے
چاہئیں جو سلف امت صحابہ و تابعین سے مروی ہیں اور ابن ابی حاتم، ابن جریر اور
عبد بن حمید وغیرہ سلف کی تفاسیر میں منقول ہیں۔ الغرض جب روز قیامت میدان حشر
میں نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو اس وقت وہاں موجود تمام انسان کیا
مسلمان، کیا کافر، اولین و آخرین نبی ﷺ کی حمد کریں گے۔

بے شک نبی ﷺ محمود ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے زمین کو ہدایت و ایمان اور علم
نفع و عمل صالح سے بھر دیا ہے اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو کھول دیا ہے اور ظلمت
کو اہل زمین سے دور کر دیا، شیاطین کی قید سے دنیا کو چھڑا دیا، اللہ کے ساتھ شرک
کفر اور جہالت سے نجات دلا دی، حتیٰ کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والے دارین کے
شرف کو پہنچ گئے۔ بے شک اہل زمین پر جو آفت تھی اسے دور کرنے کے لیے نبی
ﷺ کی رسالت کی بہت زیادہ حاجت تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بت پرست، صلیب
پرست، آتش پرست اور ستارہ پرست تھے۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا تھا اور
انہوں نے یہی کچھ کلمہ تھا۔ نیز وہ حیران تھے، وہ کسی معبود کو نہ جانتے تھے جس کی
عبادت کریں۔ نہیں جانتے تھے کہ کیونکر عبادت کریں۔ آدمی ایک دوسرے کا دشمن
تھا جس کو جو اچھا لگا، لوگوں کو ادھر ہی بلا لیا اور جس نے خلاف کیا اس سے جنگ
شروع کر دی۔ غرض روئے زمین پر ایک قدم بھی ایسی جگہ نہ تھی جو نور رسالت
سے منور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم سے ہزاروں قربانی، ہجرت
ان کے جو دین صحیح کے آثار پر پہنچے، رہ گئے تھے۔ جب ایسی حالت ہو گئی تو اللہ
تعالیٰ نے بلاد و عباد کی فریاد کو سنا، گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اٹھا دیا اور موت کے بعد زمین
کو حیات تازہ عطا فرمائی۔ ضلالت سے نکال کر ہدایت فرمائی۔ جہالت سے نکال کر علم
سکھایا۔ قلت کے بعد کثرت اور اذیت کے بعد عزت دی۔ تنگی کے بعد فراخی عطا
فرمائی۔ کور بصیرتوں کی آنکھوں کو کھول دیا اور یسروں کو کان دیکھنے والوں کے پردے

اٹھائے، اب لوگوں نے اپنے رب و معبود کو جان لیا اور جہاں تک ان کے قوی مضبوط تھے انہوں نے معرفت حاصل کر لی۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات افعال و احکام کے ذکر کو کہیں اختصار اور کہیں طوالت سے بیان کیا، بتلایا، ابرایا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت مومن بندوں کے دل میں روشن ہو گئی اور شک و شبہات کی یہ لیاں ان کے دلوں سے اس طرح دور ہو گئیں جیسے صاف چاندنی چٹکی رات میں چاند پرست ہاں دور ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ نے اس بارے میں ایسی تعلیم دی کہ لوگوں کو نہ کسی پہلی تعلیم کا محتاج چھوڑا نہ کچھلی کا۔ بلکہ ہر شخص سے جو اس بارے میں بات کر سکتا ہے اپنی امت کو غنی و بے پروا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يَكْفِيهِمْ أَنَّا أُنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُشَلِّي عَلَيْهِمْ ذِكْرُكَ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ ۖ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَنتُمْ وَكِتَابُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الْقَائِمَ ۚ﴾

(المکھوتہ ۱۰۶، ۱۰۷)

”یہ ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں مومنوں کے لیے رحمت اور یاد دلانا ہے۔“
ابوداؤد نے نبی ﷺ سے مرسل روایت کی ہے کہ آپ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں تورات کا ایک قطعہ دیکھا، فرمایا:

اَكْفَى بِقَوْمٍ ضَلَالَةً اَنْ يَتَّبِعُوْا كِتَابًا غَيْرَ كِتَابِهِمْ اَنْزَلَ غَيْرَ نَبِيِّهِمْ

”کسی قوم کے لیے یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب کی تابعداری کرنے لگیں۔“

اللہ عزوجل نے اس کی تصدیق میں آیت بالا نازل فرمائی۔ دیکھو یہ حالت تو اس شخص کی ہے جو دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب سے دین اخذ کرتا ہے، اس پر اندازہ کرو، اس شخص کا جو زید و بکر کی عقل سے دین لیتا ہے اور اسے اللہ و رسول ﷺ کے فرمان پر مقدم رکھتا ہے۔

غرض نبی ﷺ نے دنیا کو وہ طریق بتلایا جو ان کو پروردگار سے ملاوٹا اور دشمنان و دارگراست سے بچتا دیتا ہے۔ کوئی ایسا نیک کام نہیں جس کا حکم نہ فرمایا ہو کوئی ایسا بھلا فعل نہیں جس سے روکا نہ ہو۔ نہ مانجھ لی سچائی نہ خواہ فرمایا
 اَمَّا تَرَأَتْ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّئُكُمْ اِلَى الْحَيٰثَةِ اِلَّا وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ
 وَلَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّئُكُمْ اِلَى النَّارِ وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهٗ
 ”جو چیز تم کو بہشت سے نزدیک کر سکتی ہے اس کا حکم تم کو دیا
 اور جو تم کو دوزخ سے نزدیک کر سکتی ہے میں نے اس سے تم کو ہٹا دیا ہے۔
 بیان کر دینے میں کوئی بات باقی نہیں رہی۔“

ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور کوئی پرند نہیں جو فضا میں اپنا بازو کھولتا ہے مگر ہم کو اس کا علم سکھلایا۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے وہ تمام حالات بھی بتائے جو پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے پر واقع ہوں گے اور ان کا بیان نہایت واضح اور صاف انداز سے فرمایا۔
 غرض علم نافع کا کوئی ایسا دروازہ ہو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنا ہو بندہ پھوڑا
 اور کسی مشکل کو باقی نہ رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی گہرائی سے نجات
 دی اور بیماری سے صحت عطا فرمائی اور مخلوق کی فریاد رسی کی اسکی حالت میں بتاؤ کہ
 نبی ﷺ سے بڑھ کر کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ اللہ
 تعالیٰ نبی ﷺ کو امت کی جانب سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ : واضح ہو کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ آیت اپنے عموم (عام ہے) پر ہے اور قدرتی طور پر اس کی دو وجوہ ہیں۔

اول : نبی ﷺ کی رسالت کا نفع عام طور پر جملہ اہل عالم کو پہنچا ہے۔ اتباع کرنے والوں کو تو یہ کہ وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کو پہنچ گئے اور جنگ جو دشمنوں کو یہ کہ موت و قتل نے ان کو جلد لے لیا کیونکہ بد بختی ان کے لیے لکھی جا چکی تھی اب

زندگی ان کے لیے عذاب کی شدت اور کثرت کا سبب تھی۔ اس لیے موت کا جلد آ جانا ان کے حق میں طول عمری سے بہتر رہا۔ رہے اہل ذمہ بنی مہدیہ کے ساتھ ہم عہد ہو کر رہے وہ دنیا میں نبی مہدیہ کی ذمہ داری و عہد کے زیر سایہ آباد اور آسائش پذیر رہے اور اسی وجہ سے ان میں اور فرقوں کی نسبت شر بھی کم ہو گیا۔ رہے منافق و اطمہار ایمان سے ان کے جان و مال، اہل و عیال محفوظ و محترم ہو گئے اور توارث وغیرہ میں مسلمانوں کے احکام ان پر جاری ہو گئے۔ رہے وہ ملک اور قومیں جو دور دراز فاصلہ پر تھیں، سوائے تعالیٰ نے نبی مہدیہ کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عام عذاب کو اٹھایا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی مہدیہ کی رسالت اہل عالم کے لیے عام رحمت تھی اور دنیا کے تمام باشندوں کو رسالت محمدی کا نفع پہنچا ہے۔

دوم: نبی مہدیہ کا وجود مبارک تو ہر ایک کے لیے رحمت ضرور ہے، مومنین نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور دنیا و آخرت کا نفع اٹھایا۔ تو کفار نے اس رحمت کو قبول نہ کیا اور لوٹا دیا۔ لیکن اس سے نبی مہدیہ کے سراپا رحمت ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، مثلاً کوئی اور کسی مرض کے لیے مجرب ہے، اب اگر کوئی اس کا استعمال نہ کرے گا تو اس مرض کے لیے اس دوائے مجرب ہونے میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اخلاق و عادات نبوی مہدیہ: واضح ہو کہ نبی مہدیہ کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ ان مکارم اخلاق اور بہترین عادات و خصائل کی وجہ سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے نبی مہدیہ کو پیدا کیا ہے۔ بے شک جو شخص نبی مہدیہ کے اخلاق و عادات پر نظر ڈالے گا وہ ضرور اعتراف کرے گا کہ یہی بہترین اخلاق ہیں۔ بے شک نبی مہدیہ تمام مخلوق سے علم میں وسیع تر، امانت میں عظیم تر، گفتگو میں نہایت سچے اور سوزوں کلام، کمال خفیہ، است زیادہ بردبار اور غفور و مغفرت میں بزرگ تر تھے۔ کوئی شخص کیسی ہی بڑھ کر جمالت سے پیش آتا، نبی مہدیہ اس کو برداشت فرماتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ توہرات میں نبی مہدیہ کی صفت اس طرح سے ہے:

”محمد میرا بندہ و رسول ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا ہے وہ بد زبان و رشت طبع بازاروں میں آواز لگائے والا نہیں۔ وہ بدی کا بدلہ نہیں لیتا بلکہ وہ معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ میں اسے وفات نہ دوں گا جب تک تکبیری ہوئی ملت کو اس سے درست نہ بنواؤں گا۔ میں اس سے کور بھیرتوں کی آنکھوں کو روشن کراؤں گا اور بہروں کو سہمت۔ وہ دلوں کے پردے اٹھا دے گا یہاں تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں۔“

نبی کریم ﷺ مخلوق میں سب سے بڑھ کر رؤف رحیم اور دینی و دنیوی منفعت بخشے ہیں سب سے زیادہ عظیم ہوا مع الکلم تھے اور بڑی بڑی مہارات کا مفہوم مختصر انداز میں بیان کر دینے میں تمام خلقت سے زیادہ فصیح و منوش گفتار تھے صبر کے موقع پر کمال درجہ صابر اور مقامات لقائے نہایت ہی باصدق۔ عہد و نہایت میں نہایت کامل اور انعام و عطا بخشی میں سب سے بڑھ کر۔ تواضع میں کمال درجہ پڑھے ہوئے اور جوہر سخاوت میں سب سے آگے نکلے ہوئے۔ اوامر میں نہایت محکم و مضبوط۔ نواہی میں بہت ہی تارک و نافر۔ محبت و پیار اعرار و رسی اقرباء و ائمتوں میں دنیا بھر سے زیادہ اور اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے۔

بُرْدًا عَلَيَّ الْأَذْنَى وَمَرْحَمَةً عَائِدًا رَابِدًا مَرَمَتْ أَنْ نُورِ حَقَّ
وَعَلَى الْأَعَادِي مَازِنٌ جَلِيلٌ شَوْرُهُ زَارٌ وَشَمْلَانِ رَانِيزُ بَارَانِ كَرَمِ
نعت نبوی از جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما: اے اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْوَدَ النَّاسِ صَدْرًا وَأَصْدَقَهُمْ لَهْجَةً
وَأَلْسِنَهُمْ غَرِيبَةً وَأَكْرَمَهُمْ عَشْرَةً وَمَنْ رَأَاهُ بِدَيْهَةٍ هَابَةٍ وَمَنْ
خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ يَقُولُ نَاعَتُهُ لَمْ أَرْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ“

”سب سے زیادہ غمی اور دریا دل سب سے زیادہ راست باز سب سے زیادہ
ترم خواہ سب سے بڑھ کر شریف ساتھی آپ کو جو اچانک اچھا مرعوب
ہو جاتا اور جو شخص جان پہچان کر میل جول کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا

الغرض آپ کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ جیسا حسین و جمیل نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی آپ جیسا دکھائی دیا۔

واضح ہو کہ ابوہریرہؓ نے اس سے مراد یہ ہے کہ سیدہ مبارک میں خیر و برکات سے بھرا تھا اور سیدہ مطھر سے نیکی اس طرح جوش کھا کر نکلتی تھی جیسے چشمہ سے پانی بہتا ہے۔ ہر ایک خلق جمیل اور جملہ خیر کثیر آپ صوفی تھے، اہل علم کا قول ہے کہ تمام عالم میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں سیدہ محمدی سے بڑھ کر خیر موجود ہو۔ سب شک و شبہ کی جمیع اقسام و انواع کو جمع کیا گیا اور پھر سیدہ مبارک رسول اللہ ﷺ میں اسے ودیعت رکھ دیا گیا۔

اضدقی الناس لفحجۃ کی شرح یہ ہے کہ نبی ﷺ کی راست گفتاری کا اقرار ان دشمنوں نے بھی کیا ہے جو میدان میں نبی ﷺ کے ساتھ برابر جنگ کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دشمن سے دشمن نے بھی ایک جھوٹ کو نبی ﷺ سے لگایا ہو۔ اس بارے میں دو سرداروں کی شہادت سے مکمل طور پر قطع نظر کر کے پھر دیکھو کہ دنیا بھر کے مخالفین کیا اہل کذب اور کیا مشرکین سب نے طرح طرح کی مخالفت اور جنگیں نبی ﷺ سے کیں، ایک دن بھی کبھی کسی نے ایک بات میں بھی چھوٹی ہو یا بڑی جھوٹ بولنے کا طعن نبی ﷺ کو نہیں دیا۔ مسور بن مخزوم کہتے ہیں، میں نے ابو جہل سے جو میرا ماموں تھا کہا کہ ماموں! کیا تم محمد (ﷺ) پر اس دعویٰ سے پہلے بھی جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے۔ بولا، بھانجے! اللہ کی قسم نہیں، محمد ابھی جوان تھے کہ قوم ان کو امین کہہ کر پکارتی تھی، جب ادھیڑ ہوئے تب بھی انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم اب کیوں اس کی پیروی نہیں کرتے۔ کہا بھانجے! ہم میں اور بنو ہاشم میں شرف و بزرگی کا تقاضہ آپہنچا، انہوں نے نظر جاری کیا، ہم نے بھی یہ۔ انہوں نے یہاں لگائے ہم نے بھی لگائے۔ انہوں نے نیزہ یاڑی کی، ہم نے بھی کی۔ جب ہم اپنی سواروں پر زانو بہ زانو ہو کر بیٹھے اور ہم ایسے تھے جیسے گھوڑوں کے گھوڑے، تب انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبی ہے، اب ہم نبی کہیں

سے لائیں؟

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور اعداء دین کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے

﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يَكَذُّونَ لَكَ وَلِكُلِّ
الظَّالِمِينَ يَتَابَعَتِ أَعْيُنُ اللَّهِ يُحَاطُّوْنَ رِزْقًا﴾ (الاعراف/ ۳۳)

”ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کو رنج ہوتا ہے طریقہ آپ کو نہیں
بھٹاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول انہیں عربیہ کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ سل و نرم
لوگوں سے قریب تر تھے۔ جو آپ کو بلاتا اس کی درخواست منظور فرماتے ہو کوئی حد
بانتا اس کی حاجت پوری کر دیتے۔ دل شکلی کھو دیتے سائل کو محروم نہ رکھتے
اور مال و سواہر نہ فرماتے۔ جب صحابہؓ کسی کام میں نبی ﷺ کی شرکت
پہنچتے تو ان کا ساتھ دیتے اور جب خود کسی امر کا حزم فرماتے تو سب سے مشورہ کئے
بغیر اس میں ابتداء نہ فرماتے۔ نیکی کرنے والے کو پسند فرماتے اور بدی کرنے والے
کو معاف کر دیتے۔

انکو مہم عشرہ کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ کبھی کسی کے ساتھ نہ بیٹھتے مگر اس
کے ساتھ عمدہ بستر اور پسندیدہ برتاؤ فرمایا کرتے۔ نہ کبھی چہرہ مبارک پر شکن پڑتی اور
نہ گفتگو میں کبھی تندی آتی۔ نہ رخ اس سے پھراتے اور نہ چپ ہو کر ہی بیٹھے
رہتے۔ اگر بے نشین سے کوئی درشتی وغیرہ ہو جاتی تو اس کا مواخذہ نہ کرتے بلکہ
نمائیت و رجا اس پر احسان فرماتے اور کمال برداشت کیا کرتے۔ غرض نبی ﷺ کا برتاؤ
تھا کہ سب کی سختی و درشتی کو برداشت کر لیتے اور کبھی نہ کسی پر عقاب و دامت فرماتے
اور نہ پاپندیدگی کا اظہار مناسب سمجھتے۔

من حاططه مغرورہ کی شرح یہ ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کو سب سے زیادہ کر محبوب
اس لیے ہو جاتے تھے کہ وہ آپ کے الطاف کو دیکھتے تھے اور خیال کیا کرتے تھے کہ
کس طرح نبی ﷺ قریب بھٹاتے تو جب کرتے ان کے لیے اہتمام فرماتے نصیحت و

راہنمائی کرتے ہیں، کیونکہ احسان لگاتے اور سختی کو برداشت کیا کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو اس برکت سے بہتر کون سا برکت ہے کہ یا ہو سکتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ ہم نشینوں کے اندر نبی ﷺ کی سیرت کیا تھی۔ کہا: خندہ رو، مفسار، نرم طبع۔ آپ بد زبان و درشت طبع نہ تھے، نہ آواز لگاتے نہ فحش کہتے، نہ کسی کا عیب ظاہر کرتے، نہ تعریفیں کیا کرتے، جس چیز کی حاجت و ضرورت نہ ہوتی اس کے متعلق دریافت ہی نہ کرتے اور ادھر توجہ ہی نہ فرماتے۔ زمین ہاتھیں تو بالکل ہی متروک تھیں۔

۱۱۱ کسی کی مذمت و عیب نہ کیا کرتے، کسی کا راز تلاش نہ فرماتے، جب تک بولنے پر ثواب کی امید نہ ہوتی، اس وقت تک گفتگو نہ کیا کرتے، جب گفتگو شروع فرماتے تو سب لوگ سرنگوں ہو جاتے گویا سروں پر پرندے ہیں۔ جب آپ خاموش ہو جاتے، تب دوسرے لوگ بولتے وہ بھی آپ کے سامنے گفتگو میں بحث و نزاع نہ کرتے تھے، بلکہ جب ایک بولتا تو سب چپ کر رہتے۔ سب کی گفتگو درجہ وار ہوتی۔ جس بات پر اور ہنستے، آپ بھی ہنسا کرتے، جس پر اور متعجب ہوتے، خود بھی تعجب فرمایا کرتے۔ اجنبی شخص کے کلام و سوال میں اگر تندی و درشتی ہوتی تو اس کو برداشت کیا کرتے۔ صحابہ اگر اسے روکنا بھی چاہتے تو فرما دیتے کہ جب کوئی حاجت مند اپنی حاجت طلب کرے تو اس کو مدد دو۔ عادت شریف یہ تھی کہ اپنی تعریف و کفایت سے بڑھ کر قبول نہ فرماتے اور کسی کی بات کو سچ میں قطع نہ کرتے، جب تک ایسا کرنا جائز نہ ہوتا، ایسی صورت میں یا تو وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے یا بولنے والے کو منع کر دیتے۔

واضح ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول میں رافۃ مدنیۃ خاندۃ و من حائظہ مفعوفۃ احسن میں دو صفتوں کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل صدق و اخلاص میں یہ خصوصیت دے رکھی ہے کہ ان میں اجلال اور محبت دونوں ہونے ہیں۔

نبی ﷺ کو محبت اور محبت دینی تھی جو یکایک آپ کو دیکھتا وہ بیت و رعب میں آجاتا اس کا دل تعظیم و جلال سے بھر جاتا خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا پھر رب کوئی آپ کے پاس آجیٹا تب قدم مخلوق سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ ہی اس کے محبوب ہوتے۔

کمال محبت کی تعریف: الغرض رسول اللہ ﷺ معظم و مکرم بھی ہیں اور محبوب و مکرم بھی اور کمال محبت کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ تعظیم و محبت کے ساتھ ملی ہوئی ہو کیونکہ جس محبت کے ساتھ تعظیم و محبت نہ ہو وہ ناقص ہے اور جس محبت و تعظیم کے ساتھ محبت نہ ہو جیسا کہ ظالم حاکموں کا حال ہے وہ بھی ناقص ہے۔ کمال یہی ہے کہ مؤدت و محبت اور اجال و تعظیم مجتمع ہوں۔ لیکن یہ بات تب ہی حاصل ہوتی ہے جب محبوب میں وہ سب صفات کمال ہوں جن کی وجہ سے وہ تعظیم کا بھی مستحق ہو اور محبت کا بھی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ صفات کمال سے متصف ہونے کی وجہ سے زیادہ تر مستحق ہے اس لیے اسی کا استحقاق ہے کہ تعظیم و تحمیر اسی کے لیے ہو اس سے محبت کھائی جائے۔

حقیقت شرک: اور دل کے تمام اجزاء کے ساتھ محبت و مؤدت اس سے کی جائے اور کسی کو بھی اس میں اللہ پاک کا شریک نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ وہی شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے گا کہ اس محبت و تعظیم میں اللہ تعالیٰ اور غیر کو برابر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

”لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک بناتے ہیں ان کے ساتھ ویسی محبت رکھتے ہیں جو اللہ کے ساتھ چاہیے مگر مومن اللہ کی محبت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔“

اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے ساتھ اللہ جیسی محبت کرے ہے وہ اللہ کے ساتھ نہ (شریک) بناتا ہے۔ روزِ قیامت اپنے معبودوں کو خطاب کر کے کہیں گے:

﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا نَعْبُدُ شَيْئًا مِنْ دُونِكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴾

(الشعراء ۲۶-۲۷/۹۸)

"اللہ کی قسم! ہم صریح گمراہی میں تھے! جب کہ تم کو رب العالمین کے برابر سمجھا کرتے تھے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ آسمان و زمین کی پیدائش میں یا اپنے اور آباء اجداد کی پیدائش میں اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ ان کو رب العالمین کے ساتھ محبت میں برابر رکھتے تھے اور یہی حقیقت عبادت کی ہے کہ اس میں محبت اور ذلت ملی ہوگی ہو۔ اور یہی ہے جلال و اکرام جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارک کی توصیف فرمائی ہے۔

﴿ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ کی شرح: فرمایا: ﴿ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ جلال تو تعظیم ہے اور اکرام محبت ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ میں بھی یہی راز ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْظُّرُوبُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

"یعنی یا ذوالجلال والاکرام کو لازم پکڑو۔"

اور اسے ورد زبان بنالو۔ ابو یعلیٰ موصلی کی سند میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ انہوں نے اسم اعظم کا معلوم کر لینا چاہا۔ تو انہوں نے خواب میں آسمان کے اندر ستاروں سے لکھا ہوا دیکھا:

«يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

نبی ﷺ کی محبت و تعظیم وہی کرے گا جو اللہ کی محبت و تعظیم کرتا ہے

واضح ہو کہ بشری جس قدر محبت و تعظیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کی اتباع (پروی) میں دعوتی چاہیے مثلاً رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم۔ یہ بھی ادرحقیقت اللہ پاک کی ابو جی ﷺ کو بھیجے والا ہے محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو مومن رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور جو آپ کی تعظیم و اہمال کرتے ہیں اس کا باعث تعظیم و اہمال الہی ہے۔ اہل ایمان و اہل علم و صحابہ کرام کی محبت و تعظیم کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نبی ﷺ کی محبت و تعظیم کے تابع ہیں۔ المختصر۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی محبت و مہابت اور خوف کا حصہ بکثرت عطا فرمایا ہے اور ہر ایک مخلص و مومن کو بھی کم و بیش اس میں سے ایک حد تک لطف و مرور عطا کیا ہے۔

حسن بھری ہفتہ کا قول ہے کہ مومن کو عبادت و مہابت دئی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے اور اس کی مہبت و جلال بھی اوس پر پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن کو خلعت ایمان پہنا دیتا ہے اور وہ تربت و محبت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ صحابہ کرام کے نزدیک عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بشر مہبت و جلال اور محبت و تعظیم کے لائق نہ تھا۔

نبی ﷺ سے صحابہ کرام کی محبت: عمرو بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسلمان ہو کر کہا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا لیکن اسلام کے بعد آپ سے زیادہ پیارا اور بزرگ میری آنکھوں میں کوئی بھی نہیں۔ کما اثر مجھ سے کہا جائے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی توصیف قرآن سے کروں تو میں اپنی طاقت نہیں دیکھتا۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اس قدر جلال تھا کہ میں آنکھ بھر کر چہرہ مبارک پر نظر نہ ڈال سکتا تھا۔

عروہ بن مسعود میجر نے قریش سے کہا لوگو! اللہ کی قسم! میں سری (شاہ ایران) اور قیصر (شاہ روم) اور دیگر بادشاہوں کو دیکھ چکا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کو نہ دیکھا کہ اس کے مصاحبین اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جو نبی ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ لوگ ازراہ تعظیم چہرہ کی جانب نظر بھی نہیں اٹھاتے اور آپ اگر تھوکتے بھی ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا، کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرہ و سینہ پر مل لیتا ہے، پھر جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو استعمال شدہ پانی پر تو گویا لڑائی ہونے والی ہو جاتی ہے۔

پس جب رسول اللہ ﷺ ایسے ایسے اوصاف سے متصف ہیں جن کا تقاضا ہی یہی ہے کہ آپ پر کثرت سے حمد کی جائے اس لیے حضور کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہوا۔ یہ اسم مسمیٰ کے مطابق ہے اور یہ لفظ معنی سے بھرپور موافقت رکھتا ہے۔
محمد و احمد ﷺ میں فرق محمد اور احمد ﷺ میں فرق دو وجہ سے ہے۔

اول: محمد کے معنی تو محمود ہیں، یعنی وہ شخص جس کی حمد کے بعد حمد کی جائے، پس یہ اسم تو عابدین کی کثرت حمد پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وجود باوجود میں حمد کا جواز اور اسباب حمد بکثرت ہوں۔

اور احمد، حمد سے افضل (زیادہ فضیلت والا) ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جس حمد کے مستحق رسول اللہ ﷺ ہیں، اس کا درجہ اس حمد سے افضل و برتر ہے جس کا مستحق کوئی اور ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ تو حمد کی کثرت بلحاظ کیت میں ہے اور احمد حمد کی کثرت بلحاظ کیفیت میں اور رسول اللہ ﷺ محامد بشریٰ میں اکثر اور افضل کے لائق و مصداق ہیں۔

دوم: محمد کے معنی تو وہی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں اور احمد وہ ہے جو اپنے پروردگار کی حمد زیادہ تر کرتا ہو۔ پس اسم محمد سے تو یہ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ محمود ہیں اور اسم احمد

سے یہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔

یہ معنی قیاس نحوی پر مبنی ہیں کیونکہ بصر میں کے نزدیک فعل المتغلیل اور تعجب فعل فاعل پر مبنی ہوتے ہیں نہ فعل مفعول پر اس خیال سے کہ یہ فعل لازم سے بنتے ہیں نہ متعدی سے اسی لیے فعل و فعل سے فعل کی بنا پر نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ فعل کو مفعول کی طرف متعدی ہمزہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس ہمزہ اس میں تعدیہ کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ما اطرف زیندا و انکرم غمروا کیونکہ اصل میں یہ اطرف و کرم ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ متعجب منہ وراصل فاعل ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کا فعل متعدی نہ ہو۔ یہ کہتے ہیں کہ ما اضرب زیندا العنبرو جو پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا فعل فی الاصل متعدی ہے۔ سو یہ تو ضرب سے وزن فعل لازم پر نقل کر کے پھر ہمزہ تعدیہ کے ساتھ اس کو متعدی بنایا گیا ہے اور اس کی دلیل لام کا لانا ہے۔ چنانچہ ما اضرب زیندا العنبرو بولتے ہیں اگر یہ تعدیہ پر باقی ہوتا تو لام کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ایک کی طرف بغیر متعدی تھا اور دوسرے کی طرف ہمزہ تعدیہ سے لیکن جب اسے مفعول کی طرف ہمزہ تعدیہ سے اور دوسرے کی جانب لام سے متعدی بنایا گیا ہے تو اس سے فعل کا لازم ہونا سمجھا گیا۔ فرض یہ وجہ ہے جس نے بصریوں کو ضروری ٹھہرایا ہے کہ فعل فاعل سے ہی اس کو بنایا جائے اور جو فعل مفعول پر واقع ہو اس سے نہیں۔

دوسرا گروہ اس بارے میں اختلاف رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فعل تعجب و تفضیل کی بناء جائز ہے کہ فعل فاعل سے ہو اور جائز ہے کہ واقع ہر مفعول سے۔ عرب بولتے ہیں: ما اشغلنا بالشیء وکھو یہ شغل وہ سے بنایا گیا ہے اور تعجب مشغول بالشیء پر ہے نہ شغل پر۔ اسی طرح ما اولعنا مکذا بولتے ہیں۔ یہ بھی مفعول پر مبنی ہے۔ عرب نے التزام کر لیا ہے کہ اس فعل کی بناء پر مفعول پر نہ ہو نہ فاعل پر۔ اسی طرح ما اعجبنا مکذا بولتے ہیں یہ اعجب بالشیء سے ہے ما احبنا الی بولا کرتے ہیں۔ یہ فعل مفعول سے تعجب ہے۔ علی ہذا ما انفضت الی و انفضت الی

اس جگہ ایک مشہور مسئلہ قتل ذکر ہے جو یہودیہ نے بیان کیا ہے، یعنی ما انغصی لہ ما احسنی لہ ما افسی لہ تو اس وقت بولتے ہیں جب تم مبغض و محب و مایق ہو، یعنی تعجب فعل فاعل سے ہے اور ما انغصی الہ ما احسنی الہ ما افسی الہ تب بولتے ہیں جب تم مبغض، محبوب، معقوت ہو، یہاں تعجب فعل واقع پر مفعول سے ہے۔ پس جو لام کے ساتھ استعمال ہوا وہ فاعل کے لیے ہے اور جو الی سے ہوا وہ مفعول کے لیے۔ علی ہذا ما احسنہ الی ما افسیہ الی بولا کرتے ہیں جب وہ محبوب و مبغض ہو۔ اکثر تھما اس طے کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

اسی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام فی المعنی فاعل کے لیے ہے، جب پوچھو گے لعلیٰ هذا الفقد تو جواب میں کہیں گے لوزید دیکھو لام کے ساتھ جواب ملا اور الی فی المعنی مفعول کے لیے ہے، جب تم پوچھو گے الی من یصل هذا تو اب میں کہیں گے الی زید نکلتا اس میں یہ ہے کہ لام دراصل ملک یا اختصاص یا استحقاق کے لیے ہے اور ملک و استحقاق کا مستحق وہی فاعل ہوتا ہے جو مالک و مستحق ہے۔ اور الی انتزاعی عایت کے لیے ہے (اور عایت اقتضائے فعل پر غصی ہوا کرتی ہے) اس لیے الی کا مفعول کے لیے ہونا زیادہ موزوں تھا کیونکہ مفعول پر مقتضائے فعل تمام ہو جاتا ہے۔

فعل مفعول سے تعجب کی مثال کعب بن زہیر کا قول لغت نبوی میں ہے فلہو الخوف عنیدی اذا كلمه اس جگہ اخوف خیف سے بتایا گیا ہے نہ خاف سے۔ یہ نظیر احمد کی ہے جو خمذ بر وزن منیل سے ہے نہ کہ حمد بر وزن علم سے بولا کرتے ہیں۔ "ما احسنہ من حن فہو محنون"

بصر میں کہتے ہیں کہ یہ سب شاذ ہیں جس پر قاعدہ کو معمول نہیں کر سکتے۔ محالین کہتے ہیں کہ یہ تو کلام عرب میں بکثرت موجود ہے اور اسے شذوذ میں سمجھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ شاذ کی تعریف یہ ہے کہ وہ استعمال اور مطرد کلام کے خلاف ہو، سو ایسی حالت نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ لردم فعل اور اس کو بناو فعل مضموم کی طرف نقل کرنے میں جو تقدیر ظاہر کی گئی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں اور ہمزہ کے ساتھ متعدی

بنانے کو جو تم نے اپنا تمسک بنایا ہے سو اس کی حالت بھی ایسی نہیں، ہمزہ یہاں متعدی بنانے کے لیے نہیں بلکہ معنی تعجب و تفضیل پر ولادت کرنے کے لیے ہے، جیسے فاعل کا الف اور مفعول کا میم و واو اور افعال کی تا وغیرہ وغیرہ، تمام حروف جو فعل ثلاثی سے ملحق ہوتے ہیں تاکہ بجز مدول پر جو انصف ہو گیا ہے اسے بیان کرتے رہیں نہیں کی سبب ہے جس سے ہمزہ یہاں لایا گیا نہ کہ صرف فعل۔۔۔ کا متعدی بنانا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جو فعل ہمزہ سے متعدی کیا جاتا ہے اس کا متعدی کرنا حرف جر یا تضعیف سے بھی جائز ہے، کہا کرتے ہیں:

والجنت زیدا وجلسه وجلست وافتمه وقومنه وافتمت به
وانتمه وقومته وانتمه وانتمه

وغیرہ وغیرہ مستظاہر ہیں۔ لیکن جن نھار میں ہمزہ کا استعمال ہوا ہے، وہاں اور کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے یہ دعویٰ باطل تھا کہ ہمزہ متعدی بنانے کے لیے ہے۔

(۲) حرف تعدیہ اور ہمزہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، مثلاً اخصرہ اور ما اخصرہ یہ بولا کرتے ہیں اور اس کے معنی ما اخصرہ اور ما اخصرہ ہوتے ہیں اور ظاہر ہے فعل میں تعدیہ کرنے والی دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(۳) عرب بولا کرتے ہیں ما اعطی زلزالا لذرہم اور ما اکتسافا للقیاب یہ اعطی اور کسی صیغہ متعدی سے ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اعطی اس جگہ عطف سے (جس کے معنی ہاتھ سے لینا ہیں) بنایا گیا ہے، اور اس پر ہمزہ متعدی بنانے کے لیے داخل کر دی گئی ہے۔ گو بعض نے یہی تاویل کی ہے، مگر معنی میں اس سے جو فساد آتا ہے وہ غیر صحیح ہونے کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ تعجب تو اعطاء (دہش) پر ہے نہ عطا، اگر فت عطیہ پر اور ہمزہ اس میں تعجب و تفضیل کے لیے ہے اور جو ہمزہ فعل کی تھی وہ حذف کر دی گئی اس لیے اس ہمزہ کو تعدیہ کے لیے نہیں کہہ سکتے، رہا مصرعین کا یہ قول کہ لام کے ساتھ اسے متعدی بنایا گیا ہے جیسے ما اضربہ للزبد سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر فعل لازم نہ ہوتا تو لام کے ساتھ متعدی نہ بنایا جاتا، سو اس جگہ لزوم فعل کی

بھی وہ حالت نہیں بلکہ وہ تو اس جگہ تقویت فعل کے لیے ہے۔ کیونکہ جب وہ تصرف سے روک دینے اور ایک ہی طریق کے لازم پکڑنے سے کمزور ہو گیا اور منہ افعال سے نکل گیا اور اپنے مقتضی سے کمزور ہو گیا تو لام کے ساتھ اس کو قوت دی گئی ہے اور جس طرح یہ لام سے تقویت دی گئی اسی طرح جب معمول فعل اس پر مقدم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: **لَا اِنْ كُنْتُمْ لِلزُّبُرِ تَغْنُبُونَ**۔ علیٰ ہذا اسم فاعل کی حالت میں بھی قوت دی جاتا کرتی ہے۔ مثلاً: **اِنْ مَحَبَّ لَكَ وَ مَكْرَهٍ لَوَيْدٍ يُولَاكَ** کرتے ہیں اور یہی مذہب رائج ہے جیسا کہ تم خود دیکھ سکتے ہو۔

اب ہم مقصود کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نام محمد اور احمد ہے کیونکہ جس قدر غیر کی حمد کی گئی رسول اللہ ﷺ اس سے کثیر تر اور افضل تر کے مستحق ہیں نہیں یہ دونوں اسم مفعول پر واقع ہیں۔ یہی نحوین کا مذہب مختار ہے اور یہی عرب میں وسیع اور معنی میں مکمل ہے۔ اگر اس سے معنی فاعل کا ارادہ ہوتا تب حملو نام ہونا چاہیے تھا جس کے معنی کثیر الحمد ہیں مگر نام مبارک تو محمد ﷺ ہے جس کے معنی محمود کثیر ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ نبی ﷺ سب مخلوق سے بڑھ کر پروردگار کی حمد کرنے والے تھے مگر اس اعتبار سے اسم مبارک کا حماد ہونا ضروری تھا لیکن یہ تو نبی ﷺ کی امت کا نام ہے جسے حمادوں کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اسماء کا اشتقاق نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ و خصائل محمودہ سے کیا گیا ہے اور ان اخلاق و شمائل سبب و خصائل کی وجہ سے ہی نبی ﷺ مستحق ہیں کہ اسم مبارک محمد و احمد رکھا جائے۔ نبی ﷺ ہی وہ ہیں جن کی حمد اہل دنیا و آخرت اور اہل زمین و آسمان کرتے ہیں اور جب اس قدر خصائل محمودہ آپ میں پائے گئے ہیں جن کے شمار سے محاسبین کے اعداد بھی عاجز ہیں تو ان دونوں اسماء کے ساتھ جو قدر و صفت تفصیل و اضافے کے مقتضی ہیں رسول اللہ ﷺ موسوم کئے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک محمد پہلے رکھا گیا یا احمد ﷺ:

ایک گروہ کا قول ہے 'انہی میں ابو القاسم سبکی وغیرہ ہیں کہ نبی ﷺ کا نام

مبارک احمد پہلے رکھا گیا اور محمد بعد میں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لیے بشارت میں احمد فرمایا ہے اور اسی لیے ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میں اس شان کی ایک امت دیکھ رہا ہوں تو اسے میری امت بنا دے۔ فرمایا اے موسیٰ! یہ تو امت احمد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ أُمَّةِ أَحْمَد»

”اے میرے رب! مجھے احمد علیہ السلام کی امت میں ہی بنا دے۔“

یہ گروہ کہتا ہے کہ اسم مبارک محمد علیہ السلام خاص قرآن مجید میں ہے: «وَأَمْشُوا بِمَا نَزَّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ» اور «فَحَسْبُ زُنُورٍ لِلَّهِ» آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احمد تو تفضیل فعل فاعل ہے جس کے معنی اپنے پروردگار کے حلالین میں سے احمد ہیں اور محمد بمعنی محمود ہے یعنی جس کی حمد خلایق کرے۔ پس یہ بات وجود اور ظہور نبوی کے بعد ہی ہو سکتی ہے اہل سما وارض کا حمد کرنا بھی وجود و ظہور ہی کے بعد ہے اور اہل موقف کا قیامت کو حمد کرنا بھی ظہور اور خیرات ظہور پر مترتب ہے۔ غرض یہ وجہ ہے کہ اسم مبارک محمد علیہ السلام اسم مبارک احمد علیہ السلام سے متاخر کیا گیا۔ یہ وجہ ایسی ہے جس کا اقرار ہر ایک عالم اہل کتاب بھی جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان ارزانی عطا فرمایا ہے کرے گا۔

اب ہم اس فص کا ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تورات میں ہے اور اس کی تفسیر میں جو اختلاف ہے وہ چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

تورات میں اسم مبارک کا ہونا: ۱۱۱ جیسا کہ انجیل میں اسم مبارک احمد علیہ السلام ہے ایسا ہی انجیل سے پہلے اسم مبارک محمد علیہ السلام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ توراۃ عربی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ:

”اسماعیل کے بارے میں میں نے تمہاری سنی اور میں نے اس کو برکت دامن بہاد ماہ سے دی۔ (پھر حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذکر کے بعد ہے) اس کے بارہ سردار ہوں گے۔ عظیم وہ ہو گا جس کا نام ماہاد ہے۔“

علماء مومنین اہل کتب کے نزدیک یہ صریح اسم مبارک محمد نبی ﷺ کا ہے۔
تورات کی ایک شرح میں اس متن کے نیچے شارح کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ
ان دونوں مقامات پر ہمارے سید و مولیٰ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد درج ہے۔ کیونکہ
جب تم ان دونوں کلمات پر غور کرو گے تو ان میں اسم محمد کے حروف پاؤ گے۔ محمد کے
دونوںمیم اور وال تو بملا ملا ہمارے دونوںمیم اور ایک وال کے مقابلہ میں ہیں۔
اسم محمد سے ح رہ گئی وہ ان دونوں اسموں کے بقیہ حروف میں پوری ہو جاتی ہے وہ
بقیہ حروف ب اور دونوں الف اور دوسری وال ہیں۔ کیونکہ ح کے عدد آٹھ ہیں اور
ب 'ا' د کے مجموعی اعداد بھی آٹھ ہیں 'تو تورات کے دونوں اسماء میں اسم مبارک
محمد کا ۳۱۳ یعنی تین چوتھائی حصہ تو بعینہ موجود ہے۔ رہا ۱۱ یعنی ایک چوتھائی حصہ تو
اس پر تورات کے کلمات کے بقیہ حروف صورت کتابت پر دلالت کر رہے ہیں۔
اگر کوئی پوچھے کہ اس تاویل میں تمہارا مستند کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علماء یہود کا
تورات کے حروف مشہد کی تاویل میں جو مستند ہے وہی ہمارا بھی ہے 'مثلاً تورات میں
ہے کہ:

"اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ ہر ایک شخص اپنے کپڑے کے
گوشہ پر ایک نیلا ڈورا لگائے جس کے آٹھ سرے ہوں اور ان میں پانچ
گرہیں ہوں اور اس کا نام صیصیت رکھا جائے۔"

علماء یہود کہتے ہیں کہ اس کی تاویل و حکمت یہ ہے کہ اس کے دیکھنے اور نام لینے
سے اللہ تعالیٰ کے فرائض یاد آجائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو (۶۱۳)
ادکام دیئے تھے۔ اب دیکھو کہ صیصیت کے اعداد (۶۰۰) ہیں (ص ۹۰، ی ۱۰، م ۹۰)
ی ۱۰، ت ۳۰۰ اور نیلے ڈورہ کے ۸ سرے اور ۵ گرہیں ۱۳ ہوتے ہیں۔ گویا یہ کپڑا
اپنی صورت اور نام سے بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کو یاد رکھ۔ یہی شارح
کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے ہو کہا ہے کہ:

"ان دو حرفوں سے مراد حداً جدّاً ہے کیونکہ تورات میں لفظ ماد مفرد طور پر
بھی بمعنی حداً آیا ہے۔"

یہ صحیح نہیں، جس کو ہماو ماد کی باء متصل غلط بتا رہی ہے انا احکمک بعدا میں حرف ب کلام مستقیم میں سے نہیں، مگر ہماو ماد تو ایسا لفظ ہے کہ جب الواح جو اہری تورات ازیلہ کو جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر اتری تھیں، خط یونی میں نقل کیا گیا تو یہ لفظ صرف ب سے موصول تھا، جس سے ثابت ہوا کہ نہ تو یہ ماد ہے اور نہ اس کے معنی جدا ہیں۔ اس کی دلیل دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اس سے بارہ سردار نکلیں گے اور ان میں سے ایک کی اولاد میں سے ہماو ماد ہو گا۔“

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ دونوں حرف ایک معین سردار کا اسم علم ہے، جو نبی اسمعیل ہو گا۔ اب جو شخص حرف ب کو بمعنی مصدر تاکید کے لیے لکھتا ہے، اس کا قول باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اسم شخص ہونے کی تصریح اس شخص کے دعویٰ کو توڑتی ہے جو اسے کسی معنی کا نام بتاتا ہے۔

اس شخص کے سوا اوروں نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے تورات میں ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اس بے جا تکلف کی ضرورت بھی کیا ہے، تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک تو اور بھی زیادہ صراحت سے ہے۔ کیونکہ تورات زبان عبریہ (عبرانی) میں ہے جو لغت عربیہ سے قریب اور دیگر لغات کی نسبت عربیت سے قریب تر ہے اور تم دیکھو گے کہ ان دونوں زبانوں میں اکثر اختلاف تو صرف ادائے حروف اور تکلم کا ہے۔ تغنیم یا ترقیت سے، ضم یا فتح سے۔ چنانچہ ہر دو لغات کے مفردات پر نظر غور ڈالنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

عربی	عبری	عربی	عبری
لا	لو	عربی میں لام پر ضم ہے اور آواز	
		الف و واو کے درمیان درمیان	
قدس	قدسی	عالم	عولام
الت	اتا	کس	کس
		یا کل	یو کل

عربی	عبری	عربی	عبری
بانی	بنی	عبری میں یاہ اول پر ضرر اور	تس
فدسک	فدسحا	الف و واؤ کے درمیانی آواز	اولوہ
منہ	منو		اولوہو
بہوذا	مبہوذا		اولبنا
سفتک	شمعحا		یا صاء الوہیم
مس	می		اسو
یمینہ	مہو		حالبوب
لہ	لو	واو الف کی درمیانی آواز	لوتوکلوا
أمة	امو		کتب المنی
ارض	أبرص		لوتوکل للہما
واحد	ایحاد		حالبوب امو
			لی حلب امد

ہر دو لغات کی تقارب (قریب قریب ہونے) کے بارے میں بحث طویل ہے اور اسی کے اندر وہ راز بھی مخفی ہے جو دونوں شریعتوں کے تقارب میں ہے اور جس وجہ سے قرآن مجید کے چند مقامات پر قرآن اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ:

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ آيَاتٌ أَنْ يَقُولَ فَاذْكُرُوا يَوْمَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (النمل ۲۸/۱۹۴۸)

”کیا اس سے پہلے جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا اس کا کفر نہیں کر چکے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں جاؤ اگر ہیں ایک وہ سرے کی مدد پر انہوں نے کہا ہم دونوں کو نہیں مانتے کہہ دیجئے کہ کوئی کتاب الہی ایسی لے آؤ جو ان دونوں (تورات و قرآن) سے زیادہ ہدایت نما ہو“ میں اس پر چلوں گا۔“

اور سورۃ انعام میں وحی کے رد میں فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ﴾

(الانعام ۶/۹۱)

"دریافت کرو جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لیے نور و ہدایت تھی وہ کس نے اتاری تھی۔"

اس کے بعد فرمایا:

﴿وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (الانعام ۶/۹۲)

"یہ کتاب جسے ہم نے اتارا 'مبارک' ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا ٹھہراتی ہے۔"

اسی سورت کے آخر میں فرمایا:

﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْصَى وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۹۳﴾ وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۹۴﴾﴾

(الانعام ۶/۹۳-۹۴)

"پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو خوبیوں میں کامل اور ہر ایک تفصیل پر مشتمل اور ہدایت اور رحمت تھی، تاکہ وہ لقاء ربانی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کو ہم نے اتارا ہے، برکتوں والی ہے، اس پر چلو اور تقویٰ رکھو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

آل عمران کے شروع میں ہے:

﴿وَزَكَرَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۱﴾ مِنْ قَبْلِ هَذَا هَدَى لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران ۳/۴۳)

"آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری جو اپنے سے پہلی ہی تصدیق کرتی ہے اور قبل ازیں لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل اتاری۔"

پھر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ مَآتِنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضَيْلَةَ ﴿١٤٨﴾ وَذَكَرَ
لِلْمُنَافِقِينَ ﴿١٤٩﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنْ السَّاعَةِ
مُشْفِقُونَ ﴿١٥٠﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥١﴾ ﴾

(الانبیاء، ۱۴۸-۱۵۱)

”پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان و ضیاء اور متقیین کے لیے ذکر دیا جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے اور قیامت سے خوف رکھتے ہیں۔ یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے انکار ہے کیا تم اس کا انکار کر دو گے۔“

بے شک یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اسے بار بار دہرایا ہے اور اس پر ایسے میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے چنانچہ جب لوگوں نے نبی ﷺ کو تکلیف و ایذا دی تو فرمایا:

”وَلَقَدْ أَوْذَىٰ مُوسَىٰ بِكَثْرٍ مِنْ هَذَا فَصَبْرٌ“

”تحقیق موسیٰ اس سے زیادہ ستائے گئے اور انہوں نے صبر کیا۔“

بے شک یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کہ میری امت میں وہی کچھ ہو گا جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا“ حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا ہے جو علامہ مل پرچہ بیضا ہو تو اس امت میں بھی ایسا شخص پایا جائے گا۔

اب تم اس کتاب میں جو دونوں کتابوں اور دونوں شریعتوں (امراء و شریعت صحیحہ ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوا) اور دونوں امتوں اور دونوں زبانوں میں ہے تامل کرو اور اس تامل کے ساتھ محمد ﷺ اور مادام کے حروف پر نظر ڈالو۔ مادام کو مادہ بھی لکھا گیا ہے۔ میم تو محمد اور مادام میں برابر ہیں الف و ح کا خروج ایک ہے (محمد و مادام ایک ہو گئے) اگر مادہ بھی نہیں تب بھی وال کی جگہ ذال بست سے مقامات میں بولی جاتی ہے۔ مثلاً انکار واحد کو اور تو ذس قدس کو ’وب‘ یہ ہے کہ ’ذ‘ دونوں متقارب اقرب اقرب ہیں اور دونوں زبانوں پر غور کرنے سے کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ یہ دونوں اسم ایک ہی ہیں۔ ہمارے دعا کے لیے اور بھی نظر ہیں مثلاً موسیٰ جبرانی میں موسیٰ ہے اور موسیٰ مرکب ہے ’موسیٰ‘ اور شی درخت کو کہتے ہیں۔ جو تکہ نبی ﷺ کو

پانی اور درخت کے پاس سے نکلا گیا تھا اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ غرض محمد اور ملائکہ میں وہی فرق ہے جو موسیٰ اور موسیٰ میں ہے۔ علی بن ابی طالب کو مہرانی میں یسماعیل اور حبیب (برادر یعقوب علیہ السلام) کو حبیبیہ کہتے ہیں غرض مختلف علوم میں ایسی نظائر بہت ہیں اور اشتقاقیات میں بھی۔ چنانچہ یسعون کو یسماعون، اقیم کو اقیم، اہم کو لاہیم، من قارب کو می قارب، انوتم کو آئیم بولتے ہیں اور یہ ایسے قواعد ہیں جن کا اعتراف علماء اہل کتاب میں سے ہر ایک موافق عالم کرے گا۔

اس تمام بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد، تورات میں بھی محمد ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں محمد ہے (سجۃ) اب وہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام نے نبی ﷺ کا ذکر خیر اسم مبارک احمد کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے جو تورات میں ہے بعد میں واقع ہوا ہے گو قرآن مجید میں اسم مبارک محمد سے حقدم ہے اور دونوں التوراة و قرآن کے درمیان مذکور ہے۔

تورات میں اسم محمد کیوں ہے اور انجیل میں احمد کیوں؟ اور قرآن مجید میں دونوں کیوں جمع ہوئے

ان دونوں اسماء محمد اور احمد میں جو وصفت ظاہر کرتے ہیں، علمیت کے لحاظ سے فی الحقیقت اس میں کچھ تضاد نہیں بلکہ دونوں کے معانی مقصود ہیں۔ وہی یہ بات کہ تورات میں محمد کیوں ہے اور مسیح علیہ السلام نے احمد کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس امت کے نزدیک جو وصف زیادہ تر معروف تھا اسی کے ساتھ نبی ﷺ کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ محمد حمد سے مفضل کے وزن پر ہے اور یہ اس کثیر الاوصاف شخص کو کہتے ہیں جس کے خصال حمیدہ اور صفات ستودہ پر مسائل اور مکرر حمد کے بعد حمد کی جائے۔ اس اسم کے معنی کی معرفت تب ہو سکتی ہے جب خصال خیر

اور انواع علوم و معارف اور اخلاق و اوصاف و افعال سے جن پر حمد کا تکرار ضروری ہے معرفت حاصل ہو اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل علم اول کے صاحب تھے اور ان کو وہ کتب ہی تھی جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

﴿وَكُنْتُمْ لَهُ فِي آلِ إِبْرَاهِيمَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَثِقَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۱۵)

"اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دی۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت حضرت مسیح علیہ السلام کی امت سے علم و معرفت میں زیادہ تر وسیع تھی اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی شریعت تورات اور احکام کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ تم حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کرامت کو دیکھو کہ وہ احکام میں دار و مدار تورات پر ہی رکھتے ہیں اور انجیل تورات اور اس کے محاسن کی تکمیل کرتی ہے۔ اور قرآن مجید دونوں کتابوں کے محاسن کا جامع ہے۔ فرض اس امت (یسودا کو تو نبی ﷺ کی شناخت اسم محمد کے ساتھ کرائی گئی جو خصال خیر کا جامع ہے جن کی وجہ سے آپ بار بار حمد کے مستحق ہیں اور امت مسیح کو نبی ﷺ کی شناخت اسم احمد کے ساتھ کرائی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام وہ معاملہ جن کا مستحق کوئی شخص ہو سکتا ہے نبی ﷺ افضل طور پر اس کے مستحق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی امت کو ریاضات و اخلاق و عبادات میں جو درجہ حاصل ہے وہ امت موسوی کو نہیں۔ ان کی کتاب کو دیکھو اس کا بڑا حصہ مواعظ و زہد و اخلاق ہے اور نہ کوئی علم و حقوق کی تعلیم۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ شریعتیں تمہیں ہیں۔

- ① شریعت عدل جو تورات ہے۔ اس میں حکم اور قصاص ہے۔
- ② شریعت فضل جو انجیل ہے۔ اس میں غفو اور مکارم اخلاق اور درگزر و احسان کی تعلیم ہے۔ مثلاً اس میں درج ہے کہ جو شخص تیری چادر چھینے تو اسے پیر بن بھی دے دے جو تیرے دائیں رخسار پر طمانچہ لگائے اس کی

جانب بیاں رخسار بھی کر دے، جو تجھے ایک میل بیگار لے چلے تو اس کے ساتھ دو میل چل وغیرہ وغیرہ۔

③ شریعت بدل و فضل کی جامع ہے جو قرآن مجید ہے، قرآن مجید کو دیکھو کہ وہ بدل کا بیان ہے اور اسے فرض قرار دیتا ہے۔ پھر فضل کا بیان کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے فرمایا:

﴿وَجَزَّوْا سَيِّئَاتِكُمْ سِنَنَةً يَسْتَأْذِنُ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ وَأَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ وَاتْلُوا الْقُرْآنَ يُعَلِّمَكُمُ الْفَصْلَ﴾ (النور ۱۱/۱۲)

"ہدی کا بدلہ بد ہے اتنا ہی پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کو اللہ پاک سے اجر ملے گا" اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی شریعت شریعت فضل نیز شریعت موسوی کی تکمیل ہے اسی طرح اس امت کے سامنے نبی ﷺ کا وہ اسم مبارک لیا گیا جو افضل و تفضیل ہے اور فضل و کمال پر وال۔ اب رہی وہ کتب جو کتب سابقہ کے محاسن کی جامع ہے۔ اس میں دونوں اسماء مبارک ہیں۔ اس فصل پر خوب تدبیر کرو اور اسماء کے ساتھ معانی کو جو ارتباط و مناسبت ہے اسے اچھی طرح ذہن میں کر لو (الحمد للہ)

رہا قول ابو القاسم کا کہ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد ظہور وجود کے بعد ہے کیونکہ خلائق کا حمد کے بعد حمد کرنا اسی وقت مترتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اسم مبارک احمد میں بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ رہا ان کا یہ قول کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے مقدم ہے اس دلیل کے ساتھ کہ احمد کے معنی ہیں پروردگار کی حمد کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا اور یہ مقدم ہے اس امر پر کہ خلائق اس شخص کی حمد کرے۔ سو واضح ہو کہ ہم اس قول کو اس بناء پر تو صحیح مان سکتے ہیں جب کہ لفظ احمد فعل فاعل سے تفضیل سمجھا جائے لیکن دوسرے قول صحیح کی صورت میں کہ فعل مفعول سے تفضیل سمجھا جائے تب یہ قول ٹھیک نہیں جس کی مفصل تقریر پہلے لکھی جا چکی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

چوتھی فصل

لفظ آل کے معنی اور اشتقاق و احکام کا بیان

آل کے معنی: واضح ہو کہ لفظ آل کی تحقیق میں دو قول ہیں:

قول اول آل دراصل اہل ہے (اھ) ہمزہ سے بدل کر آل ہو گیا۔ پھر اور الفاظ پر قیاس کر کے سموت کے لیے آل بنا لیا اور جب اس کی تصغیر بنانے لگے۔ تب اپنی اصلیت پر آگیا۔ کیونکہ آل کی تصغیر اہل ہے۔

علماء کہتے ہیں چونکہ یہ ایک فرع کی فرع تھ۔۔۔ اس لیے جن اسماء کی طرف اس کی اضافت ہو سکتی ہے اسے بھی مخصوص کر دیا گیا ہے مثلاً یہ کہ اسے اسماء زمان و مکان کی جانب مضاف نہیں کرتے اور نہ اعلام کے سوا اور کسی جانب مثلاً آل رجل اور آل امراۃ نہیں بولتے بلکہ بحر عظیم القدر شخص کے اور کسی جانب اس کو مضاف نہیں کرتے۔ واضح ہو کہ یہ قول چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے کہ:

① اس پر کوئی دلیل نہیں کہ آل دراصل اہل ہے۔

② اس سے کسی سبب کے بغیر اور باوجود مخالفت اصل کے قلب شاذ کا جائز ہونا لازم آتا ہے۔

③ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ اہل عاقل و غیرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ آل نہیں ہوتا۔

④ لفظ اہل علم اور نکرہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے برخلاف آل کے جو ایسے معظم شخص کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے جس کی شان یہ ہو کہ اس کی جانب دوسرے کو ربوع کرنا پڑے۔

⑤ اہل ظاہر و مضمردوں کی جانب مضاف ہوتا ہے اور آل کو مضمرد کی جانب

مضاف کرنے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ جو اسے جائز کہتے ہیں وہ شاذ و قلیل ہیں۔

(۱۱) جب کوئی شخص آل کی جانب مضاف ہوتا ہے تو وہ خود بھی اس میں داخل ہوتا ہے چنانچہ اِذْ عَلِمُوا اَنْ لَّوْغَوْنَ اَسْذَ الْعَذَابِ اور اَلْاِنْ لَوْطُ نَجَّيْنَا هُمْ بِسَخْرِ وَفِيرِهِ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اَبْنِ اَوْفٰی قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہے جب صاحب اضافت کا جداگانہ ذکر نہ ہو لیکن جب اس کا جدا ذکر ہو اور آل کا جدا تب بعض تو کہتے ہیں کہ اس کا ذکر گویا دو دفعہ ہو گیا ایک تو لفظ آل کے اندر اور دوسرے مفرد طور پر اور بعض کہتے ہیں کہ جب جداگانہ اس کا ذکر موجود ہے تو پھر اس کو بھی آل میں داخل کرنا کیا ضروری ہے۔ اب دیکھو اہل اس کے برخلاف ہے کیونکہ جب تم کو گے جانا اہل زینب تب خود زینب اس کے اندر شامل نہ ہو گا۔

دوسرا قول | یہ ہے کہ آل کی اصل ازل ہے چنانچہ صاحب صحاح نے اس کا ذکر اول کے باب میں کیا ہے اور آل الرہل کے معنی اس کے اہل و عیال و اتباع رکھے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ لفظ آل یزول سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور آل الرہل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور مضاف ہوتے ہیں اور سیاست وغیرہ میں ان کا مال کار وہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایالت کے معنی سیاست بھی اسی لیے آئے ہیں اور چونکہ انسان کے لیے خود اپنے نفس پر سیاست زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے لفظ آل میں وہ بھی داخل ہوتا ہے۔ غرض یہ مادہ اصل اور حقیقت شے کے لیے موضوع ہے اور اسی لیے حقیقت شے کا نام ماکول ہے کیونکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں فرمایا ہے:

﴿ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا نَأْوِيَهُمْ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيَهُمْ يَقُولُ الْغَايِبُ هَهُنَا مِنْ

قَبْلُ فَمَا جَاءَتْهُمْ رُسُلٌ مِّنَّا بِالْحَقِّ ﴾ (اعراف: ۷/۱۵۲)

”وہ حقیقت حال کے ہی منتظر ہیں مگر جب حقیقت کھلے گی تو جو اس سے

پیشتر اسے بھولے رہے تھے، وہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے۔"

دیکھو یہاں جو کچھ رسولوں نے بتایا تھا، اس کی حقیقت کے کھلنے اور کھلم کھلا دیکھنے کا نام تاویل فرمایا، انہی معنی میں ہے تاویل رویا جس کے معنی وہ حقیقت خارج ہے جو عالم مثال میں خواب دیکھنے والے کے لیے بتائی گئی ہے۔

﴿ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (سجۃ: ۱۰۹)

"یہی ہے بہتر اور اچھا انجام۔"

میں لفظ تاویل بمعنی عاقبت ہے، وجہ یہ ہے کہ عواقب امور وہ مقائق ہیں جس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تاویل کے معنی تفسیر بھی اسی لیے ہیں کہ تفسیر کلام سے اس معنی و حقیقت کا جو مراد قائل ہو بیان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے لفظ اول بنا ہے۔ کیونکہ امداد کی اصل اور بنیاد جس پر فرع نکلتی ہے، پہلا عدد ہوتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے آل کے معنی نفس مخلص ہیں۔

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ اہل عرب لفظ آل کو اضافت کے ساتھ بلا التزام استعمال کرتے ہیں۔ بجز شاذ و نادر اور یہ بھی التزام ہے کہ اسے ظاہر کی طرف مضاف کرتے ہیں اور مضمحل کی طرف (بجز قلیل) نہیں، گو ابن مالک وغیرہ بعض نحوویوں نے مضمحل کی طرف اضافت کا ہونا جائز بتلایا ہے۔

بعض نحوویوں کا یہ بھی خیال ہے جیسا کہ اکثر اقوال سے واضح ہے کہ یہ لفظ ذوی العقول کی طرف ہی مضاف کیا جاتا ہے۔ مگر ایک شاعر کے کلام میں آل اعمو بھی واقع ہوا ہے۔ اعمو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اداکام میں سے یہ ہے کہ اس کی اضافت ہمیشہ جلیل القدر صاحب شان شخص کی جانب ہوتی ہے، یعنی آل حائک آل الحخام یا آل زحل کوئی نہیں بولتا۔ خائبک بمعنی جولاہا۔ خدام کچھنایا سنی لگانے والا۔

آل کے معنی: اب ہم اس کے معنی لکھتے ہیں 'آل الرجل کے معنی ہیں خود اس کی ذات اور جو اس کا اتباع کرے اور اس کے اہل و اقارب ہوں۔ پہلے معنی کے اعتبار

سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ابوالوفی کے حق میں جب وہ صدقہ لے کر آئے تھے۔
اللہم صل علیٰ آل ابی اوفی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سلام علیٰ آل یاسین ۱ اور
رسول خدا ﷺ کا ارشاد کما صلیت علیٰ آل ابراہیم ہے۔ آل ابراہیم سے مراد تو
حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر جو درود مطلوب ہے وہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا سا ہے، رہی ان کی آل وہ ان کی جمعیت میں ہے۔

ایک گروہ ان کے برخلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ آل کے معنی صرف اتباع و
اقارب ہیں جو اور وائل تم نے بیان کئے ہیں ان میں سے بھی اتباع اور اقارب ہی
مراد ہیں۔ چنانچہ کما صلیت علیٰ آل ابراہیم سے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر
اس قدر درود بھیجا جائے جس قدر حضرت خلیل کے گھرانے کے کل انبیاء پر بھیجا جاتا
ہے، نہ یہ کہ حضرت ابراہیم اکیلوں کے برابر۔ چنانچہ اس کی تصریح کما صلیت علیٰ
ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم سے جو دو سہری روایت میں ہے بخوبی ہوتی ہے۔

الیاسین کی تحقیق: رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد سلام علیٰ الیاسین اس میں دو قراءتیں
ہیں، ایک الیاسین اسماعیل کے وزن پر اور اس کی دو صورتیں ہیں
① الیاس اور الیاسین دونوں نام ہیں، جیسے میکال و میکائیل۔

② الیاسین جمع ہے الیاس کی۔ دراصل الیاسین مہرانی میں دیا کے ساتھ تھا تخفیف کر
کے الیاسین بنایا گیا اور اس سے مراد اتباع ہے۔ یہودیہ کا یہی قول ہے کہ اس کی
مثل انجموں میں ہے۔ یا یوں کہو کہ الیاس کی جمع محذوف الیاء ہے۔

قرأت دوم: سلام علیٰ آل یاسین ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:

- ① یاسین ان کے باپ کا نام ہے، اس کی طرف منسوب کئے گئے جیسے آل ابراہیم۔
- ② آل یاسین سے مراد خود الیاس ہیں۔ لفظ آل یہاں یاسین کی طرف اس طرح
مضاف ہے جس کی بابت اوپر اقوال درج ہو چکے ہیں۔

③ اس میں دو قراءتیں ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ آل یاسین، ایک قراءت ہے۔

③ یاو نسبت اس میں حذف ہے، اصل میں آل یاسین تھا، آل سے مراد اتباع و دیندار ہیں۔

④ یاسین قرآن ہے اور آل یاسین اہل قرآن ہیں۔

⑤ یاسین نبی اکرم ﷺ ہیں اور آپ کی آل و اقارب و اتباع ہیں۔

یہ سب اقوال جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہو گا ضعیف ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں کو لفظ آل کی اضافت میں مشکلیں پڑیں، ہو قرآن مجید میں فصل کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور جسے بعض قاریوں نے آل یاسین پڑھا تھا، ان کا تو نام ہی الیاس اور الیاسین ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یسین، یاسین، الیاسین تھا۔ بعض کا قول ہے کہ یسین یا کسی اور کا نام ہے۔ پھر اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں۔ کبھی تو کہتے ہیں کہ یسین نبی اکرم ﷺ کا نام ہے اور بعض نے کہا قرآن مجید ہے۔ مگر یہ سب پیچیدگیوں میں جن کی کچھ ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک تو اصل میں آل الیاسین آل ابراہیم کے قیاس پر تھا۔ تو الف و لام کو اول سے اس لیے حذف کر دیا کہ امثال یعنی الیاسین کے لفظ میں الف و لام کا ہونا موجود تھے اور خود اسم موضع حذف پر دلالت کرتا تھا۔ اس کی نظائر کلام عرب میں بہت ملتی ہیں، مثلاً جب ایک جیسے ہی حروف اکٹھے ہو جاتے ہیں تو سب حروف کو نہیں بولا کرتے۔ فرض جس کے حذف میں کچھ ڈر نہیں سمجھتے اسے حذف کر دیا کرتے ہیں۔ گو اسی لفظ میں ایسے مقام پر جہاں امثال جمع نہ ہوں حذف کو ترک بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً اَیْنِ، اَیْنِ، لَکَیْنِ کا نون حذف کر دیتے ہیں اور لَیْتِی کا نہیں اور لَغَلْ میں چونکہ ن، ل کا مشابہ تھا اس لیے اس کے ساتھ ن کو حذف کر دیا۔ عرب کی یہ عادت عجمی ناموں کے استعمال اور ان میں تغیر کرنے کے وقت تو خصوصاً پائی جاتی ہے، بس وہ کبھی تو الیاس، کبھی الیاسین اور کبھی یاسین کبھی یاس کہا کرتے ہیں۔ دونوں قراءتوں میں سے ایک قراءت میں تو سلام صرف ان پر واقع ہو گا اور دوسری قراءت میں ان پر اور ان کی آل پر۔

ہر دو اقوال کے قائلین میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب مفرد لفظ آل استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ اسی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی نظائر اذْجَلُوا اِنْ فِرْعَوْنَ اَشَدُّ

الْعَذَابِ اور جبل علی آل ابی اؤلی اور کما ضللت علی آل ابیہم کہ آل فرعون اور آل ابی اؤلی میں ابو اؤلی جبر اور آل ابراہیم میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اب لفظ کے مفرد و مقرون مستعمل ہونے کا فرق معلوم ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ ایک ہی لفظ کی دلالت مجرور اور مقرون استعمال سے مختلف ہو جاتی ہے مثلاً فقیر و مسکین جب دونوں ایک جگہ ہوں۔ تب دو قسمیں سمجھی جائیں گی اور جب جدا جدا ہوں تب ایک ہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ میں دونوں قسمیں مراد اور کفارات میں ایک۔ ایمان و اسلام برو تقویٰ و خش و منکر فسوق و عسیان وغیرہ وغیرہ بھی ایسے ہی الفاظ ہیں اور ایسی نظائر خصوصاً قرآن مجید میں بہت ہیں۔

آل محمد ﷺ کی تحقیق: بنی ہاشم کے آل کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں چار اقوال ہیں۔

قول اول آل محمد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

الف: یہ بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں۔ یہ مذہب امام شافعی، دھچک اور ایک روایت میں امام احمد دھچک کا ہے۔

ب: یہ خصوصاً بنی ہاشم ہیں۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ دھچک کا ہے اور ایک روایت میں امام احمد دھچک کا اور اسی کو ابن القاسم صاحب امام مالک دھچک نے اختیار کیا ہے۔

ج: یہ بنی ہاشم ہیں اور ان سے اوپر نسل والے غالب تک پس اس میں بنو مطلب بنی امیہ بنی نوفل وغیرہ غرض بنی غالب تک سب داخل ہیں۔ یہ مذہب اشہب جو کہ امام مالک کے اصحاب میں سے ہیں کا ہے جیسا کہ صاحب جو اہر نے بیان کیا ہے اور نعمی نے تبصرہ میں اس کو اصحیٰ کا مذہب بیان کیا ہے۔ اشہب سے روایت نہیں کیا۔

د: آل کے مذکورہ بالا معنی کہ یہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ یہ امام احمد و شافعی رحمہما اور اکثر علماء سے تحقیق کئے گئے اور ثابت ہیں اور بہرہ اصحاب احمد و شافعی رحمہما کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔

قول دوم نبی اکرم ﷺ کی آل خصوصیت سے حضور کی ذریت و ازواج ہیں۔

اس کو ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تمسید میں بیان کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نعیم بھر وغیرہ کی حدیث میں تو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ السلام آیا ہے اور ابو حمید ساعدی کی حدیث میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ السلام و ذریعہ وارہ ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر لڑتی ہے اور بتاتی ہے کہ آل محمد سے مراد ازواج و ذریت ہیں ان کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج و ذریت میں سے ہر ایک کو رد ہوا تو صلی اللہ علیہ وسلم اور پس پشت ذکر آنے پر صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے لیکن ان کے سوا اور کو نہیں ان کا قول ہے کہ آل و اہل برابر ہیں اور اس حدیث سے ان کا تعین ہو چکا کہ ازواج و ذریت ہیں۔

قول سوم نبی اکرم ﷺ کی آل آپ کے اتباع ہیں قیامت تک۔ اس قول کو ابن

عبد البر رحمہ اللہ نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے اور جابر بن عبد اللہ رحمہ اللہ کا قول بتایا ہے۔ صحیحی دینے نے بھی ان ہی سے روایت کیا ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی۔

اسی کو امام شافعی کے بعض اصحاب نے اختیار اور طبری نے تعلیق میں بیان کیا اور اسی کو امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ترجیح دی اور ابوری نے اس کو پسند کیا ہے۔

قول چہارم نبی اکرم ﷺ کی امت محمدیہ کے متقی لوگ ہیں۔ اس کو قاضی حسین اور راغب نیز ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

اب ہم ان اقوال کے گج و دائل بیان کرتے اور صحیح و ضعیف دھلاتے ہیں۔

قول اول کہ آل وہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے اگر تعین اشخاص میں اختلاف ہے اس کی حجت کی چند وجوہات ہیں

۱۔ حدیث ابو ہریرہ سے صحیح میں امام بخاری نے روایت کیا ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کی کھجوروں کے آنے حسین کا ان کے ساتھ تھینے حضرت حسین برسر کا ایک کھجور کا منہ میں ڈالنے نبی ﷺ کی نظر ان پر جا پڑنے اور منہ میں

تعلیٰ آل کر کھل دیتے کا ذکر ہے۔ جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 «أَمَّا عَلِمْتُ أَنَّ آلَ مُحَمَّدٍ لَا يَأْكُلُونَ الصَّدَقَةَ»
 ”کیا تجھے خبر نہیں کہ آل محمد صدقہ نہیں کھاتی۔“
 مسلم کی روایت میں ہے۔

«إِنَّا لَا نَجِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ»
 ”یعنی ہم کو صدقہ حلال نہیں۔“

صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ خلیجہ کمنے کو خم کے پانی پر جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور ذکر و وعظ فرمایا اور پھر کہا ”لوگو! میں ایک بشر ہوں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد ملک الموت امیرے پاس آ پہنچے میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں، اول اللہ عز و جل کی کتب ہے جس میں نور و ہدایت ہے۔ کتب اللہ کو پکڑ لو اور اسی پر چنگل مارے رہو“ اغرض قرآن مجید کی طرف خوب رغبت و آمادگی دلانی پھر فرمایا ”اور میری اہل بیت“ میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے بارے میں ”حسین بن سبرہ نے اردو حدیث صحابی سے اچھا چھا اے زید! نبی ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا اذواق مقہورات آپ کے اہل بیت نہیں؟ کہا ہاں! اذواق کیوں نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ کہا وہ آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ کہا ہاں۔

صحیحین میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیقِ جنات کی خدمت میں ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے فیہ میں سے میراث لینے کے لیے بھیجا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«لَا تُورِثُ مَا فَرَكَتْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ يَغْنِي مَالُ اللَّهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرِيدُوا عَلَى الْمَأْكُلِ»
 ”ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہمارا سب ترکہ صدقہ ہے۔ آل محمد اس مال

یعنی اللہ کے دیئے ہوئے مال فنی میں سے کھاتے ہیں۔ ان کا خوراک سے زیادہ اس میں حق نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ آل محمد ﷺ کے چند خواص ہیں۔

① صدقہ سے محرومی۔

② ورثہ نہ ملنا۔

③ نفس انفس کا استحقاق۔

④ درود میں اختصار۔

اور ظاہر ہے کہ خصوصیات بالا نبی ﷺ کے چند اقارب میں ہی پائی باقی ہیں۔ پس درود بر آل کا بھی یہی حال ہو گا۔

④ صحیح مسلم میں ربیعہ بن عمارت بن زید کی حدیث ہے جس میں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کی درخواست برائے عامل (تحصیل داری آمدنی زکوٰۃ) کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاحُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَجِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ»

”کہ یہ صدقات تو لوگوں کی میل کچیل ہے اور یہ نہ محمد ﷺ پر حلال ہیں نہ آل محمد پر (ﷺ)“

⑤ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دنبہ کو ذبح کرتے وقت فرمایا:

«اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ»

”یا اللہ! اسے میری اور میری آل اور میری امت کی جانب سے قبول فرما۔“

چونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے اور امت بہ نسبت آل کے عام تر ہے اس لیے ہمارا مدعا نکل آیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آل کی جو تفسیر خود فرما دی ہے۔ وہ اولیٰ تر ہے۔

قول دوم کہ آل محمد ﷺ خصوصیت سے آپکی ذریت و ازواج ہیں، اسکی ایک

دلیل تو وہی ہے جو ابن عبدالبر نے تحریر کی ہے کہ ابو حمید ساعدی رحمہ اللہ کی حدیث میں اللہ صلی علی محمد و علیٰ آلہ و ذرینہ اور دیگر احادیث میں اللہ صلی علی محمد و علیٰ آلہ محمد ہے۔ گویا ایک کی تفسیر دوسرے میں ہے۔

صحیحین کی یہ حدیث ابو ہریرہ رحمہ اللہ ہے۔

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوَّامًا»

”اے اللہ! آل محمد کو بقدر بقدر نورانہ روزی دے۔“

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ دعائے استجاب تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پر صادق نہیں آسکتی کیونکہ ان میں اس وقت بھی انبیاء اور صاحب وسعت تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ازواج و ذریت پر یہ دعا درست آسکتی ہے کیونکہ حد نبوی میں ان کا رزق بقدر قوت تھا اور بعد وفات بھی ازواج کا یہ حال تھا کہ اگر مال آجاتا تو بقدر قوت رکھ کر صدقہ کرتیں۔ پنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عائشہ صدیقہ مجسمہ کے پاس بہت سال آیا اور انہوں نے وہیں بیٹھے ہوئے تقسیم کر دیا۔ لونڈی بولی اگر آپ اس میں سے ایک درہم رکھ لیتیں تو ہم اس کا گوشت ہی خرید کر لیتے۔ فرمایا تو یاد دلا دیتی تو میں رکھ لیتی۔

صحیحین میں عائشہ صدیقہ مجسمہ کی حدیث ہے۔

«مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَبِيرٍ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ»

”بھی تین دن برابر آل محمد نے کدہم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو جا ملے۔“

یہ لوگ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ آل عباس و بنو مطلب عائشہ صدیقہ مجسمہ کے لفظ اور ارادہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ازواج عموماً آل میں داخل ہوتے ہیں اور ازواج نبی اکرم ﷺ تو خصوصیت سے ضرور ہے کیونکہ ان کو نسب میں بھی مشابہت ہے۔ یعنی

جو اتصال ان کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہے وہ لوٹنے والا نہیں ہے شک و دنیا و آخرت میں آپ کی ازواج اور آپ کی حیات و ممات میں سب پر حرام ہیں۔ غرض جو علاقہ ان کو نبی ﷺ کے ساتھ ہے۔ وہ نسب کا قائم مقام ہے۔ دیکھو ازواج پر درود کی نص نبی ﷺ نے خود فرمادی ہے اسی لیے صحیح قول (جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا منصوص ہے) یہ ہے کہ صدقہ ان پر حرام ہے کیونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس درکار میں جہ کو نیز آپ کی آل کو سب میل کچیل سے پاک صاف رکھا ہے۔

جو شخص النہم اخذ رزق الیٰ محمداً فیثنا میں ازواج کو داخل مانتا ہے اور قربانی کی دعا عن محمد و آل محمد میں ان کو شامل سمجھتا ہے اور قول عائشہ رضی اللہ عنہا ما شیخ الیٰ محمد الخ کا صدقہ بھی ازواج کو جانتا ہے اور صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد میں بھی ان کو داخل سمجھتا ہے اس پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ لا تعلّٰی لمحمد و آل محمد میں ازواج کو شامل نہیں سمجھتا۔ تاکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور ازواج کا اس سے محفوظ و دور ہونا زیادہ ضروری ہے۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر صدقہ ازواج پر حرام سمجھا جائے۔ تب ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہو گا جیسا کہ بنو ہاشم پر حرام ہونے سے ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی بریرہ کو صدقہ کا گوشت ملا اور اس نے کھا لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے حرام نہیں بتلایا۔

جواب یہ ہے کہ یہ قصہ شبہ میں ڈالنے والا ہے اس شخص کے لیے جو ازواج مطہرات کے واسطے صدقہ حلال سمجھتا ہے اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ازواج پر اصلیت کے لحاظ سے تو صدقہ حرام نہیں بلکہ ان کے لیے کہ نبی اکرم ﷺ سے متصل ہونے سے پیشتر ان پر حرام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس تحریم میں ازواج مطہرات بمنزلہ فرع ہیں اور لونڈی غلام کی تحریم بھی آقا کی تحریم کی فرع ہے۔ چونکہ بنی ہاشم پر دراصل صدقہ حرام تھا اس لیے ان کے لونڈی غلام پر بھی حرام ہوا جو ان کی تبعیت میں تھے۔ ربنی ازواج خود ان کی حرمت تبعیت میں تھی اس لیے ان کے

لوہنڈی غلاموں پر جو قلعہ کے آگے قلعہ تھے حرمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَسَاءَ الَّتِي مَرَّ بِاتٍ مَكَّنَ بِمَلْحَمَةٍ مُبَيَّنَةٍ يُضَعِّفُ لَهَا
الْعَدَاةُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٢٢﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ
مِثْلَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَتَعَلَّ صَلَاحًا نَزَّهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْدَدَ لَهَا
رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ يَسَاءَ الَّتِي لَشَرٍّ كَادِمٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنْ
أُتْفِقَتْ فَلَا تَحْضَعُ مِنَ الْقَوْلِ قِطْعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا
مَعْرُوفًا ﴿٢٤﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى
وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ
اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٢٥﴾
وَأَذْكُرَنَّ مَا بُنِيَ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ بَيْتِ اللَّهِ وَالْمَكْنَةِ ﴿٢٦﴾

(٣٤-٣٠ / ٣٣-١٠)

”اے نبی کی پیروی! تم میں سے ہر کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی اسے دہرا عذاب دیا جائے گا“ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور تم میں سے ہر ایک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی پیروی! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو وہ دینی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا جتنا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹھک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی ج و بھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھر دلیں میں سنائی جاتی ہیں۔“

دیکھو اس تمام خطاب میں جو انہی کے ذکر میں ہے 'ان کو اہل البیت میں داخل

کیا اب احکام اہل بیت میں سے کسی بات میں بھی ان کو خارج نہیں کر سکتے۔
قول سوم کہ نبی اکرم ﷺ کی آل آپ ﷺ کے اتباع و امت تا قیامت ہے۔

اس پر حجت یہ ہے کہ معظم متبوع شخص کی آل وہ کہلاتی ہے جو اس کے طریق و دین پر ہو۔ قریب ہو یا بعید۔ ان کا قول ہے کہ اس لفظ کا اشتقاق اس معنی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ آل یقول سے ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور ظاہر ہے کہ اتباع کو اپنے متبوع کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ امام و موکل ہے۔ چنانچہ **الْأَهْلُ لَوْ لَوْ لَحِثْنَا هُمْ بِسِحْرِ** میں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی قول کی دلیل حدیث وائمہ بن اسحاق ہے۔ جسے ترمذی نے سند حید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسین علیہ السلام کو بلایا اور اپنی رانوں پر بٹھالیا پھر سیدہ فاطمہ علیہا السلام اور ان کے شوہر کو اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر کبڑا ڈال کر فرمایا:

«اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي»

”اے میرے اہل بیت ہیں۔“

وائمہ بیٹھنے لگیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بھی آپ کا اہل بیت ہوں۔ فرمایا:

«وَأَنْتَ مِنْ أَهْلِي»

”ہاں تو بھی تو میری اہل بیت میں سے ہے۔“

یہ کہتے ہیں کہ وائمہ بیٹھنے سے قبل تو بنی یسٹ میں سے تھے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اتباع نبوی میں سے تھے۔

قول چہارم آل محمد آپ کی امت کے متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں۔ اس کی حجت انس بن مالک بیٹھنے کی حدیث ہے جسے طبرانی صحیح نے روایت کیا ہے

کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آل محمد کون ہیں۔ فرمایا:

«كُلُّ نَفْسٍ»

”یعنی ہر ایک متقی۔“

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿إِنْ أُولَآئِهِمْ إِلَّا الْمُنْعُونَ﴾ (الأنعام/ ۳۴)

”اس کے جائز متوی تو اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔“

طہرائی کہتے ہیں کہ بخاری سے صرف نوح روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے میں تعیم آیا ہے۔ بخاری نے اس کو باغ ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے مگر اس باغ اور نوح سے کسی اہل علم نے حجت نہیں چکڑی بلکہ کذب سے منسوب کیا ہے۔

قول بالا کی دلیل میں اے لیسہ من اھلک اے عملیٰ عزیز صلیح کو بھی پیش کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی وجہ سے فرزند نوح علیہ السلام کو اہل نوح سے خارج کر دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اہل و فرما نبردار ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کا جواب خوب دیا ہے کہ لیسہ من اھلک سے مراد یہ ہے کہ جس اہل کو گشتی میں سوا کر کے کاغذ اور نجات دینے کا وعدہ ہوا ہے۔ یہ اس میں سے نہیں۔ چنانچہ آیت بالا سے پہلے یوں ہے اھلک فلیھا من کل زوجین الذین و اھلک الامن سنو علیہ الفون اس سے معلوم ہوا کہ جن کی نجات کا وعدہ لیا گیا تھا یہ ان میں سے نہ تھا نہ یہ کہ اہل میں سے ہی نہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے جواب کی صحت پر آیت کا سیاق بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ من سنو علیہ الفون کے ساتھ ہی وہ امر بھی ہے۔ گویا مؤمنین اور حضرت نوح کی اہل کو جدا جدا کر دیا ہے۔ مؤمنین اور اہل اور کل زوجین یہ سب ممل کے مفعول ہیں۔

قول چہارم | کی جنت حدیث داخل بن اسحق مبرکہ بھی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ داخل کی تخصیص ان کو تعمیم امت کی پر نسبت قریب قرابت کر رکھی ہے اور ان کا اہل کے اندر ہونا ظاہر ہے کہ جو شخص اس اسم کا مستحق ہو سکتا ہے وہی اہل بیت بھی ہے۔ چاروں اقوال کے دلائل یہی ہیں جو بیان ہو چکے۔

ان میں صحیح قول تو پہلا ہے اور پھر اس کے قریب قریب دوسرا۔ یہ تیسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں۔ کیونکہ اس شبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں کہ حدیث محمد اور آل محمد پر طلال نہیں اور آل محمد مال فی میں سے خوراک جتنی رہے اور ”والی آل محمد کو رزق بقدر خوراک مٹا فرما“ سے اٹھا دیا ہے۔ ان احادیث کے

مضمون کو ملحوظ رکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ آل محمد سے مراد عموم امت کو سمجھنا قطعاً جائز نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ درود میں بھی آل سے مراد وہی ہوں ہو نبی اکرم ﷺ کے دیگر ارشادات میں اس لفظ سے مراد ہیں ان سے انکار کرنا جائز نہیں۔ رہا یہ امر کہ ازدواج و ذریت کی تخصیص ہو چکی ہے اس سے ازدواج و ذریت کی خصوصیت آل ہونے کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ ہم تخصیص ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ أَهْلَهَا الْمُؤْمِنِينَ
وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ»
یا اللہ! مغفرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی ازدواج و ذریت اہل بیت و مؤمنین (امہات) اور ان کی اولاد اور اہل بیت پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی۔

دیکھو اس روایت میں ازدواج و ذریت اور اہل بیت ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں اور اس تعین سے تخصیص فرمادی ہے کہ یہ سب آل میں داخل ہونے کے حق دار ہیں اس سے خارج نہیں۔ بلکہ اس لفظ کے اندر داخل ہونے والوں میں مستحق تر ہیں اس حدیث میں گویا خاص کا عطف عام پر ہے۔ جیسا کہ خاص کا عام پر یا عام کا خاص پر عطف ہوا کرتا ہے اور اس سے غرض شرف خاص کو جلتا دیتا اور نوع کے اندر جو خصوصیت اسے حاصل ہے اسے ظاہر کر دیتا ہوتا ہے اس لیے کہ افراد نوع میں سے اس کا مستحق تر ہونا واضح ہو جائے۔ واضح ہو کہ خاص و عام کے لیے لوگوں کے دو طریق ہیں۔

۱۔ خاص کا ذکر عام سے پہلے یا پیچھے ہونا ایک قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ عام سے مراد مانوائے خاص ہیں۔

۲۔ خاص کا ذکر عام کے ساتھ ہونا بتا رہا ہے کہ خاص کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے ایک دفعہ خصوصیت سے اس کا اور دوسری دفعہ عام کی شمولیت میں تاکہ خاص کے مزید شرف پر آگلی ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَاذْأَخَذْنَا مِنْ آلِ يٰسِينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرٰهٖمَ وَمُوسٰى
وَعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ (الاحزاب ۷/۳۳)

"اور اسے نبی یا رسولوں اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا
ہے تم سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے
بھی۔"

اس میں فرما کر پھر اولوالعزم رسول شمار کر دیئے۔ فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِلَ
فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ ۱۹۹/۶۱)

"اگر جبریل سے ان کی عداوت کا یہی جب ہے تو کہہ دو جو اللہ اور اس کے
فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں اللہ ان
کافروں کا دشمن ہے۔"

اس میں ملائکہ کہہ کر پھر جبریل و میکائیل کا نام لے دیا۔

واضح ہو کہ درود نبی ﷺ اور آل نبی کا ایک حق ہے جو امت میں سے اور کسی کا
حق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ جیسا کہ امام
شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا مذہب ہے اگر آل کی تعیین میں اختلاف ہوا اور جس کے نزدیک
واجب نہیں وہ مستحب سمتا ہے۔ ہر حال دیگر مومنین کے لیے درود کا پڑھنا تو یہ
مفخص مکروہ سمکتا یا مستحب نہ جانتا یا جائز نہ سمکتا ہو گا۔ لیکن جو مفخص آل نبی کو درود
کے بارے میں تمام امت کی مثال سمکتا ہے وہ نہایت ہی بعید فاصلہ پر ہٹا ہوا ہے۔
اس کے علاوہ دیکھو کہ نبی ﷺ نے تشہد (آخر) میں سلام اور صلوٰۃ شروع کئے ہیں۔
نماز پڑھنے والا تو پہلے ہی نبی اکرم ﷺ پر پھر اپنے نفس پر پھر تمام صالح بندوں کو جو
زمین و آسمان میں ہیں سلام کر چکا۔ رہا درود وہ مشروع ہے خاص نبی ﷺ اور آل کے
لیے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آل نبی ﷺ کے اہل و اقارب ہی ہیں۔

اب یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو درود کا حکم دیا ہے وہ نبی ﷺ کے بست
سے حقوق اور خصوصیات کے ذکر کے بعد دیا ہے مثلاً جو عورت اپنا نفس نبی ﷺ

کے لیے جہد کروے اس کا حلال ہونا، ازدواج مطہرات کا امت کے لیے حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نبی ﷺ کے حقوق و تعظیم اور توقیر و تجلیل کا بیان فرما کر اور ازدواج النبی ﷺ کے متعلق احکام دے کر پھر اس حق خاص کا بیان فرمایا ہے جو حقوق مصطفویٰ میں سب سے زیادہ سزاوارتہ و محکم ہے۔ یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا بھیجنا۔ پھر اس حق و ذکر کو شروع بھی کیا تو اس طرح ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اور فرشتگان نورانی و رواد خدائی کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے جب دریافت کیا کہ اس حق کو ہم کیوں کر ادا کر سکتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہم صل علی محمد و علی آل محمد، صلح پڑھنے سے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آل پر صلوٰۃ کا بھیجنا صلوٰۃ کا کمال نیز نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ کے تابع ہے۔ کیونکہ اس سے نبی ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور شرف و علو مزید ہوتا ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نسلینما نکحیتا۔

جو لوگ متیقن امت کو آل محمد ﷺ بتلاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ متقی لوگ تو اولیاء نبی ﷺ ہیں۔ جو متقی ہو گا وہ اولیاء نبی ﷺ میں سے ہو گا نہ کہ آل میں سے ہو سکتا ہے کہ:

① ایک شخص اولیاء نبی میں سے بھی ہو اور آل میں سے بھی۔ جیسے اہل بیت آل مصطفیٰ اور خاندان نبوت کے مومنین ہیں۔

② وہ نہ نبی ﷺ کی آل میں سے ہو نہ اولیاء میں سے۔

③ آل میں سے نہ ہو اور اولیاء میں سے ہو۔ جیسا کہ علم نبوت کے وارث سنت کی طرف پلانے والے 'اسلام اور رسول پاک سے اعتراضات اٹھا دینے والے' دین کی نصرت و تائید کرنے والے ہیں۔

چنانچہ صحیح میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَىَّ فُلَانٍ لِّسَوْءِ بَنِي بَاؤِلِيَاءِ إِنَّ أَوْلِيَاءِي الْمُتَّقُونَ الْبَنُ كَانُوا وَمَنْ كَانُوا»

”میرے دوست فلان شخص کی آل نہیں۔ میرے دوست تو متقی لوگ ہیں

خواہ وہ کہیں ہوں اور کوئی ہوں۔" ﴿۱۵﴾

مطلب یہ ہے کہ مثنوی و گنج شریف کے مولیاء ہیں۔ مولیاء آپ نہ آں سے زیادہ محبوب ہیں، عیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِن تَوَلَّوْنَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ قَظَمْتُمَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ مُّقْتَدِرٌ﴾
 ﴿الاحزاب ۱۷﴾

”اگر تم دونوں اللہ سے اپنے توجہ کو لوٹو تو بہت بے کیونکہ تمہارے دل ج ہو گئے ہیں اور اگر تم نے میرے مقابلے میں حصہ بندی تو جان لو کہ اللہ ارکاموئی ہے اور اس کے بعد جبرئیل تمام صالح اہل ایمان سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔“

وضوح ہو کہ بعض راویوں نے اس حدیث میں مثنوی لکھی ہے اور آں اہل بیاض روایت کیا ہے۔ دھمک یوں لگا کہ صحیح میں اس طرح ہے تھا۔ ان نقل کی... یہ سوال بدلیا۔ معنی درمیان میں عقیدہ جید تھی کسی کاتب نے یہ بتانے کے لیے کہ اس جگہ سمیعہ بی بی لفظ بیاض لکھ دیا۔ دوسرے صاحب نوٹس لکھے تھے کہ بیاض یہاں مضائقہ ہے اس کی بیاض بدلیا۔ حالانکہ عرب میں بیاض کے نام سے کوئی قبیلہ معروف نہیں اور نہ ہی یہ لفظ نے زبان مبارک سے یہ فرمایا بلکہ یہی عربوں نے تو اس مقام پر قبائل قریش کے بہت سے قبیلوں کے نام لیے تھے۔ اسی کتاب کے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ وہ بیاض پڑھے اور اس کے معنی نہ بیاض یا حد بیاض سمجھے۔ اس کی نظیر کتاب مسلم میں بھی حدیث بخاری میں ہے یہاں و سخن للبیاض ہی ہو کھنڈا نظر واقع ہوا ہے اور مطلب یہ کہ ہم اپنے سروں پر ایسا ایسا لکھ دیتے تھے۔ فوس ان اللہ کے کچھ معنی نہیں ہوتے اور یہ صرف کاتبوں کی قلم رانی ہے۔ پچانچہ یہی حدیث اسی سند اور سیاق کے ساتھ سند امام احمد میں ہے و سخن یوم البیاض علی کلوم اولیاء فوفی الناس۔ کاتب کو قس یا کو م پ انکر شبہ ہو گیا اور دوسرا نہ سمجھا مانتے میں لفظ کا غلط لکھا دیا اور اسی سے یا کسی اور نے کھنڈ لکھ دیا۔ پھر کسی اور نے ان لفظوں کو جمع کر کے متن میں داخل کر دیا۔ یہ بیانات شیخ ابن تیمیہ دیکھ کر کہتے ہیں: مصنف!

نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے محبوب تر آپ کو کون ہے۔ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کی گھنی مروں میں سے۔ فرمایا یہ عائشہ رضی اللہ عنہا (متفق علیہ)۔
 مطلب اس سے یہ ہے کہ حقیقی اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔
 جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا بِنُفُسِهِمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (یونس: ۶۲-۶۳)

”سنو! ہم اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور درد کا موقع نہیں ہے۔“
 یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں وہی رسول کریم ﷺ کے اولیاء ہیں۔
 جس شخص کا یہ گمان ہے کہ آلِ اتباع کو ہی کہتے ہیں۔ اس سے عرض کیا جائے گا کہ ہاں اتباع پر لفظ آل کا اطلاق بعض مواضع میں ہوا ہے مگر قرینہ کے ساتھ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں نہیں لفظ آل وارد ہوا ہے اس سے مراد اتباع ہی ہے۔ جیسا کہ نصوص بالا سے ثابت کیا گیا ہے۔

لفظ زوج کی تحقیق

ازواج زوج کی جمع ہے جسے زوج بھی کہتے ہیں۔ مگر زوج فصیح ہے اور اسی کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے۔
 ﴿اَنْتَ كُنْتَ اَنْتَ وَرَوْحُكَ الْجَنَّةُ﴾ (الغفر: ۲۰-۲۱)
 ”تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔“
 قصہ ذکرِ جنت میں ہے:

﴿وَاَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ﴾ (الانبیاء: ۹۰)
 ”ہم نے اس کی بیوی کو اس کے لیے ٹھیک کر دیا۔“

زویہ کی مثال ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

﴿إِنَّهَا زَوْجَةُ بَيْنِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾
 زونہ کی جمع زوجات اور زون کی جمع ازواج آتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔
 ﴿وَأَزْوَاجُهُمْ فِي طُلُقٍ عَلَى الْأَرْوَاحِ مُشْكُونَ﴾ (سورہ ۳۶: ۳۶)
 "وہ اور ان کی بیویاں کھٹے سایوں میں ہیں مسندوں پر ٹپکے لگائے ہوئے۔"
 دوسری جگہ فرمایا:

﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ﴾ (سورہ ۱۳: ۱۷)
 "داخل ہو جاؤ! انت میں تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔"

قرآن لفظ زون کن معنی میں استعمال کرتا ہے: واضح ہو کہ قرآن مجید میں جہاں
 کہیں اہل ایمان کا ذکر ہے۔ مفرد یا جمع۔ وہاں تو لفظ زون استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً
 فرمایا: ﴿الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ نَفْسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُمْ يُفْلِحُونَ﴾ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
 قُلْ لَا ذُوَاجِلَ﴾ اور جہاں اہل شرک کا ذکر کیا ہے وہاں لفظ امراۃ بولا گیا ہے۔ فرمایا:
 ﴿وَالْمَرْأَةُ حَمَلَةُ الْحَبْطِ﴾ ﴿فَمَنْ حَبِطَتْ حَبْلًا﴾ فرمایا: ﴿صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ
 كَفَرُوا امْرَأَةٌ تَلْعَبُ وَامْرَأَةٌ تُنَاجِي﴾ چونکہ یہ دونوں مشرک تھیں۔ اس لیے امراۃ کہا۔
 فرمایا: ﴿صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةٌ فَرَعْلُونَ﴾ فرعون مشرک نبیوی مومنہ اس
 لیے نبوی کو اس کا زوج قرار نہ دیا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا
 ﴿أَتَمَّكَ نَتَّ وَرَوْحَكَ﴾ ﴿مَنْ سَوَّاهُ﴾ کو فرمایا: ﴿إِنَّا أَخْلَقْنَاكَ أَزْوَاجَكَ﴾ مومنین کو
 فرمایا: ﴿وَاللَّهُمَّ فَيْنِهَا أَزْوَاجٌ﴾ ایک گروہ کا قول ہے اسکی بھی ان میں ہی ہے کہ
 حضرت نوح و حضرت لوط علیہ السلام اور فرعون کی بیویوں کو زوج اس لیے نہیں کہا کہ یہ
 آخرت میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہنے والی نہ ہوں گی۔ نیز اس لیے کہ نوح و
 ایک زیور شرمیلہ اور امر دین میں سے ہے اس لیے کافرہ کو زوج سے برہنہ رکھا۔ جیسا
 کہ لوط و نوح علیہ السلام بیویوں کو۔ اسکی نے اس قول پر خودی اعتراض کیا ہے کہ
 حضرت ذکریا علیہ السلام کے قول میں و کتابت امراۃ غافرا اور قصہ ابراہیم علیہ السلام میں
 ﴿فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِئَ حُضْرَةٍ﴾ بھی تو فرمایا ہے۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان دونوں مقامات
 میں لفظ امراۃ لانا ہی زیادہ تر موزوں تھا۔ کیونکہ یہاں حمل اور ولادت کا ذکر ہے اور

لفظ امرأۃ ہی صفت انوثت کے لیے جو حمل و ولادت کی منتضیٰ ہے بہ نسبت زوج کے اولیٰ ہے۔

زوجهین کے معنی: میں کہتا ہوں کہ مومنین اور ان کی بیویوں کا ذکر لفظ ازواج کے ساتھ کرنے کا راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ہم شکل ہونے، ہم جنس ہونے اور قریب ہونے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور زوجین دو چیزیں ہیں جو قشالبہ، قشاکل اور قساوی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُوفُ عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ زُلُمًا مُّجْتَمِعًا﴾ (النساء: ۳۷، ۳۸)

”گھبراؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو۔“

سیدنا عمر فاروقؓ اور امام احمد رضاؒ کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کی شہیدہ ہیں۔ انہی معنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا النُّفُوسُ رُجِعَتْ﴾ (التکویر: ۸، ۹)

”یعنی قسم قسم کو الٹا کر دیا جائے گا۔“

اور نعمتیں و عذاب کی اقسام ہوں گی۔ حضرت فاروقؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ صالح، صالح کے ساتھ بہشت میں اور فاجر، فاجر کے ساتھ آگ میں۔ حسن، قنارہؓ اور اکثر مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومنین حور عین کے ساتھ اور کافر شیاطین کے ساتھ اکٹھے کئے جاویں گے۔ یہ معنی بھی قول اول کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ثلثۃ ازواج فرمایا اور پھر اس کی تفصیل میں الطَّائِفَاتُ مِنَ الْمُغْرَبَاتِ فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ زوجین کو نوع واحد کے دو فرد قرار دیا ہے اور انہی معنی میں رُوحَانِیَّہ اور رُوحَانِیَّہ اجوڑا جراب اور کبوتر کا جوڑا ہے۔ ہاں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان مشابہت اور مشابہت کو قطع فرمایا ہے اور لَا یَنْتَعِبُ أَحَدُکُمُ الْآخَرَ وَ أَصْحَابُ الْحَنَابِ اِرْشَاد فرمایا ہے۔ پھر دوسری جگہ اہل کتاب میں سے جو مومن ہوئے ان کو کفار سے جدا کر دیا ہے اور لَا یَنْتَعِبُ سِوَاہُمْ مِنَ اَہْلِ الْکِتَابِ فرما کر انکام دنیا میں بھی مقارنت کو قطع کر دیا اور باہمی وراثت و نکاح اور ولایت کو اٹھا دیا ہے۔ حتیٰ کہ زن و شوہر کی تولد کو۔

تاکہ جس طرح فی المعنی مواصلت منقطع ہو چکی ہے اسی طرح اسی طور پر بھی قطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی نہ ہونے کی صورت میں اس کو لفظ امرأۃ سے جو انوثیت پر دلالت کرتا ہے شوہر کی طرف مصاف کیا گیا۔ نہ لفظ زوج سے جو مشاقت اور مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ تم اس معنی پر غور کرو اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی سے اسے اس قدر زیادہ مشابہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کی مسلمان عورت کو امرأۃ الکافر اور مومن کی کافر عورت کو امرأۃ الفلوس کہا ہے۔ یعنی لفظ امرأۃ نہ کہ لفظ زوج۔

یہ تو یہ۔ اس قول سے بہتر ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ ابولہب کی عورت کو زوجہ اسلئے نہیں کہا گیا کہ کفار کی شادیاں صحیح نہیں جیسے مومن کے نکاح صحیح ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب امرأۃ نوح اور امرأۃ لوط بھی آیا ہے اور اس نکاح کی صحت میں کچھ شک و شبہ نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ یہ تو یہ۔ بالکل ہی باطل ہے۔ تم ہمارے بیان کردہ معنی کو آیت سوارث میں دیکھو کہ وہاں بھی وراثت کو لفظ زوجہ کے ساتھ متعلق فرمایا ہے نہ کہ لفظ امرأۃ کے ساتھ فرمایا ولکنہ نصف ما ترک ازواجکم تاکہ معلوم ہو جائے کہ توارث جو زوجہ کے ساتھ ہے وہ باہمی تشاکل و تناسب کی وجہ سے ہے اور چونکہ مومن و کافر میں تناسب و تشاکل نہیں ہوتا اسلئے ان میں توارث بھی نہیں۔

اللہ اکبر قرآن مجید کے مفرد و مرکب الفاظ کے اسرار رکھتے ہیں کہ اہل دنیا کی عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔

ازواج مطہرات علیٰ حق رسول پاک ﷺ کا ذکر

جہاں تک ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایسا موقع ہے جہاں ازواج رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ | بیٹی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب ہیں۔ نبی ﷺ کا

بچپن سال کی عمر میں ان کے ساتھ نکاح ہوا۔ یہ زندہ ہی تھیں کہ رب کریم نے نبی ﷺ کو رسالت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ایمان لے آئیں اور نبی ﷺ کی نصرت و تائید میں آجی اور پوری وزیر بنی رہیں، ہجرت سے تین سال پہلے انتقال کیا۔ بعض نے چار بعض نے پانچ سال بھی لکھے ہیں۔ مگر یہ سلا قول زیادہ صحیح ہے۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات ہیں:

(۱) ان کی موبہوگی میں نبی ﷺ نے شادی نہیں کی۔

(۲) اولاد نبی انہی کے بطن پاک سے ہے۔ بجز ابراہیم جو محمد کے جو ماریہ سے تھے۔

(۳) یہ بہترین امت کی بہترین خاتون ہیں۔

مسئلہ فضیلت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما واضح ہو کہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دینے میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں جن میں سے تیسرا وقف ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دونوں میں

جداگان خصوصیات ہیں۔

حضرت خدیجہ کا اثر تو اول اسلام میں تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہامش تسلی و تسکین و ثبات تھیں۔ انہوں نے اپنا مال نبی ﷺ پر غار کیا۔ ان کو آغاز اسلام کا زمانہ ملا اور اللہ پاک اور رسول اللہ ﷺ کے لیے انہوں نے رنج و تکلیف برداشت کی۔ جو نصرت انہوں نے رسول مقبول ﷺ کی کی وہ بڑے جو کھم (مشکل) وقت کی تھی۔ اس لیے نصرت و تائید اور صرف ذر و مال میں جو درجہ ان کا ہے وہ دوسری کا نہیں۔ عائشہ صدیقہؓ جیسے کا اثر آخر اسلام میں تھا۔ اس لیے جو تعلقہ ان کو دین میں ہے اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی ہے اور علم نبوت کو شائع کر کے جو خاکہ انہوں نے پھیلایا ہے۔ وہ ایسا درجہ ہے جو دوسری کو حاصل نہیں۔

نبی اللہ تعالیٰ نے اور جبریل علیہ السلام نے ان کو سلام کیا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہؓ ہے کہ جبریل آئے اور نبی ﷺ سے کہا کہ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن سائیں یا طعام یا پانی کا ہے یہ آپ کے سامنے لے کر حاضر

ہوں گی۔ آپ ان کو پروردگار کی جانب سے نیز میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے کہ بہشت میں ان کے لئے نصب ① کا محل ہے۔ جس میں صخب ② و نصب ③ نہیں۔ اللہ کریم کی طرف سے یہ ایسا خاصہ ہے جو ان کے سوا دوسری کو حاصل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر صرف جبریل علیہ السلام کا سلام کرنا ثابت ہے۔ امام بخاری نے ابو سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ جبریل ہیں، تم کو سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا علیہ السلام و رحمۃ اللہ و بركاتہ آپ جو کچھ دیکھتے ہیں میں نہیں دیکھتی۔

④ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے نہ کبھی رسول اللہ ﷺ سے سوء مزاجی کی، نہ کبھی آپ کو خفا ہونے دیا اور نہ ہی کبھی آپ نے ان سے ایذا کیا، نہ ان پر عتاب فرمایا اور نہ کبھی ان سے جدائی اختیار کی اور یہ سب اوصاف ان کی منقبت و فضیلت کے لیے کافی ہیں۔

⑤ امت محمدیہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی عورت ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لائیں۔

دوسری بیوی | سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کے پاس بڑی عمر پائی اور اپنا یوم نوبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہ امر ان کی خصوصیات میں سے ہے کہ اپنے نفس پر محبوبہ رسول کو محبت اور تقرب رسول پر ترجیح دی اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کی بود و باش کو خود سے اولیت دی۔

① نصب: زبرد آبدار تازہ جو یا قوت سے مرصع ہو۔

② صخب: شور و غوغا۔

③ نصب: رنج و بیماری۔

تیسری بیوی

صدیقہ بنت صدیق یعنی عائشہ بنت ابوبکر (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ ان کا نکاح چھ سال کی عمر میں اور مواصلت نو سال کی عمر میں ہوئی۔ انتقال نبی ﷺ کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ ۵۸ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ سب وصیت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو سب ازواج سے زیادہ پیاری تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ پیارا آپ کو کون ہے۔ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کیا گیا کہ مردوں میں سے؟ فرمایا پھر عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۲۔ ان کے سوا اور کسی کنواری عورت سے نبی ﷺ نے نکاح نہیں کیا۔
۳۔ نبی ﷺ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لحاف میں ہوتے اور وحی ربانی کا نزول ہو جاتا۔ یہ بات کسی اور بیوی کو حاصل نہ تھی۔

۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت تحنیر نازل فرمائی تو نبی ﷺ نے دریافت کرنے میں ابتدا ان سے ہی فرمائی۔ ان کو اختیار دے کر فرمایا کہ اس کا جواب جلد دینا ضروری نہیں، جب تک تو اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کر لے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں اس بارے میں بھی والدہ سے مشورہ کروں گی؟ نہیں میں تو اللہ اور رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دے کر باقی تمام ازواج کے لیے سنت قائم کر دی اور انہوں نے بھی ویسا ہی کیا جو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

۵۔ بڑی خصوصیت ان کی یہ ہے کہ جب اہل اقل نے ان پر تمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بے قصوری ظاہر کی اور ان کی بے گناہی اور نصرت میں وحی نازل کی جو قیامت تک نمازوں میں اور محرابوں میں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ طہیبات میں سے ہیں، پھر ان کے ساتھ مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ پھر یہ بھی بتلایا کہ اہل اقل کے تمت لگانے سے نہ ان کا کچھ بگڑا نہ ان کی شان میں فرق آیا۔ بلکہ ان کے لیے بہتر ہو گیا کہ اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو برتری دی اور عالی جاہ و عظیم الشان بنایا اور تمام زمین و

آسمان کے اندر ان کی بے قصوری و پاکی کا ذکر پھیل گیا۔ اللہ اکبر یہ کیسی منقبت جلیل ہے۔

اب تم یہ بھی سمجھ لو کہ یہ تشریف اہرامِ نقیب تھا ان کی حد و رجب کی تواضع کا۔ نیز اس امر کا کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ناچیز سمجھتی رہیں۔ چنانچہ خود صدیقہ بیٹھ کا قول ہے کہ میرے نزدیک میرا یہ درجہ نہ تھا کہ میرے لیے وحی مملو نازل ہوتی۔ ہاں مجھے صرف یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اللہ ﷺ پر میری برکت ظاہر فرمائے گا۔ اللہ اکبر یہ حال تھا امت کی صدیقہ ام المؤمنین اور محبوبہ رسول رب العالمین کا کہ اپنے آپ کو بے قصور اور مظلوم بھی جانتی ہیں اور ظالم افتراء پردازوں کو بھونٹا بھی سمجھ رہی ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ ظالموں کی ایذا دہی کا اثر نہ صرف انہی تک بلکہ ان کے والدین اور رسول اللہ ﷺ تک بھی پہنچا ہے۔ تاہم وہ اپنے نفس کو حقیر سمجھتی اور اپنا درجہ چھوٹا مانتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں خیال کرو تم ان لوگوں کا جنہوں نے ایک دو دن یا ایک دو مہینے روزے رکھ لیے اور رات دو رات عبادت کر لی اور پھر ان پر کوئی حالت ظاہر ہو گئی۔ تو وہ اپنے آپ کو کرامات و معجزات و مخاطبات و منازلات و اجابت دعوات کا پورا پورا مستحق سمجھنے لگتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جن کے دیدار سے برکت ملتی اور جن کی دعا بے غایت سمجھی جاتی ہے۔ ہمارا احترام و تعظیم اور تندر و توقیر لوگوں پر واجب ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے کپڑوں کو حصول برکت کے لیے پھوسا اور ہماری خاک و رکو چوما جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ ایسا ہے کہ اگر کوئی ان کے رجبہ میں کمی کرے تو فی الحال اس کا انتقام بھی لیا جائے گا اور وہ شخص بلا تاخیر اس بے ادبی کا مزہ چکھے گا۔ گویا ان کی گستاخی کا کفارہ ان کی رضا مندی کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ سب حماقت اور رعونت کی باتیں جملِ صمیم اور عقلِ غیر مستقیم کا نتیجہ ہیں اور جو جاہل اپنے نفس پر غرور کھانے والا ہے اسی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ جو اپنے جرم و گناہ سے غافل ہو اور اللہ پاک کی گرفت سے اس کی ہمت پر بھولا ہوا ہو اور اپنے غرور اور تکبر کو فراموش کر بیٹھتا ہو اور خود ہی خیال کر لیا ہو کہ اللہ پاک کے ہاں بھی میں اچھا ہوں۔

نَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ بندہ کو سزاوار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اس امر سے کہ وہ اپنے دل میں تو بڑا بنا ہوا ہو اور اللہ کے ہاں حقیر ہو۔

⑤ ایک خصوصیت صدیقہ علیہ السلامی یہ ہے کہ اکابر صحابہ کو جب کوئی مشکل دینی مسئلہ پیش آ جاتا تو ان سے دریافت کیا کرتے تھے اور اس کا علم ان کے پاس ضرور ہوتا۔

⑥ نبی ﷺ کا انتقال ان کے گھر میں ان کے یومِ نوبت میں ان کی گود میں ہوا۔ اور ان کے گھر میں ہی آپ مدفون ہوئے۔

⑦ شادی نکاح سے پہلے فرشتے نے نبی ﷺ کو ان کی تصویر پارہٴ حریر پر ملاحظہ کرائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو معاملہ یوں ہی رہے گا۔

⑧ لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ نبی ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے آپ کو ہدیہ و تحائف صدیق بیضا کے یومِ نوبت میں دیا کرتے تھے۔ تاکہ پسندیدہ تحفہ آپ کو محبوب ترین اذواج کے گھر میں ملے۔

ان کی کنیت ام عبد اللہ ہے اور کہتے ہیں کہ ان کو حمل ہو کر اسقاط ہو گیا تھا۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔

چوتھی بیوی: حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے ہوا اہل بدر میں سے ہیں ہوا تھا۔ ان کا انتقال ۷ھ یا ۸ھ کو ہوا۔

ان کی خصوصیات سے یہ ہے۔ جسے حافظ ابو محمد مقدسی نے اپنی مختصر سیرت میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ رجوع کر لیں کیونکہ حفصہ بیضا بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نوافل پڑھنے والی ہے۔ نیز وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حفصہ علیہا السلام کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو سر پر خاک ڈالنے لگے۔ کہا اب اللہ کو بھی ایسا خطاب

کی کچھ پروا نہیں رہی۔ جبریل اترے اور کہا 'اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کر لیں۔ یہ حکم عمر رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے۔

پانچویں بیوی | ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت صخر بن حرب

بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ انہوں نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی وہاں جا کر عبد اللہ انصاری ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اسلام کامل رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ جب کہ یہ حبشہ میں ہی تھیں نکاح کر لیا۔ متولی نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یا بقول بعض خالد بن سعید بن عاص تھے۔ نجاشی نے نبی ﷺ کی طرف سے چار سو اشرفی مراد اکیدا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لانے کو عمرو بن امیہ الضمیری کو روانہ کیا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مسلمان

نہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھا کرتے اور نہ اسے پاس بٹھلایا کرتے تھے۔ اس نے نبی

ﷺ سے کہا کہ تین باتیں ہیں وہ مجھے عطا فرمائیے۔ فرمایا: اچھا۔ کہا میرے پاس عرب

بھر میں سب سے زیادہ حسین و جمیل لڑکی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے۔ میں اس کو آپ ﷺ

کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا: اچھا۔ کہا: معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ فرمایا: اچھا۔

کہا: مجھے اجازت ہو کہ میں کفار سے جہاد کروں، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ میں نے

جنگیں کی ہیں۔ فرمایا: اچھا۔ ابو زمیل کا قول ہے کہ اگر وہ ان باتوں کا سوال نہ کرتا تو

نبی ﷺ اسے کبھی یہ شرف عطا نہ فرماتے۔ مگر عادت شریف یہ تھی کہ جب کوئی

سوال کرتا تو آپ "ہاں" فرمادیتے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے معنی میں لوگوں کو بہت ہی مشکل پڑی ہے۔ کیونکہ

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح (ابوسفیان کے اسلام لانے سے پیشتر) نبی ﷺ سے

ہو چکا تھا اور نجاشی نے پڑھایا تھا اور اپنے باپ کے اسلام سے پیشتر نبی ﷺ کی

خدمت میں مدینہ پہنچ گئی تھیں۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد

ابوسفیان کہے کہ "میں ام حبیبہ کا نکاح آپ سے کرتا ہوں۔" ایک گروہ علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث کذب ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ ابن حزم کا قول ہے 'عمرہ بن

عمار نے ہی یہ جھوٹ بنایا ہے۔ دوسرا اگر وہ اس بات کو بہت ناگوار سمجھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں موضوع حدیث نہیں ہو سکتی ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ ابوسفیان کی درخواست یہ تھی کہ اس کی لڑکی کے نکاح کی تجدید کی جائے تاکہ مسلمانوں میں اس کی آبرو بنی رہے مگر یہ تو جیسہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حدیث سے پایا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے وعدہ فرمایا اور یہ کسی روایت میں کسی نے روایت نہیں کی کہ صادق الوعد نبی نے ام حبیبہ کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا۔ جب کسی نے بھی نقل نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا ہوا نہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کے اشکال پر کچھ لمبی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ”صحیح مسلم کی حدیث میں ایسا ہونا اہل خبر کے نزدیک بہت ہی غریب ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں ابوسفیان کا تجدید صلح کے لیے مدینہ میں آنا اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ذکر ہوا ہے بہت مشہور ہے۔“

ایک گروہ کا قول ہے کہ حدیث باطل نہیں ہے ابوسفیان کا سوال یہ تھا کہ اپنی دوسری بیٹی غزوہ کا نکاح جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی نبی ﷺ کے ساتھ کر دے دو۔ منوں کے نکاح میں جمع نہ ہو سکنے کا مسئلہ اگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نو مسلم ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مسئلہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست بھی کی کہ میری بہن سے نکاح کر لیجئے۔ فرمایا: نہیں وہ میرے لیے حلال نہیں۔ غرض یہ کہ ابوسفیان کا ارادہ تو دوسری دختر کے ازدواج سے تھا۔ راوی کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام وہم سے رکھ لیا۔ پس یہاں نام رکھنے میں کسی نہ کسی راوی کی غلطی ہے نہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی درخواست کی۔ مگر اس تو جیسہ پر رسول اللہ ﷺ کا فرمانا وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ابوسفیان کا یہی ارادہ تھا دوسری بیٹی کا نکاح کر دے تو ضروری تھا کہ نبی ﷺ فرماتے کہ وہ میرے لیے حلال نہیں جیسا کہ آپ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیا تھا۔ اگر اس تو جیسہ پر یہ اعتراض نہ ہوتا تو کچھ شک نہیں کہ اس حدیث میں یہ تاویل بہترین تاویلات سے تھی۔

[2] اس قول کی صداقت میں کوئی اثر صحیح یا حسن معروف نہیں اور نہ اسے کسی ایسے شخص نے نقل کیا ہے جس کی نقل پر اعتماد کیا جاسکتا ہو۔

[3] ام حبیبہؓ کے نکاح کا قصہ کہ وہ حبش میں تھیں اور نکاح ہو گیا تو اتر کے برابر پہنچا ہے۔ جیسے اور ازواج مطہرات کے نکاح کے دیگر واقعات مثلاً یہ کہ حدیثہؓ انکھریؓ سے نکاح مکہ میں ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کا نکاح مکہ میں اور مواہلتِ مدینہ میں ہوئی اور صفیہؓ کا عام خیبر کو اور میمونہؓ کا عمرہ القضاء میں۔ ایسے واقعات کا شریعت کے ساتھ اہل علم میں ہونا قطعی طور پر اس کے صحیح سمجھے جانے کا سبب ہوتا ہے اب اگر کوئی سند ایسی ہے جو بظاہر صحیح ہو۔ مگر شریعت کے خلاف ہو تو اسے غلط ہی سمجھتے ہیں اور ادھر اتفاقات نہیں کیا کرتے اور ان کو اس پر اطمینان ہوا کرتا ہے۔

[4] نبی ﷺ کی سیرت و احوال و وقائع کے جاننے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ام حبیبہؓ کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا۔ اسلئے اس میں کسی کا وہم نہیں چل سکتا۔

[5] ابن اسحاق وغیرہ نے ابوسفیانؓ کے مدینہ میں تہجد کے لیے آنے کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ جب ابوسفیانؓ مدینہ میں آیا تو اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے پاس گیا۔ جب نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیانؓ جھڑنے لگا مئی! میں نہیں سمجھا کہ تو بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ یا مجھے بستر سے ہٹانا۔ فرمایا یہ بستر اللہ کے رسول ﷺ کا ہے اور تو مشرک اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیانؓ نے کہا واللہ بیٹی تو ہم سے جدا ہو کر بگڑ گئی۔ یہ قصہ اہل مغازی و سیر کے نزدیک مشہور ہے۔

[6] ام حبیبہؓ مہاجرات حبشہ میں سے ہیں جو اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ گئی تھیں وہ نصرانی ہو کر حبشہ میں مر گیا۔ ام حبیبہؓ حبشہ سے چلی آئیں اور نبی ﷺ کے پاس رہیں۔ مندرجہ بالا بیان پر کسی اہل نقل کو شک نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابوسفیانؓ عام فتح کو ہی ایمان لایا تھا۔ تو اس وقت وہ کس طرح کہہ سکتا تھا کہ میرے پاس عرب کی حسین ترین لڑکی ہے۔ کیا حضرت ام حبیبہؓ بیٹھنا ہجرت اور اسلام کے بعد کبھی بھی اپنے باپ کے پاس تھیں؟ اگر کوئی کہے کہ قول ابوسفیانؓ اس کے

اسلام سے پہلے کا ہے تو یہ بھی محال ہے کیونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس نہ تھی اور نہ اہو سفیان کو زمانہ کفر میں مسلمان لڑکی کی ولایت حاصل تھی اور اگر کوئی کہے کہ یہ قول اس کے اسلام سے بعد کا ہے۔ تب بھی محال ہے کیونکہ ان کا نکاح فتح مکہ سے کہیں پہلے کا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بعد فتح ہی متعین کرنا چاہیے۔ کیونکہ مسلم کی حدیث صحیح ہے اور اسناد میں ثقہ اور حفاظ ہیں اور حبشہ میں نکاح ہونے کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے بطور ارسال ہے۔ لوگوں کو تو محمد بن اسحاق کی مسانید میں بھی اختلاف ہے 'مراصل کا تو ذکر کیا؟ خصوصاً جب کہ وہ مسانید صحیحہ کے بھی مخالف ہو۔

یہ طریق وہ ہے جو بعض متاخرین نے اس حدیث کو صحیح میں اختیار کیا ہے۔ اس کا جواب پند و جوہات کی بنا پر یہ ہے۔

[I] مذکورہ بالا اصول تو جب جاری ہوتا ہے کہ دونوں نقلیں مساوی ہوں اور ان میں سے ایک کو ترجیح دی جائے۔ لیکن جب ایک نقل کا بطلان یقینی اور حقیقی ہو تب اس پر التفات نہ کیا جائے گا۔ دیکھو سیر و مغازی اور احوال رسول اللہ ﷺ کے علماء میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا اور کسی نے بھی اس کو روایت نہیں کیا۔ لیکن اگر کوئی کہتا بھی تو سب لوگ اس کے قول کو باطل جانتے اور بطلان میں کچھ شک نہ سمجھتے۔

[2] اس بات کا جواب کہ ابن اسحاق کی مراصل 'صحیح مسند کا معارضہ نہیں کر سکتیں اور برابر نہیں ہو سکتیں' یہ ہے کہ اس بارے میں تھا ابن اسحاق کی روایت ہی پر انوار وہ متصل ہے یا مرسلہ ابھروسہ نہیں کیا گیا بلکہ اعتماد تو اہل سیر و مغازی کے نقل پر کیا گیا۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ۔

"ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پہلے شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ کی 'شوہر نصرانی ہو کر وہیں مر گیا۔ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی تزویج نبی کریم ﷺ کے لیے کی اور اپنے پاس سے مراد اگیا۔"

غرض یہ قصہ کتب معاذی و سیر میں مرقوم ہے اور ائمہ علم کے پاس اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اسی قصہ میں ولایت نکاح کے جواز پر جنت پکڑی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رحمہ اللہ کی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سکن النبی لاولیٰ حق کی شری میں کہا ہے کہ اس حدیث سے نکاح میں ولایت کا جائز ہونا لگتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا وکیل بنایا تھا جس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی نبی ﷺ کے ساتھ تزویج کی۔ کتب کبیر میں امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کافر مسلمان عورت کا ولی نہیں ہوتا گو اس کا باپ ہو۔ اسی لیے ابن سعید بن عاص رحمہ اللہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تھا۔ گو ابوسفیان زندہ تھا۔ وجہ یہ کہ ام حبیبہ مسلمان تھی اور ابن سعید جنت بھی مسلمان تھے اور ان سے زیادہ قربت میں نزدیک تر میرے علم میں اور کوئی نہ تھا۔ غرض ابوسفیان رحمہ اللہ کو حق ولایت حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمین و مشرکین میں سوا دسٹ و عقد کو قطع فرمادیا ہے۔ مگر عروہ و زہری رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے کہ متولی نکاح سیدنا عثمان بن عفان رحمہ اللہ ہوئے تھے۔ یہ دونوں ابوسفیان رحمہ اللہ کے چچیرے بھائی ہیں۔ کیونکہ عثمان اور ابن سعید دونوں عاص کے پوتے ہیں۔ عاص رحمہ اللہ امیہ کا بیٹا ہے اور ابوسفیان رحمہ اللہ امیہ کا پوتا۔ مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ائمہ فقہ و سیر نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور یہ بیان اس شخص کے وہم کو جو عکرمہ بن عمار کی روایت سے دھوکہ کھا کر سمجھ بیٹھا تھا کہ ان کا نکاح فسخ مکہ کے بعد ہوا ہے بخوبی داخل کرتا ہے۔ عکرمہ بن عمار جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا راوی ہے اسے اکثر ائمہ حدیث نے اجنب میں رکھی۔ ابن سعید انصاری بھی ہیں اضعیف قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عمار کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ ابوحاتم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابن عمار یوں تو صدوق ہے مگر کبھی اسے وہم ہو جاتا ہے اور کبھی تدلیس کرتا ہے اور سب اس کا یہ حال ہے تو ممکن ہے کہ اس حدیث کو غیر حافظ یا غیر ثقہ سے لے کر تدلیس کر لیا ہو۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کو سب راویوں سے معنعن روایت کیا ہے اور مکرطریانی نے مجمع

میں ان ہی راویوں سے تحدیث روایت کی۔ ابو الفرج بن جوزی نے اس حدیث میں کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کی طرف سے وہم ہے۔ کیونکہ اہل تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبید اللہ بن جحش کے گھر تھیں۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی اور ہجرت حبشہ کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے۔ عبید اللہ وہاں جا کر نصرانی ہو گیا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دین حق پر قائم رہی۔ نبی اکرم ﷺ نے نجاشی کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے آپ کے لیے طلب کرے۔ نجاشی نے نکاح پڑھوایا اور مہر بھی نبی ﷺ کی جانب سے چار ہزار درہم ادا کر دیئے۔ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مصالحت کے زمانہ میں مدینہ آیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ملے گیا تو انہوں نے نبی ﷺ کے بستر کو لپیٹ دیا تاکہ اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیٹھ نہ جائے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ رضی اللہ عنہ ۸ھ میں فتح مکہ پر اسلام لائے تھے اور یہ معروف نہیں کہ نبی ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو کبھی امیر جہاد بنایا ہو۔ ابو محمد بن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

”یہ حدیث موضوع ہے اس کے وضع میں کچھ شک نہیں اور آفت اس میں عکرمہ بن عمار کی جانب سے ہے۔ بے شک اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی تزویج میں فتح مکہ سے کہیں پہلے آچکی تھیں، جب ان کا باپ کافر تھا۔“

اگر کوئی کہے کہ عکرمہ اس روایت میں منفرد نہیں، اس میں بھی جمعیت کی گئی ہے چنانچہ طبرانی نے جس سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اس میں ابو زمیل سے اسمعیل بن مرسل روایت کرتا ہے جیسا کہ عکرمہ نے ابو زمیل سے روایت کی ہے۔ اس سے عکرمہ ذمہ داری تفرقہ سے بری ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متابعت عکرمہ کو کچھ فائدہ و قوت نہیں دے سکتی۔ کیونکہ ابو زمیل سے نیچے جتنے راوی طبرانی کے ہیں سب کے سب مجہول ہیں۔ جن کی روایات معروف نہیں اور جن سے حجت بھی نہیں لی جاتی۔ پھر ان کی روایت کو مستفیض نقل پر جو خاص و عام اہل نقل و علم میں معروف ہو تقدم کیونکر ہو سکتا تھا۔ پس یہ متابعت نہ اس کے لیے ضعف زیادہ کر سکتی ہے اور نہ قوت۔

ایک گروہ کا جس میں سے منافی و منذورى صحیح بھی ہیں قول ہے:

"یہ ہو سکتا ہے کہ ابوسفیان ہجرت کی یہ درخواست کہ ام حبیبہ بیٹھ کر آپ کی زوجہ بنائے اس وقت کی ہو جب اس نے ام حبیبہ بیٹھنے کے شوہر کا گزر جانا سنا تھا اور وہ کسی کام کو کفر کی حالت میں ہی مدینہ آیا تھا۔ رقی دوسری اور تیسری درخواست یہ اسلام لانے کے بعد کی ہوں اور راوی نے ان کو جمع کر دیا ہو۔"

لیکن یہ بھی بہت ضعیف ہے کیونکہ جب ابوسفیان ہجرت زمانہ مصالحت میں ہجرت کے بعد اور فتح مکہ سے پیشتر مدینہ گیا ہے۔ اس وقت ام حبیبہ بیٹھ کر ازدواج مضمرات بیٹھ کر داخل تھیں۔ اس سے پہلے ابوسفیان کبھی مدینہ میں نہیں پہنچا۔ غزوہ خندق پر گیا تھا تو وہ بھی لشکر کشی کی صورت میں تھا۔ اس ایک واقعہ بھی اگر صلح و معاہدہ کا وقت نہ ہوتا تو وہ مدینہ میں نہ آ سکتا تھا۔ پھر کب وہ مدینہ گیا اور کب ام حبیبہ کے لیے اس نے درخواست زوجت کی؟ یہ تو صریح غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ کفر کی حالت میں اس کی جانب سے زوجت صحیح کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو حضرت ام حبیبہ بیٹھنے پر ولایت حاصل نہیں تھی اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ ام حبیبہ بیٹھ کر نکاح ابوسفیان ہجرت کے اسلام لانے تک انکا نہیں۔ غرض دونوں پہلو سے یہ کہنا کہ ام حبیبہ بیٹھ کر نکاح آپ سے کر دوں۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب رہا مختلف اوقات میں ان درخواستوں کے پیش ہونے کا وہم اسو حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنوں درخواستیں ایک ہی وقت کی ہیں۔ کیونکہ امر صا اور منصب کتابت معاہدہ اسلام کے بعد ہی ہو سکتے ہیں تو پھر یہ کہنا کس طرح آسان ہے کہ ایک درخواست کفر کی ہے اور باقی اسلام کی۔ اس بات چیت کا حوالہ تو اسے رد کرتا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ:

"حدیث کے معنی محمل صحیح پر وارد ہو سکتے ہیں۔ جس سے حدیث کو موضوع کئے سے بچ سکتے ہیں اور ان حالات میں یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ صحیح مسلم میں کوئی موضوع حدیث ہے۔ جیسی نکاح کر دیتا ہوں کی تو جیسے یہ کی جائے کہ اس کے نکاح پر میں راضی ہوں۔ مطلب یہ کہ جو نکاح ہو چکا ہے گو وہ صحیح ہے لیکن اس وقت

میرے غشاء کے خلاف اور اختیار کے بغیر تھا۔ اب انکار رضامندی نکاح کو تالیف قلوب کی غرض سے اور زیادہ عمدہ و دل پسند بنادے گی۔ نبی ﷺ کا ہاں فرما دینا بھی اسے مانوس کرنے کی غرض سے ہے۔ اس کے بعد صحت عقد کی اطلاع اسے دی گئی ہو گی کہ اس میں تیری رضامندی شرط نہ تھی اور انعقاد و عقد کے وقت زوجین کے دین سے تیرے اختلاف نے تجھ کو حق ولایت سے محروم کر دیا تھا۔

لیکن یہ جواب بھی شک نہیں مٹا سکتا اور نہ جواب کچھ قوی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاویل جس قدر الفاظ سے بعید ہے وہ بھی مخفی نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ الفاظ سے بھی یہ تاویل سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ غلط تو یہ ہیں کہ میرے پاس تمام مرب میں حسین و جمیل لڑکی ہے جس کا آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس کے یہ معنی کیونکر ہوئے کہ جو لڑکی آپ ﷺ کے نکاح میں ہے میں اس کے نکاح میں رضامند ہوں۔ پھر یہ معنی نبی ﷺ کے ارشاد ”ہاں“ سے ذرا چسپاں نہیں۔ کیونکہ ابوسفیان بھڑو نے تو ایسی بات کا سوال کیا تھا جس کی منظوری نبی ﷺ کی جانب سے ضروری تھی۔ تو ایسی حالت میں یہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر رضامندی کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک حاصل شدہ امر تھا جو نبی ﷺ کے دل میں قائم تھا۔ پھر اس کے طلب کے بھی کیا معنی۔ ہاں اگر کوئی یوں کہہ دے کہ درخواست ابوسفیان بھڑو کا یہ مضمون تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں رہنے دیں اور اسی کا نام اس نے نکاح رکھا تھا تو گو یہ بھی فاسد ہے مگر تو جیسہ ہالا کی نسبت الفاظ سے تو قریب تر ہے۔

الغرض یہ سب تاویلات ایسی ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ان میں ہاتھ لفظ اور کیا ہاتھ لفظ مقصود کا ہم بست ہی تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ:

”ابوسفیان بھڑو عینہ کی جانب اکثر بلایا کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ عینہ میں بحالت کفر آیا ہو یا اسلام کے بعد جب آپ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔۔۔ اس وقت ابوسفیان بھڑو ایلاء کو طلاق سمجھ گیا ہو (جیسا کہ عمر فاروق بھڑو نے سمجھا تھا) اور سمجھ گیا ہو کہ اب جدائی ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے نبی ﷺ سے ازواج پیش بندی د

شفقت پر ری یہ عرض کر دیا ہو تاکہ آپ ﷺ اس کی بیٹی سے رجوع فرمائیں۔ رہائی
 ﷺ کا ہاں فرمانا وہ ان معنی میں ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو طلاق واقع ہو جاتی لیکن
 نہیں ہونے چاہیے۔ یہ جواب بھی ویسا ہی ضعیف ہے کیونکہ الفاظ:

"میرے پاس تمام عرب سے حسین تر و جمیل تر لڑکی ہے میں اس کا نکاح
 آنحضرت ﷺ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

سے ایسا یا وقوع فرقت کبھی میں نہیں آسکتا اور نبی ﷺ کا ہاں فرمانا بھی ٹھیک
 چسپاں نہیں ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ ایلاء کے وقت بالکل حاضر نہ تھا۔ نبی ﷺ نے ایک
 ہالاخانہ میں قیام فرما کر قسم کھائی کہ اذواج کے پاس ایک مہینہ نہ جائیں گے۔ عمر بن
 بن خطاب اندر آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ تیسری دفعہ کی
 درخواست پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا
 آپ نے اپنی اذواج کو طلاق دے دی ہے فرمایا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر
 کہا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ نبی ﷺ نے طلاق نہیں دی۔ اب بتاؤ کہ
 ابو سفیان رضی اللہ عنہ کہاں تھا؟ میں نے شیخ محب الدین طبری کی اس حدیث پر بحث
 دیکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ احتمال ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی یہ سب درخواستیں تاریخ نکاح سے ایک
 مدت پہلے کی ہوں۔ گویا ان درخواستوں کو اپنے اسلام کے لیے شرائط بنایا ہو اور معنی
 یہ ہوں کہ اگر میں اسلام لے آؤں تب یہ تین اعزاز آپ مجھ کو عطا کریں۔"

مگر یہ تو جیسے بھی چند ہی جوہات کی بنا پر لحاظ ہے۔ کیونکہ شروع حدیث میں یوں ہے
 کہ مسلمان ابو سفیان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور اسے پاس نہ بٹھایا کرتے۔ اس
 نے عرض کیا: یا نبی اللہ! مجھے تین باتیں عطا فرمائیے۔ سبحان اللہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی
 طرف سے یہ درخواست ہو سکتی ہے؟

۱۔ جب کہ ہجرت سے پہلے یا بعد میں وہ مکہ میں تھا اور نبی ﷺ کے مقابلہ کے
 لیے فوجیں تیار کر رہا تھا۔

② یا جب وہ مدینہ میں آیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے عقد میں تھی، نہ باپ کے پاس۔ دیکھو تو سہی یہ کس قدر تکلف ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حالت کفر میں وہ یوں کہے کہ میں مشرکین کو قتل کروں، جیسا مسلمانوں کو قتل کرتا رہا ہوں۔ حالانکہ مسلمانوں پر جو جو روستم اس نے کئے اور مسلمانوں کے حرب و قتال نیز نور الہی کو بھجا دینے میں جس قدر یہ کوشاں تھا اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے نے رسول اللہ ﷺ کے بسر کا ارام کیا اور بات کو اس پر بیٹھنے سے کہہ کر روک دیا کہ یہ تو مشرک ہے۔

رہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ یہ معروف ہے اس میں کچھ شرائط نہیں اور کوئی پیش بندی نہیں۔ غرض یہ امثال وہ ہیں جو سرے سے غلط اور باطل ہیں اور ان کی قباحت بالکل واضح ہے اور طالب علم کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کو محل نظر رکھنا اور اس کے رد عمل سے تعرض کرنا عین علم کی علامات میں سے ہے۔ نہیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بسر کا اکرام کیا اور باپ کو بیٹھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ تو مشرک ہے۔

چھٹی بیوی: ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام ہند بنت ابو امیہ بن المغیرہ عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقطہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ہے۔ نبی ﷺ کے نکاح میں آنے سے پیشتر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کا انتقال ۶۲ھ میں ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے بعد ان کا انتقال ہوا۔ بعض میمونہ رضی اللہ عنہا کا کہتے ہیں۔ ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ کے پاس ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیکھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ کے پاس ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھی۔ جبریل نے باتیں کیں اور چلے گئے۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا یہ کون تھے؟ ام سلمہ کہتی ہیں میں نے کہا، وحیہ کلبی کیونکہ میں واللہ ان کو وحیہ ہی سمجھتی تھی، حتیٰ کہ میں نے نبی ﷺ کا خطبہ سنا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے یوں خبر دی۔

ابو عثمان راوی سے سلیمان جی نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے
 کہا اسامہ بن زیدؓ سے۔ ①

ساتویں بیوی: زینب بنت جحش بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن خزیمہ
 میں سے ہے۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ یہ رسول

اللہ ﷺ کی چوتھی بیوی ہیں۔ ان کا پہلا نکاح نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن
 حارثہؓ سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح سات
 آسمانوں کے اوپر نبی ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدُ بْنُ مَوْحِبٍ وَطَرًا وَوَحِنًا كَهَا ۖ ﴾ (الاحزاب ۴۳)

"جب زید اپنی عیالت اس سے پوری کر چکا تو ہم نے اس کو تیری زوجہ بنا
 دیا۔"

یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ اٹھے اور اجازت لیے بغیر زینبؓ کے گھر چلے
 گئے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ نے تمام ازدواج پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھیں کہ تم کو تمہارے
 متولیوں نے بیاہ دیا ہے اور مجھے اللہ پاک نے سب عادات سے زود رسول اللہ ﷺ
 بنایا ہے۔ غرض یہ امر ان کی خصوصیت میں سے تھا۔ ان کا انتقال ۳۰ھ میں ہوا اور
 بقیع میں دفن ہوئیں۔ ②

① ام سلمہؓ نبی ﷺ کے چوتھی بیوی تھیں۔ اسلام کے لیے پہلے مع شہر
 ہجرت کی پہلی ہجرت مدینہ۔ جنگ اہد کے دشمنوں سے خانہ نے انتقال کیا۔ چار بچے خیمہ رو گئے۔
 ابو بکر صدیق اور عمر فاروقؓ نے چاہا کہ اس سے نکاح کر لیں اور خیمہ بچوں کی پرورش کرتی
 رہیں۔ لیکن ام سلمہؓ نے اللہ سے یہ دعا کہی کہ اگر پہلے شہر سے درجہ میں بہت دور کر
 خانہ لے گا تب شادی کروں گی۔ اس کی حالت پر رحم کھا کر نبی ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔
 (المعروفات مصنف قاضی محمد سلیمان)

② نبی ﷺ نے ان کا پہلا نکاح اصراء کے ساتھ زیدؓ سے کروایا تھا لیکن زینبؓ نے

آنکھوں بیوی: زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ہالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش بنجر کے نکاح میں تھیں۔ ان کا نکاح ۲ھ میں ہوا اور صرف دو ماہ یا تین ماہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ ان کو ام المومنین کہا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مساکین کو یہ کثرت کھانا کھلایا کرتی تھی۔

نویں بیوی: بوہیہ بنت حارث بنجہ قبیلہ بنی مسطلق سے ہیں۔ یہ غزوہ بنی مسطلق میں اسیر ہو کر آمیں اور ثعلبہ بن قیس بنجر کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان کو نکاح کر دیا۔ نبی ﷺ نے اپنے پاس سے روپیہ ادا کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ یہ ۶ھ میں ہوا۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے گھبرے کے سوا غلاموں کو آزاد کر دیا۔ کہا یہ نبی ﷺ کے سسرال ہیں۔

• کی شوہر کے ساتھ نہ بنی اور زید بنجر نے ننگ آزار ان کو چھوڑ دیا۔ گو نبی ﷺ نے زید بنجر کو بھی بہت سمجھایا کہ بیوی تو نہ چھوڑے لیکن اس نے ظاہر کر دیا کہ بیوی کی بر مسوکی ناقص رہداشت اور نہ کو بچھ گئی ہے تو رب العالمین نے نبی ﷺ کو زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا حکم دیا۔ ان سے پہلے نکاح کو دیکھو کہ زینب رضی اللہ عنہا زید بنجر کے ساتھ شادی کرنے میں رضہ مند تھیں مگر آپ کا حکم اسے سہاتا ہے۔ دوسرے نکاح میں نبی ﷺ اس عقد سے باخبر ہیں مگر ہر دوہ کار کا حکم آپ کو مجبور کرتا ہے۔ پوری لوگوں کی بوہیہ کو اس ہے کہ نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی خبر پا کر اسے نکاح کر لیا۔ وہ یہ دونوں باتیں اصولِ اسلام پر جلتے ہیں۔

۱) زینب رضی اللہ عنہا نبی کی سگی بہو بھی بنی تھیں انھوں نے مائے می دور بانی اس کی شکل و صورت کے متعلق کوئی بات ابتداء ہی سے نبی ﷺ پر پوشیدہ نہ تھی۔

۲) زید بنجر کے ساتھ ان کا پہلا نکاح خود نبی ﷺ نے یہ اسرار سے کیا تھا۔ از سر نو ۱) ان کا پہلا نکاح طفیل بنجر بن حارث سے اور دوسرا عبید بنجر بن حارث بنجر سے ہوا۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے حقیقی چچا کے بیٹے ہیں۔ تیسرا نکاح عبید بنجر سے ہوا اور شہید ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ از سر نو ۲) قاسم بن محمد بنجر بنجر

بیک یہ بہت بڑی برکت اس بی بی کو اپنی قوم پر ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔ (رضی اللہ عنہا) ①

دسویں نبوی صلیہ بہت ہی بڑھاپے میں حضرت ہارون نبی پر اور موسیٰ کہیم اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ یہ اسیران قیصر میں سے ہیں۔ پہلے شہر کا نام کنانہ بن ابوالفتح ہے جو قتل ہوا۔ ان کا نکان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ۷ھ میں ہوا اور انتقال ۳۶ھ یا بقول بعض ۵۰ھ میں ہوا۔

ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور آزادی کو ہی حق مقرر دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان کی ذات کو ہی ان کا مہربانیا اور قیامت تک امت کے لیے یہ سنت ہو گئی۔ معنی جائز ہے کہ لونڈی کی آزادی کو اس کا مہربانیا جانے اور زوجہ بنالیا جانے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے نص کر دیا ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صلیہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا ان کو یہودی کی بیٹی کہتی ہے۔ تو وہ رونے لگیں نبی ﷺ ان کے گھر تشریف لائے جبکہ وہ رو رہی تھیں تو آپ نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو تو انہوں نے کہا کہ حفصہ نے مجھے کہا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تو نبی ہارون علیہ السلام کی بیٹی ہے اور تیرے چچا (موسیٰ علیہ السلام) بھی نبی تھے اور اب نبی احمد رسول اللہ ﷺ اسے گھر میں ہے۔ پھر وہ کس بات میں تجھ پر فخر کرتی ہے۔ پھر فرمایا: "اے حفصہ! اللہ سے ڈر۔" ترمذی نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے۔ غرض امر مذکورہ بالا ان کی

① جو یہ بیٹھا کیسی تھی یہ اس سے ثابت ہے جس سال ہوان جس کے حصہ میں وہ آئی در جہان لے کر اسے پھم ڈنا پسند کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس سے نکاح کر لیا اور اس ختم تدبیر سے ایک ۳۰ سے زیادہ بی آدم کو پیش کے لیے لونڈی غلام ہونے سے بچا دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (بادشاہ موت ہونے کے) کہتی ہیں جو وہ جیسا ہمارے نکان کہہ سکتے ہیں آیا ہے جس کی طفیل اس قدر فرزندان آدم کو آزادی نصیب ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے ہر ایک نکان میں ایسے ہی اسرار و رموز ہیں۔ (از مرحومہ مفتاح قاضی محمد سلیمان رحمہ اللہ)

خصوصیات میں سے ہے۔^(۱)

گیارہویں بیوی | میمونہ بنت حارث ہدایہ لکھتی ہیں۔ ان سے نکاح بھی "سرف" میں ہوا اور ہم بستی بھی سرف میں اور ان کا انتقال بھی سرف میں ہوا۔ یہ مقام (سرف) مکہ معظمہ سے سات میل پر ہے۔ اہمات المؤمنین میں یہ لحاظ تزوج سب سے آخری بیوی ہیں ان کا انتقال ۶۳ھ میں ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ کی ماں ام الفضل بھی حارث کی بیٹی ہے۔ نیز یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہما مشہور اسلامی جرنیل کی بھی خالہ ہیں۔ ان کے نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ حالت احرام میں تھا یا احرام سے باہر۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے۔ چنانچہ ابو رافع غیر نکاح کا یہی قول ہے۔ جس نے حالت احرام میں نکاح کا ہونا بیان کیا ہے اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اسی قول کو گیارہ دنوں سے دوسرے پر تقدیم دی گئی ہے جس کی بحث دوسری جگہ ہے۔

(۱) ایران خیر میں سے ہیں وجہ کبھی مکاری کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ یہ بی بی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل اور یہود کے شاہی خاندان سے تھی اس لیے تمام لشکر لے کما کہ ایسی عورت وجہ کو مل جانے کی کوئی وجہ نہیں۔ قریب تھا کہ یہ اختلاف باہمی آزدگی کا باعث ہو جاتا اور دونوں میں پھونک کا بیج بویا جاتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو واپس جانا چاہتی ہے تو تجھے تیرے خاندان میں واپس کر دیا جائے۔ اس نے کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اب انتظار اسلام کرتی ہوں اور واپس جانا نہیں چاہتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا اختلاف اور صفیہ رضی اللہ عنہا کی صداقت دیکھ کر خود اس سے نکاح کر لینے کا فیصلہ فرمایا "لونی فیہ" بلکہ بیوی بنا لیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پدر و پرداد و شوہر اہل اسلام کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ بلکہ یہود اس کے صفیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا اور خاندان میں واپس جانے سے انکار کرنا اسلام کی صداقت کے لیے اعلیٰ دلیل ہے۔ (از مرنیوت مؤلف محمد سلیمان رحمہ اللہ)

الغرض یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہم بستر ہوئے
جیسا کہ حافظ ابو محمد مقدسی وغیرہ نے کہا ہے اور سات ایسی ہیں جن سے نکاح ہوا اور
بہبستری نہیں ہوئی۔

مقصود کا یہ ہے کہ ازواج مطہرات ﷺ پر درود تابع ہے ان کے احترام کا اور
ان کی تحریم برامت کا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دنیا و آخرت میں ہیں۔ جس
عورت سے نبی ﷺ نے بہبستری نہیں کی اور زندگی میں ہی وہ نبی ﷺ سے جدا ہو
گئی اسے ازواج مطہرات کے احکام و درجہ جن کے سر سے نبی ﷺ نے انتقال فرمایا
حاصل نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ أزواجه و ذریئہ و سلمہ تسلیت۔

ذریعت کا بیان

ذریعت کی تحقیق: اس بحث میں ۱۰ مسئلے ہیں اور پہلے مسئلہ میں لفظ کی بحث ہے
اس میں تین اقوال ہیں:

① یہ ذرۃ اللہ الحلق سے ہے۔ جس کے معنی ہیں "اللہ نے خلقت کو پیدا کیا" اور
ظاہر کیا۔ حمزہ کو ثقیل سمجھ کر گرادیا۔ پس اس کی اصل ذرۃ فعلیہ کے وزن پر
ہے۔ ذرۃ سے۔ یہ قول تو صاحب صحاح وغیرہ کا مختار ہے۔

② اس کی اصل ذرۃ ہے۔ جو "چھوٹی بیوی" کو کہتے ہیں۔ پس یہ ذرۃ تھا۔ تغیر
نسب کے طور پر ضم پہلے کر دیا اور حمزہ پیچھے۔ مگر یہ قول چند وجوہات کی بنا پر
ضعیف ہے۔

الف باب نسب کی مخالفت ہے۔

ب حرف "را" کا "یا" سے بدل خلاف قیاس ہے۔

ج ذریعت اور در میں گود اور ر مشترک ہیں مگر معنی کے اعتبار سے ایک کا
مفہوم دوسرے سے جدا ہے۔

اس کا تو مضاعف سے ہے اور ذرۃ معقل ۛ یا مہموزہ ۛ اس لیے یہ اور ہے وہ اور۔

ۛ ذریت ذرا بذرو سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہذروۃ الزباخ۔ گویا دراصل یہ ذرو سے ذروۃ لعلۃ کے وزن پر تھا۔ حرف وکوی سے بدل دیا۔ کیونکہ یا غما قبل ساکن موجود تھی۔

میرے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اشتقاق اور معنی اسی کی مشابہت دیتے ہیں۔ بے شک اس کا مادہ آرم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿جَعَلْ لَّكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنْ الْآفَاقِ أَرْوَاجًا يُدْرِكُكُمْ فِيهِ﴾ (الشوریٰ ۱۱/۴۲)

”جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی انہی کے ہم جنس جوڑے بنائے اور اسی طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پیدا کرتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ النَّارِ وَالْأَشْجَارِ﴾ (الاعراف ۱۷۹/۷)

”اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَكَدَرَّا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ﴾ (التعل ۱۳/۱۶)

”اور یہ بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں۔“

ۛ اذریۃ بمعنی مفعول یعنی مذروۃ ہے ہمزہ کے بدل جانے سے ذریۃ بن گیا ہے۔

○ دو کلمہ ہے جس کے حروف اصلی میں حرف علت ہو۔

○ دو کلمہ ہے جس کے حروف اصلی میں ہمزہ ہو۔

معنی ذریت کی تحقیق: وہ سراسر اس لفظ کے معنی کا ہے، اہل لغت کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں کہ ذریت اولاد صغار و کبار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے

﴿إِنِّي سَخَّرْتُ لَكَ الشَّيْءَ بِأَمْرٍ قَالُوا مِن ذُرِّيَّتِي﴾ (البقرہ: ۱۲۵)

"اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنائوں گا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنایا۔"

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِصْرَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ ذُرِّيَّتُهُم مِّنْ تَعَصُّوهُ﴾ (آل عمران: ۳۳-۳۵)

"اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عیصرؑ کو تمام جہانوں کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے۔"

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمُ الذُّرِّيَّةُ وَآخُوهُمْ﴾ (الاحزاب: ۸۷)

"اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔"

رہا یہ کہ ذریت آباء کو بھی کہا جاسکتا ہے یا نہیں، اس میں دو قول ہیں۔
۱۔ کہا جاسکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَمَا يَكْفُرُ لَكُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُم فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ﴾
"اور ایک شئی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔" (اس: ۱۳۶-۱۳۷)

۲۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لغت میں یہ معنی جائز نہیں کیونکہ ذریت تو الفاظ نسل و عقب کی مثل ہے اس لیے یہ محمول اسفل اعلیٰ درجے کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ وَ ذُرِّيَّتَهُمْ فرمایا ہے اور نسب کی تین جہات اوپر نیچے اطراف بیان کر دی ہیں۔

جس آیت سے قول اول میں دلیل پکڑی گئی ہے وہ دعا کے لحاظ سے ٹھیک

نہیں۔ کیونکہ اس میں کسی طرح بھی ذریت کو اولاد کی جانب مضاف نہیں کیا گیا اور اضافت کا یہ حال ہے کہ اولیٰ تعلق اور خصوصیت سے بھی کی جاتی ہے۔

اضافت اور اسم : اور اسم کا یہ حال ہے کہ مختلف وجوہ سے دو جداگانہ اشیاء کی طرف مضاف ہوتا ہے 'ایک کی جانب اور جہت اضافت ہوتی ہے اور دوسرے کی جانب سمت اضافت اور جنب ابو طالب عمر رسول اللہ ﷺ کا شعر ہے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمَا أَنَّ إِنَّا لَا مُكَذِّبُ

لَدَيْنَا وَلَا تَعْزَى لِقَوْلِ الْآبِاطِلِ

اس میں نبی ﷺ کو اپنا فرزند کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کا فرزند ابو طالب ہونا اور جہت سے ہے اور ابن عبد اللہ ہونا اور سمت سے۔ علیٰ ہذا لفظ رسول کو رکھتے اسے کبھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب مضاف کیا ہے۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ (المائدہ/۱۰)

"تمہارے پاس ہمارا رسول آیا"

اور کبھی سمت کی طرف:

﴿أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ﴾ (المؤمن/۲۳)

"یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا۔"

پہلی آیت میں مرسل کی طرف اضافت ہے اور دوسری میں مرسل الیہم کی جانب۔ علیٰ ہذا لفظ کتاب کبھی اسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور کبھی بندے یوں کہتے ہیں کہ ہماری کتاب قرآن ہے 'ہماری کتاب مس کتابوں سے بہتر ہے۔ ایسی ہی اور بہت سی نظائر ہیں۔

اِنَّا حِطَّلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ کے معنی: پس 'اِنَّا حِطَّلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ' میں لفظ ذریت اور جہت سے ان کی طرف مضاف کیا گیا اور آباء کی جانب اور جہت سے ہوتا۔ ایک گروہ اس آیت کے معنی یہ کرتا ہے کہ یہاں جنس بنی آدم مراد ہے 'اشخاص موجودہ زمانہ نبوی مراد نہیں۔ پس ذریت سے مراد جنس انسانی ہوئی۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ ذریت

سے مراد خود شخص مخاطب ہے اور اظہار قدرت و شمار نعمت کے لیے یہ طریق زیادہ
بلوغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذریت جو صلب آباء میں تھی۔ آباء کو کشتی میں بچا لینے
سے محفوظ رکھی گئی۔ اس پر کامل بحث ہم نے کتاب الروح والنفس میں کی ہے۔
فرض ردیہ، اولاد اور اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں۔

ذریت میں اولاد دختر بھی داخل ہے یا نہیں؟ ذریت میں دختر کی اولاد بھی داخل
ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں منقول
ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں داخل ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نہیں" جو
ذریت میں اولاد دختر کو داخل سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ فاطمہؓ زہراؓ علیہما السلام کی
اولاد کا ذریت نبی ﷺ ہونا سب مسلمانوں کے نزدیک باجملہ صحیح ہے واضح ہو کہ نبی
ﷺ کی بنات طہیات میں سے صرف سیدۃ النساء فاطمہؓ زہراؓ علیہما السلام کی ہی اولاد دنیا میں
باقی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت مسن رحمہ اللہ اپنے نواسہ کو فرمایا تھا:

«إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ!»

"میرا یہ بیٹا سید اسرار ہست ہے۔"

دیکھو یہاں میرا بیٹا فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ ﴿إِنَّ اللَّهَ مَا وَالِدُنَا﴾ نازل
فرمائی تو نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ زہراؓ علیہما السلام کو ہی طلب فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ
نے حضرت ابراہیم کے حق میں فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ
وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ وَرَكَّبْنَا نَارًا وَنَجَّيْنَا
وَالْيَاسِينَ﴾ (الانعام: ۸۶-۸۷)

"اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ
اور ہارون (میں نے ان کو بھی اور ہم نیکوں کا رونا کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں
اور ذکر کیا اور نجاتی اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (میں نے ان کو بھی۔"

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملائی کی جنت
سے ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ذریت میں اولاد دختر داخل نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ

اولاد در حقیقت اپنے آباء سے جنم لیتی ہے، دیکھو اگر ماں ہاشمیہ ہو اور باپ تہمی یا مدوی یا ہزلی تو کوئی شخص اولاد کو ہاشمی نہ کہے گا۔ کیونکہ اولاد نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے اور آزادی و غلامی میں۔ کی اور دین میں جو دونوں میں سے زیادہ نیک ہو۔ نیک شاعر کا قول ہے۔

بُشُوتَا نَبُوًا ابْنَانَا وَنَسَانَا

بُشُوتَا ابْنَاءُ الرَّجَالِ الْاَبَاعِدِ

چنانچہ اگر کسی قبیلہ کے متعلق کوئی وصیت یا وقف ہو تو اس میں اولاد دختر داخل نہیں ہوتی۔ رہا یہ امر کہ فاطمہ زہراؑ کی اولاد نبی ﷺ کی ذریت میں داخل ہے، سو اس کی وجہ سیدہ زہراؑ کی والدہ کریم النفس اور شریف النسب (ﷺ) کا شرف و جلال ہے۔ جس کو اہل دو عالم میں سے کوئی نہیں پاسکتا، یہ نبی ﷺ کی قوت و جلالت اور قدر و عظمت کا باعث ہے کہ نواسوس کو بھی اولاد کا درجہ مل گیا۔

چنانچہ ہم امراء و ملوک میں جب نگاہ کرتے ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ کی جناب رفیع اور بارگاہ عالی سے کچھ بھی نسبت نہیں، تو دیکھا جاتا ہے کہ بے اولادی کی حالت میں وہ اولاد دختر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو نسبت فرزندگی کے ساتھ چشم رغبت سے دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے باپ کا ذکر بھی درمیان سے اٹھا دینا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں تم اس دو دامن عالی اور اولاد عظیم الشان کے لیے کیا خیال کر سکتے ہو جن کی عظمت و جلالت روشن ہے۔

نسب باپ کی طرف سے ہے: رہا مسیح علیہ السلام کا ذریت ابراہیم علیہ السلام میں ہونا یہ کچھ حجت نہیں کیونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں۔ چونکہ باپ کی طرف سے نسب کا قائم ہونا محال تھا اس لیے ماں ہی باپ کی جگہ سمجھی گئی۔ یہی حال ہے اس کا جس کا نسب باپ کی طرف سے نعان وغیرہ کی وجہ سے منقطع ہو گیا ہو کہ ماں نسب میں والدین کی جگہ سمجھی جاتی ہے اور اس وقت وہ عصبہ (اولاد نرینہ کی جگہ) بھی ہوگی۔ صحیح قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی اور مقتضائے نصوص بھی یہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی اور قیاس بھی اسی کی صحت پر شاہد ہے۔ کیونکہ نسب

در اصل باپ کی طرف سے ہے جب ادھر سے منقطع ہو گیا تو ماں کی طرف راجع ہو گا اور اگر کبھی باپ کی طرف نسبت کا صحیح ہونا ممکن ہو جائے تب ماں کی جانب سے لوٹ کر پھر اسی کی طرف راجع ہو گا اور جیسا کہ ص کا اتفاق ہے۔

یہی حال ولاء میں ہے کہ وہ موالی پدر کے لیے ہے۔ لیکن اگر ادھر رجوع محال ہو تو موالی مادر کے لیے ہوگی اور اگر پھر ان کا عود اپنے معدن و قرار کی جانب ممکن ہو تو ادھر ہی رجوع کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ ولاء نسب کی فرع اور اسی کے دوش بدوش ہے۔ پس جب کہ ماں کے عصبات اس موالی کے لیے جس کی تعصب باپ کی نسبت سے منقطع ہو گئی ہے عصبات بن گئے ہیں تو اگر نسب میں ماں کے عصبات کا اس شخص کے لیے جس کی تعصب باپ کی نسبت سے منقطع ہو گئی ہے قائم کی جائے تو اولی طریق ہو گا۔ ورنہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ یہ علم ولاء میں تو ثابت ہو اور نسب میں ثابت نہ ہو۔ جس کی غایت یہ ہے کہ انی کا شبہ اور اسی کی شرافت ہے۔

قیاس صحیح خلاف نص نہیں ہوتا۔ بے شک ایسے مسائل سے ہی پتہ لگتا ہے کہ قیاس صحیح کبھی نص کے خلاف نہیں ہوتا اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا علم کیسا عمیق تھا اور وہ علم کی کس غایت کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک پہنچنا اور لوگوں کے لیے میسر نہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم □

پانچویں فصل

ابراہیم خلیل الرحمن کا ذکر

یہ اسم گذشت نمونے میں سے ہے۔ ابراہیم کے معنی زبان سریانی میں "پدر مریان" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کو اہل عالم کے لیے تیسرا پدر بنایا ہے یعنی پدر اول تو آدم علیہ السلام ہیں اور پدر ثانی نوح علیہ السلام۔ کیونکہ کل دنیا کے باشندے انہی کی اولاد ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴾ اسی آیت سے سورہ نھین عجم کا کذب معلوم ہوتا

ہے جن کا زلم یہ ہے۔

سورہ نھین عجم کی غلطی: کہ ہم نوح علیہ السلام اور فرزند ان نوح علیہ السلام کو نہیں جانتے۔ چنانچہ یہ اپنے نسب کو ان سے منسوب نہیں کرتے بلکہ اپنے بادشاہوں کو آدم علیہ السلام سے جانتے ہیں۔

اور یہ رسوم حواٹ الآباء اور عموم عالم اور امام الخفاء ہیں جن کو اللہ پاک نے غلیل بنایا اور نبوت و کتاب کو ان کی ذریت میں خاص کر دیا وہ غلیل الرحمن نیز شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام شیخ الانبیاء نبی مکیہ نے اس وقت لیا تھا جب آپ کعبہ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ مشرکین نے حضرت غلیل و جناب اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر بنا رکھی ہیں گویا دونوں پائے پھینک رہے ہیں۔ فرمایا مشرکین پر اللہ کی لعنت ہو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کبھی پائے نہیں پھینکے تھے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی کے اتباع کے لیے نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ (المحل: ۱۱۲/۱۲۳)

”پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

امت محمدیہ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الَّذِينَ مِنْ حَرَجٍ قَوْلًا إِلَيْكُمْ أَنْزَاهُمْ ﴾ (الحج: ۷۸/۷۹)

”اور تم پر دین (کی کسی بات) میں سختی نہیں کی۔ (اور تمہارے لیے تمہارے ہاب ابراہیم علیہ السلام کا دین اپنہ کیا)۔“

واضح ہو کہ لفظ ملت منسوب ہے افعال فعل پر اور معنی اس کے یہ ہیں کہ ملت

ابراہیم کا اجتماع و تروم کرو۔ محذوف پر آیت حقدم دلالت کرتی ہے جس میں یہ ہے کہ اجاہلوا ہی اللہ حق حیدہ ان کو انراء کرتے ہیں اور اسی کو منسوب انتساب مصدر یہ اور مال اس میں مضمون ما قبل ہوگا ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کرام و اہل بیت کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ صبح و شام یوں پڑھا کریں۔

«أَصْبَحْنَا عَلَى بَطْنَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَدِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَرِثَةِ آبَائِنَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كُنَّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ»

”ہم نے صبح کی فطرت اسلام پر اھم اخلاص پر اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہو یک رخ اور سچے مسلمان تھے اور اہر گزاشروں میں سے نہیں تھے۔“

ان الفاظ میں فوراً ذکر کہ کیونکر اسلام کو فطرت فرمایا ہے جس کے لیے فطرۃ اللہ الّٰہی فطرۃ الناس علیہ آدینا ہے اور شہادت لا الہ الا اللہ کو کلمہ اخلاص ملت کو حضرت ابراہیم کا بتلایا۔ کیونکہ صاحب ملت وہی ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی عبادت کرنا اور اسی کی محبت ساری محبتوں سے بڑھ کر رکھنا اس ملت کے اجزاء ہیں۔ اور نبی ﷺ کا بتلایا جو دین کامل اور شریعت تامہ و جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام امت کانت خلیف فرمایا ہے۔

﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (النملہ ۲/۱۲۴)

”میں تمہیں سب لوگوں کا امام بنانے والا ہوں“ یوحنا ابراہیم علیہ السلام نے لیا میری اولاد سے (یعنی وعدہ ہے؟) فرمایا! ظالموں سے میرا یہ وعدہ نہیں۔“

اس آیت میں حضرت خلیل علیہ السلام کو امام بھی بتلایا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ آپ کی ذریت میں سے جو ظالم ہو گا اسے رتبہ امامت نہ ملے گا۔ ظالم اس جگہ بمعنی مشرک ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَاكَ أُمَّةً قَالَنَا اللَّهُ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ أَجْتَنَبْتُ لَهُدَّةَ إِلِكُمْ صِرَاطُ مُسْتَقِيمٍ ﴿١١٦﴾

الحمل ۱۶/۱۷۰/۱۲۱

”بے شک ابراہیم (علیہ السلام) اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا۔ اللہ کا مطیع فرمان اور ایک سوا وہ بھی مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔“

امت کے معنی پیشوا اور خیر کی تعظیم دہندہ ہیں۔ قانت کے معنی مطیع رب اور اسی کی عبادت کو واجب کرنے والا ہے۔ ضیف کے معنی اللہ کی جانب رجوع کرنے والا اور غیر سے پیچھے پھرنے والا ہیں۔ جس شخص نے ضیف کے معنی مائل نکلے ہیں اس نے ٹھیک موضوع لفظ کے موافق ترجمہ نہیں کیا بلکہ لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ضیف کے معنی منہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ جو کوئی ایک طرف منہ کرے گا وہ دوسرے سے منہ پھرنے لگا۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا کی تفسیر: چنانچہ قرآن مجید میں ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا اس میں ضیف مضمون واقعہ کے لیے حال مفرد ہے۔ اسی لیے اس جگہ اس کی تفسیر مخلص کی گئی ہے اور آیت صدق و اخلاص پر متضمن ہے۔ کیونکہ دین کے لیے اقامت وجہ کے معنی اپنی طلب و خواہش کو مفرد کر لینے کے ہیں اس طرح پر کہ دل میں غیر کا ارادہ نہ کرتا ہو۔ صدق کے معنی یہ ہیں کہ طلب منقسم نہ ہو اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ مطلوب منقسم نہ ہو یعنی صدق تو توحید طلب کا نام ہے اور اخلاص توحید مطلوب کا۔

المختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے پیر موم اور امام الخفاء ہیں اور اہل کتاب نے آپ کا نام عمود عالم رکھا ہے۔ آپ کی تعظیم و تواتر و محبت پر جمیع اہل عالم متفق ہیں۔ حضرت خلیل کی اوار میں سے بہترین نام زیادہ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی نہایت تعظیم و اجاں اور عزت و احترام کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کو خیراثر پہنچا دیا۔ فرمایا یہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں ایک جگہ نبی ﷺ نے ان کو

اپنا شیخ قربایا ہے اور صحیح بخاری کی حدیث حسن ابن عباس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ سرد پارہت غیر مختون قبروں سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الہاس پٹایا جائے گا۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ خلقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ خلقت (اسمانی بناوٹ) میں تمہارے صاحب (رسول مقبول) سے بہت مشابہ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے مجھے دیکھ لو اور عبادت مبارکہ یہ تھی کہ جو تعویذ حضرت ابراہیم، اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کو دیا کرتے تھے وہی تعویذ نبی ﷺ حسنین علیہم السلام کو دیا کرتے تھے۔ بخاری میں سعید بن جبیر، ابن عباس علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ حسنین علیہم السلام کو تعویذ دیا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے والد بھی اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کو ان ہی الفاظ سے تعویذ دیا کرتے تھے۔ وہ لفظ یہ ہیں:

«أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَا أَمَّةَ»

اولیات خلیل : حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے مہمان نوازی شروع کی اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ختم کیا اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سفید بال پائے چنانچہ دیکھ کر عرض کیا الہی یہ کیا ہے۔ فرمایا وقار، عرض کیا الہی! میرے وقار کو زیادہ کر۔ تم قرآن مجید کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مہمان نوازی ملائکہ کے بارے میں کیسی ثناء فرمائی ہے۔

مہمان نوازی خلیل علیہ السلام: فرمایا:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ صَيْفِ بْنِ هِجَمٍ الْمَكْرُمِيِّ ۚ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۚ فَرَأَى إِلَهُهُ فَجَاءَ بِعَبْدٍ سَمِينٍ﴾ (الذاریات: ۲۷-۳۱)

”اے نبی (ﷺ) ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تمہیں پہنچی

ہے؛ جب وہ اس کے ہاں آئے تو کہا آپ کو سلام ہے، اس نے کہا آپ لوگوں کو بھی سلام ہے۔ کچھ نا آشنا سے لوگ ہیں۔ پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور ایک ایسا ہوا ہوا سونا تازہ چھڑا لاکر مسلمانوں کے آگے پیش کیا۔

اس کلام میں متعدد وجوہات کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثناء مقصود ہے۔ مسمان کی صفت منکر میں فرمائی، جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا اکرام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ وہ مسمان اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب اکرام تھے اور یہ صفت باعث تعریف یوں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام ایسے مکرم مسلمانوں کے میزبان بنتے تھے۔ واضح رہے کہ ہر دو اقوال میں کوئی تضاد نہیں اور آیت میں ہر دو معانی پر دلالت ہے۔

⑤ «اذ دخلوا علیہ» اس میں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے اندر آنے کی اجازت بھی نہ لی تھی۔ اس سے یہ نکلتا ہے کہ مسمان نوازی اور ضیافت پروری کے تذکرے بے حد مشہور تھے اور آپ کا گھر آزاد مسمان سرائے بنا ہوا تھا جس میں داخل ہونے کے لیے اجازت وغیرہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ اندر چلے آنا ہی اجازت میں داخل تھا۔ اس سے حضرت خلیل علیہ السلام کا نہایت دعائیت جو دو کرم نکلتا ہے۔ فرشتوں نے سلام کا بالخصوص کیا اور حضرت نے جواب بالرفع دیا۔ وہ جملہ فعلیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو حدیث و تہجد کا اظہار کرتا ہے اور یہ جملہ اسمیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو ثبوت و تہجد پر دلالت ہے۔ گویا انہوں نے سلفاً سلام کیا اور حضرت نے «سلام علیکم» فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں کے سلام و برکات کا جواب ان سے بہتر و برتر طریق پر دیا۔

⑥ «فؤم منکرؤن» سے پہلے جہداء کو محذوف کر دیا، یعنی گو حضرت خلیل علیہ السلام نے ان کو شناخت نہ کیا تھا تاہم ایسے الفاظ کے استعمال سے جس سے مسمان کو نفرت و وحشت پیدا ہو آپ نے اعراض کیا اور کلام کو لطیف بنانے کی غرض سے جہداء حذف کر دیا۔

⑤ ایہا فعل مفعول پر رکھی اور فاعل کو حذف کر کے منکرون فرمایا اور ائین انکرون نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ یہی مناسب تر تھا اور نفرت یا خشونت کے پہلو کا یہی طریق۔

⑥ «اراع ائین اہلہ» فرمایا۔ لغت میں روعان ایتہ وہاں کر جانے کو کہتے ہیں جس کی خبر دوسرے کو نہ ہو۔ یہ بھی گھر والے سے مہمان کے لیے اکرام ہی ہے کہ اطلاع کے بغیر چپکے سے چلا جائے اور غیر جب ہی ہو کہ کھانا سامنے آ جائے تاکہ مہمانوں کو نہ امت اٹھانا نہ پڑے۔ برخلاف اس کے جو مہمان کو سلیا کرے کہ میں تمہارے لیے روٹی پانی کا فکر کرتا ہوں آپ یہاں ٹھہریں وغیرہ وغیرہ۔ جس سے مہمان کو شرمندہ ہوتا رہتا ہے۔

⑦ «فہذا بعجل مسجین» فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مہمانوں کے لیے کھانا گھر میں ہر وقت تیار رہتا تھا اور یہ ضرورت نہ تھی کہ مہمان آئے بیٹھے ہیں تو آپ ہمسایہ وغیرہ سے قرض و وام یا خرید کا انتظام کر رہے ہیں۔۔۔ «فہذا بعجل» سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی خدمت آپ بذات خود کیا کرتے تھے اور مہمان کی خدمت گزاری خدام کے متعلق نہ رکھتے۔ یہ مطلب فہم اور فہما سے لگتا ہے۔

⑧ «بعجل مسجین» سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تمام گوشت کو لے آئے تھے اس میں سے کچھ حصہ کو خیمیں۔ اس سے بھی حضرت کے کرم و بود کی کثرت و انتہا معلوم ہوتی ہے۔

⑨ «بعجل مسجین» کا مطلب یہ کہ وہ بلا پیر وغیرہ بھی نہ تھا بلکہ چاق و چوبند تھا جسے عام لوگ خوب ننگداشت سے رکھتے اور تربیت کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت خلیل علیہ السلام ایسے ماں کو مہمانوں پر صرف کر دیا کرتے تھے۔

⑩ «قوبۃ الیہم» یعنی کھانا خود ہی آگے نہ کر رکھا خام و وغیرہ کو نہیں فرمایا۔

⑪ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کھانا ان کے سامنے لایا گیا اور ان کو طعام کے پاس جانا نہیں پڑا۔ یہ صورت بھی اکرام مہمان کی ہے کہ کھانا اس کے پاس لایا

جائے نہ یہ کہ کھانا دوسری جگہ رکھ کر کھا جائے کہ چلو اٹھ کر وہاں کھانا کھا لو۔
 ﴿الَّذِينَ لَا يَخْلُونِ﴾ جس کا ترجمہ یہ سمجھو کہ کیا آپ تناول نہیں فرمائیں گے، کیا
 شوق نہ کیجئے گا۔ یہ سچا یہ اس سے بستر ہے کہ کھاؤ ہاتھ بڑھاؤ، کھا جائے۔ اس
 فقرہ کی لطافت خاص لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعہ پر یوں بھی کہا
 کرتے ہیں آئیے بسم اللہ، ذرا صبرائی فرمائیے، نہیں تکلف کیوں کرتے ہو وغیرہ۔

حضرت خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا آگے لا رکھا اس لیے کہ آپ کے مہمان زیادہ اذن
 کے محتاج نہ ہوتے تھے، مگر وہب انہوں نے نہ کھا یا تب ان کو اذنا تَخْلُونِ فرمایا۔
 مطلب یہ کہ کھاتے کیوں نہیں۔ اسی سے آپ کو خوف بھی ہوا، مگر اسے مخفی
 رکھا۔

ان کے کھانا نہ کھانے سے خوف ہوا تھا اسے خود ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ
 فرشتوں نے خود ہی ان کی حالت کو سمجھ کر لا تحف کما اور فرزند کی بشارت
 دے دی۔

غرض مذکورہ بالا آیات میں ضیافت کے تمام آداب جو بہترین آداب ہیں بیان کر
 دیئے گئے ہیں اور ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ محض تکلف و تکلیف اور دکھاوا و بناوٹ
 کا سامان ہے جو لوگوں نے بنایا ہے اور شرف و فخر کے لیے تو یہی آداب کافی ہیں۔ اللہ
 تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ پر اور سیدنا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اور دونوں کی آں پر اور سب انبیاء پر
 درود نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو عظم ان کو ملا تھا۔ وہ انہوں نے پورا کیا۔ چنانچہ
 فرمایا:

﴿أَمْ لَمْ يَلْبَسْنَا لَهُ فِي صُحُفٍ مُّوسَىٰ ۖ وَتَرْهِيْبِهِ الَّذِي وُفِّيَ ۚ﴾

السنن ۵۳/۳۶، ۲۷

”کیا خبر نہیں ملی جو کچھ موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے صحیفوں
 میں، جس نے پورا کر دیا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جملہ شرائع اسلام کو پورا کیا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں جو حکم ہوتا رہا اسے پورا بھلیا۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا يَزَالُ ابْتِغَىٰ زُنْبُهُ بِكُلِّ صَغِيرَةٍ فَأَنزَلْنَا قَوْلَ إِنَّا جَاءُوكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ (البقرہ ۲۶/۱۲۵)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور انہوں نے ان کلمات کو پورا کر دیا اور اللہ پاک نے ان کو خلافت کا امام مقرر فرمایا جن کی اقتداء کی جاتی ہے۔“

کسی نے ان کی ثناء میں کیا خوب کہا ہے۔

جسم تھا نیز ان کا اور مل تھا شیطان کا!
قلب رحمان کے لیے فرزند قربان کے لیے

خلعت اور قربانی فرزند: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل بنایا۔ خلعت کمال محبت کا نام ہے اور اس رتبہ میں دوسرے کی مشارکت و مزاحمت نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند صالح کی بھی دعا کر رکھی تھی ’ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسماعیل علیہ السلام دیئے۔ بیٹے نے دنی توہ کا تھوڑا سا حصہ اپنی طرف کر لیا اس لیے خلیل (اللہ تعالیٰ) کو خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے دل پر غیرت آئی کہ اس میں دوسرے کے لیے کیوں جگہ ہو۔ پس حکم ذبح دے کر ان کا امتحان لیا گیا تاکہ سب لوگوں پر خلعت کا راز ’ محبت خلیل کو محبت فرزند سے مقدم کر دینے سے کھل جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے حکم الہی کے لیے گردن بھکا دی اور اپنے فعل کا عزم کر لیا اور خلعت کے جذب و جوش نے ظاہر ہو کر محبت خلیل پر فرزند قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو کھول دیا اور ایک قربانی کو ان کا فدیہ بنا دیا۔ کیونکہ حکم ذبح میں صرف یہی مصلحت تھی کہ عزم پخت ہو جائے اور حکم پر نفس قائم ہو جائے۔ جب یہ مصلحت حاصل ہو گئی تو ذبح کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ یہ ایسا نہ تھا کہ قیامت تک کے جنا ان کی اتباع میں سنت ہو گیا۔

مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے مشرکین و اہل باطل کے ساتھ دروازہ مناظرہ کو کھولا اور ان کے دلائل کو توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اس مناظرہ کا بھی ذکر کیا ہے جو جمعہ نے لوگوں کے سرخسے کے ساتھ آپ کا ہوا اور اس مناظرہ کا بھی جو مشرکین کے ساتھ ہوا۔ دونوں گروہ کے دلائل کو آپ نے جس طرح شکست دی ہے وہ طریق نہایت عمدہ ہے جس سے فہم بڑھتا اور علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَبَلَّغْ حُجَّتَكَ مَا تَنْتَهِا بِأَرْحَمَ عَلَى قَوْمِهِ تَرْفَعُ دَرَجَتَهُ مَنْ قَسَا يَوْمَهُ (الاعراف: ۸۳)

”یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی، ہم جس کا چاہتے ہیں درجہ بلند کرتے ہیں۔“
زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ اس جگہ درجات کا بلند ہونا حجت اور علم کے ساتھ مراد ہے۔

اعداء کی مخالفت: واضح ہو کہ جب اندائے دین و دلیل میں ان سے ہار گئے اور حضرت خلیل علیہ السلام نے دلیل میں ان کو ذلیل کر دیا۔ نیز ان کے بتوں کو بھی توڑ دیا تو سب نے آپ کی ایذا دی اور آگ میں ڈالنے کا پتہ ارادہ کر لیا۔ بے شک باطل پرستوں کا یہی وتیرہ رہا ہے کہ جب دلیل کے سامنے ذلیل ہو جاتے ہیں تو ایذا رسانی کی فکر میں لگ جایا کرتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے تنگ آ کر کہا تھا کہ: اگر تو میرے سوا کسی دوسرے کو معبود سمجھے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ الغرض آگ بھڑکائی گئی اور مخنیق میں رکھ کر آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ سبحان اللہ یہ سفر بھی کیا عظیم تھا جس کو ایسی استقامت و ثبات کے ساتھ سیدنا خلیل نے کیا تھا جو حضرت کی عظمت اور رفعت شان کے ظاہر ہونے کا موجب اور آنکھوں کے لیے لٹھک کا سبب تھا۔ اس مسافرت میں جبریل امین آسمان و زمین کے اندر ظاہر ہوئے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو کچھ حاجت ہے تو فرمائیے۔ فرمایا: تجھ سے تو کوئی حاجت نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت:

﴿ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

إِيمَانًا وَقَالُوا أَحْسَبُنا اللَّهَ وَرَبَّنا أَلَوْ كَيْفَ يُرِنا ۚ ﴾ (ال عمران: ۱۷۳)

”لوگ تمہارے خلاف جمع میں تم کو ڈرانا چاہتے ہیں اس سے ان کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

کی تفسیر میں کہا ہے کہ تمہارے نبی (ﷺ) نے اے بھی یہی پڑھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ”جب ان کو آگ میں ڈالا گیا یہی پڑھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حضرت پر لھڑک اور باعث سلامتی بنا دیا۔ صحیح بخاری میں اس شریک کی روایت سے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ترے کو مار ڈالنا چاہیے، کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکاتا تھا۔

بناء بیت اللہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے بیت اللہ بنایا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ اب جتنے حج یا عمرہ کرنے والے ہیں اتنا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب و آزار مزید ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمَّا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰہِیْمَ

مُصَلِّی ۖ ۝ الْفُرْقَانُ ۝ ۱۱۳ ﴾

”اور یاد کرو کہ جب ہم نے اس گھر (بیت) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی جگہ پر ہوتا ہے اس مقام کو مستقل بنائے نماز بنالو۔“

اس میں نبی ﷺ اور امت محمدیہ کو حکم دیا گیا کہ مقام ابراہیم کو معمولی قرار دیا جائے تاکہ ظلیل جنت کی واضح پیروی ہو جائے اور آثار قرونِ آدہ رہیں۔ اللہ اکبر! اس امام اعظم نبی اکرم کے مناقب اس قدر ہیں کہ اس کتاب میں نہیں آسکتے۔ ان شاء اللہ اگر عمر نے یاری دی تو میں اس مضمون پر ایک جداگانہ کتاب لکھوں گا جو ان کے بحرِ فضائل میں سے ایک قطرہ یا اس سے بھی کم کی نسبت رکھتی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے من و کرم سے ہم کو اس مقدس بزرگوار کی ملت پر چلنے والوں میں سے بنائے اور ان لوگوں میں سے نہ بنائے جنہوں نے اس ملتِ بیضاء کو پھوڑ دیا ہے۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ نے حضرت خلیل علیہ السلام سے ایک حدیث روایت کی ہے جو متصل روایت کے ساتھ ہمارے تک پہنچی ہے۔ ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں شب معراج کو حضرت ابراہیم سے ملا انہوں نے کہا اے محمد ﷺ! آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجئے اور ان کو بتلا دیجئے کہ جنت پاک زمین اور شیریں پانی والی ہے وہ صاف زمین ہے اور اس کے پورے منحان اللہ والحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔ ترمذی صحیح نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

چھٹی فصل

ایک مشہور مسئلے کا بیان

صلوٰۃ نبوی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ سے وجہ تشبیہ: وہ مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں پھر آپ کے لیے جو صلوٰۃ طلب کی جاتی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی کیونکر ہے۔ حالانکہ مشتبہ بہ کی اصلیت یہ ہے کہ وہ مشتبہ سے برتر ہوتا ہے۔

"گویا دو متضاد امر ہو گئے ان میں جمع کیوں کر ہو سکتی ہے۔"

ہم اس بارے میں لوگوں کے اقوال بھی لکھیں گے اور ان کا صحیح و فاسد ہونا بھی ظاہر کر دیں گے۔

(۱) ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ درود نبی ﷺ نے امت کو اس وقت سکھایا تھا کہ ابھی نبی ﷺ کو یہ بتایا نہیں گیا تھا کہ "آپ فرزند ان آدم کے سردار ہیں۔" اس قول کا قائل اگر خاموش ہی رہتا تو اس کے لیے بستر و اولیٰ تھا۔ کیونکہ یہ درود نبی ﷺ نے جب آپ ﷺ سے "إِنَّ اللَّهَ وَفَلَئِكَ يَضْلُونَ" الایہ کی تفسیر دریافت کی تھی تب سکھایا ہے اور تاقیامت اپنی امت کی نمازوں کے واسطے مشروع

فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو ہمیشہ فرزند ان آدم علیہ السلام سے افضل تھے۔ بتلائے جاتے سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ پھر یہ کہ افضلیت معلوم ہو جانے کے بعد بھی تو آپ نے ان الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں فرمایا اور کسی نے موجودہ الفاظ درود کے خلاف روایت نہیں کی۔ اس وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی غلط جواب ہے۔

② ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ سوال و طلب اس لیے مشروع ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خلیل بنالے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔

اس کا جواب حدیث صحیح سے دیا گیا ہے جس میں دو ان صاحبکھ خلیل المؤمنین ہے۔ یعنی نبی ﷺ خلیل الرحمن ہیں۔ مطلب یہ کہ اس حصول منصب کے بعد الفاظ کو پلٹ دینا چاہئے تھا۔ اس لیے پہلے جواب کی طرح یہ بھی غلط ہے۔

③ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہ درود پڑھنے والے کی طرف رافع ہوتی ہے جو کچھ درود پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرتا ہے کہ اس کے ثواب میں اللہ تعالیٰ مجھ پر ایسی رحمتیں نازل کرے جیسی آل ابراہیم پر کی تھیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے جو صلوة مطلوب ہے وہ ایسی اجل و اعظم ہے جو اہل عالم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

یہ جواب بھی پہلے جوابوں کا سا ہے بلکہ غلطی میں ان سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ تشبیہ مصلیٰ درود نواں اکے لیے نہیں بلکہ مصلیٰ علیہ (نبی ﷺ) کے لیے ہے۔ اب جو شخص اس کے یہ معنی سمجھتا ہے کہ اٹھی! میری درود خوانی کا ثواب مجھے دودے جو آل ابراہیم کو دیا ہے بیشک وہ تحریف کرتا ہے اور کلام کو باطل بناتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں جواب تو ایسے ہیں کہ اگر ان کا ذکر بعض شارحین نے نہ کیا ہوتا اور نقل اقوال بالا میں ورق سیاہ نہ کئے ہوتے اور اس کا نام تحقیق رکھ کر لوگوں کو وہم میں نہ ڈالا ہوتا تب ان کا ذکر نہ کرتا ہی اولیٰ تھا کیونکہ اسی علم کو ایسا قلینے اور رد کرنے میں بھی حیا آتی ہے۔

④ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہ فقط آل پر عائد ہے۔ ان کے نزدیک اُنْھُمْ مصلیٰ

علیٰ محمدؑ تو ایک جداگانہ فقرہ ہے اور و علیٰ آل محمدؑ حکماً ضللت علیٰ
 آل انراہم جدا فقرہ۔ اس کو عمرانی نے شافعی پیشے سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ تو
 ان سے غلط روایت کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ
 ہے کہ ایسا قول کیسے۔ ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کا علم ہی کے دینا ہے
 کہ یہ قول ان کا نہیں۔ یہ تو بہت ہی رکیک و ضعیف ہے کیونکہ اول تو بہت
 حدیثوں میں یہ الفاظ ہیں۔ اللہم صل علیٰ محمدؑ حکماً ضللت علیٰ آل
 انراہم تو پھر تو یہ ہلا کے کیا معنی ہوں گے۔ ادیکھو باب اول ادرم عربیت کے
 لحاظ سے بھی یہ صحیح نہیں کیونکہ جب عامل کا معمول ذکر کر دیا جائے اور
 دوسرے کو اس کا معطوف بنایا جائے اور ظرف یا جار و مجرور یا مصدر یا صفت
 مصدر کی قید بھی ہو تو اس جگہ عامل معمول اور معطوف دونوں پر راجع ہو گا۔
 یہ ایسا قاعدہ ہے کہ عربیت اس کے خلاف دوسری بات کو مان نہیں سکتی۔ جب
 تم یہ کہو گے۔ جاءنی زیند و عمرو یؤم الخفصۃ تو جمع کا ان دونوں کے آنے کا
 ظرف ہو گا خواہ عمرو کا نہیں۔ یا جب تم کہو گے ضربت زیند و عمرو اَصْرَبَا تو
 ضرب کا اثر دونوں پر سمجھا جائے گا۔ یا کو ضربت زیند و عمرو اِنَامُوا لَافِیْرَ تو
 امیر کے سامنے دونوں کا پڑنا نظر آئے گا۔ علیٰ ہذا اور بہت مثالیں ہیں۔ اگر کوئی یہ
 کہے کہ یہ قاعدہ تو جب ہے کہ عامل کا اعادہ نہ ہو، لیکن جب عامل کا اعادہ ہو۔
 تب ایسا کرنا بہتر ہو گا، مثلاً کوئی کہے۔ سلام علیٰ زیند و علیٰ عمرو اذا لقینہ تو
 یہاں کوئی امتناع نہیں ہے۔ اگر اذا لقینہ کو عمرو کے ساتھ مختص کیا جائے۔
 چونکہ یہ بھی و علیٰ آل محمدؑ کہہ کر عامل کو مکرر لایا گیا ہے اس لیے معنی ہلا
 درست ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مثال ہلا تو مسئلہ سلوٰۃ کے مطابق نہیں
 یہ مطابقت تو اس وقت ہوتی جب تم سلام علیٰ زیند و علیٰ عمرو حکماً تسلم
 علیٰ المؤمنین کو اور پھر یہ دعویٰ کر دو کہ تشبیہ صرف عمرو پر سلام کرنے میں
 ہے اور نہ ظاہر ہے کہ ایسا دعا محض باطل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مشبہ بہ مشبہ سے اعلیٰ ہی ہو بلکہ جائز ہے

کہ دونوں متماثل ہوں یا مشبہ ہی مشبہ ہے۔ اہل ہوں۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ گو نبی ﷺ اور وہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متماثل ایکساں و برابر ہیں مگر نبی ﷺ کی افضلیت و بزرگوئی سے ثابت ہے۔

مشبہ ہے سے مشبہ کے افضل ہونے کی دلیل یہ شعر ہے

لَسُوْنَا بِسُوَا اَبْنَانَا وَنَسَانَا

لَسُوْنَا بِسُوَا اَبْنَانَا وَنَسَانَا

واضح ہو کہ یہ قول بھی چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

الف، مشبہ ہے سے مشبہ کا افضل ہونا خلاف معلوم اور قاعدہ تشبیہ کے مخالف ہے کیونکہ عرب کسی شے کو دوسری سے تشبیہ دیتے ہی دیتے ہیں جب وہ اس سے برتر ہو۔

شعر بالا جس سے اس دعویٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے اس پر کچھ دلالت نہیں کرتا۔ اس کی نسبت اہل معانی کے ایک گروہ کا قول ہے کہ یا تو اس شعر میں مقدمہ و مؤخرہ اور خبر مقدم اور بنی ابناؤ کو ابناؤ سے تشبیہ دی ہے اور خبر کو اس لیے مقدم کیا کہ معنی ظاہر ہوتے رہیں اور التباس واقع نہ ہو۔ سو اس صورت میں تو تشبیہ اپنی اسلیت پر ہے اور یا اس جگہ عکس تشبیہ کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ جیسا کہ قمر کو حسن میں روئے روشن کے ساتھ۔

عکس تشبیہ کا قاعدہ: یا شیر کو مرد دلیر کے ساتھ یا دریا کو کامل خنی کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ اس تشبیہ میں حسین و دلیر و خنی کو مشبہ ہے کا درجہ دیا گیا ہے اور عکس تشبیہ میں ایسا جائز ہوتا ہے۔ پس اس شعر میں شاعر نے بنی ابناؤ کو ابناؤ کا (جو بہر حال بنی ابناؤ سے برتر ہوتے ہیں اور چہ دیا ہے اور چہ ابناؤ کو ان سے تشبیہ دی ہے۔ یہ قول تو اہل معانی میں سے ایک گروہ کا ہے مگر میرے نزدیک تو شاعر کا یہ ارادہ ہی پایا نہیں جاتا اس نے تو چاہا اور نواسہ میں تفریق دکھانے کا ارادہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ نواسہ ہمارے بیٹے نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اپنے آباء کے تحت میں ہوتے ہیں ہاں پوتے ضرور ہمارے بیٹے ہیں کیونکہ ہمارے بیٹوں کے تحت میں ہیں۔ پس شعر بالا میں

نبی اہماء سے تشبیہ دی گئی نہ بالعکس۔

اب صلوٰۃ میں دوسرے شخص کا نبی ﷺ سے تسبیح ہو یا یوں درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ نام ہے اجل و اعلیٰ مراتب کا اور محمد رسول اللہ ﷺ افضل المخلوق ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو صلوٰۃ نبی ﷺ کو حاصل ہو وہ دیگر مخلوق سے افضل و برتر ہو۔

پس کوئی شخص اس بارے میں نبی ﷺ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں پھر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا اور تسلیم کے ساتھ اس کو موکد فرمایا۔ یہ خبر اور یہ امر کسی مخلوق کے لیے قرآن مجید میں سوانہ نبی ﷺ کے ثابت نہیں۔ پھر خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے خلقت کو نیکی کی تعلیم دینے والے انہی کا ترجمہ معلم خیر کیا ہے) پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ کی تعلیم سے لوگ دنیا و آخرت کی برائی سے بچ کر فلاح و سعادت دارین کو پہنچ گئے اور ان مومنین کے زمرہ میں جن پر اللہ اور فرشتوں کی رحمتیں اترتی ہیں داخل ہو گئے۔ پس جب نبی ﷺ سے تعلیم یافتہ اس درجہ کے ہیں کہ اللہ اور فرشتوں کی رحمت ان پر ہو تو ان کے معلم خیر یعنی خود نبی ﷺ پر اللہ کی اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا ہونا کس قدر ضروری تھا۔

اب تم خیال کرو کہ جتنے معلم خیر (انبیاء) گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی تعلیم کی فضیلت اور کثرت میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر نہیں نہ امت کو عمدہ نصیحت کرنے میں اور نہ تعلیم دینے کے مصائب پر زیادہ صبر کرنے میں۔ اسی لیے امت محمدیہ تعلیم کے اس درجہ تک پہنچ گئی جہاں تک اور امتیں نہیں پہنچیں اور اس امت کو وہ وہ علوم نافذ و اعمال صالحہ ملے ہیں جن کی وجہ سے یہ خیر امت کہلائی اور لوگوں کی ہدایت کے لیے ذمہ دار تھری اندریں صورت تم خود ہی خیال کرو کہ اس معلم خیر (رسول) کی صلوٰۃ کیوں کر اس بزرگوار کی صلوٰۃ کے برابر ہو سکتی ہے جو تعلیم میں نبی ﷺ کا مماثل نہیں۔

⑥ ایک گروہ کا قول ہے کہ یوں تو نبی ﷺ کو صلوٰۃ خاصہ میں سے ایک ایسا حصہ حاصل ہے کہ کوئی اس حصہ میں آپ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس جگہ جس صلوٰۃ کا سوال ہے۔ یہ اس صلوٰۃ خاصہ سے زائد ہے جو پہلے سے نبی ﷺ کو عطا شدہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی اسی حصہ زائد میں ہے اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں ہے کہ فاضل کے لیے بھی مفضل کی ایک فضیلت کا سوال کیا جائے جس سے فاضل کی خصوصیات فضل پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ ایک شخص کو بہت سا روپیہ دے ' اور دوسرے کو اس سے کم۔ جسے بہت روپیہ دیا گیا وہ پہلے سے غریب تھا اور دوسرا امیر اس پر یہ درخواست کی جائے کہ دونوں کو برابر کا عطیہ عطا ہو تو دیکھو کہ جو پہلے سے امیر تھا وہ بہر حال دوسرے سے (بہت) اس عطیہ میں برابر ہونے کے بھی) بڑھ کر رہے گا۔

لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ پھر ہم کو صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا۔ تو کچھ شک نہیں کہ صلوٰۃ وہی طلب کی گئی ہے جس کی خبر دی گئی ہے نہ اس سے کم درجہ کی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ پاک اور ملائکہ نورانی کی صلوٰۃ اکمل و ارفع ہے مرجوح و مفضل نہیں لیکن بقول اس گروہ کے صلوٰۃ مرجوح طلب کی جاتی ہے نہ رائج۔ اور وہ رائج تب بنتی ہے جب صلوٰۃ خاصہ سے (جو ہم سے طلب نہیں کی گئی) جا کر ملتی ہے۔ اس صورت میں اس قول کے لحاظ ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہا۔ کیونکہ پروردگار سے امت کا سوال ہمیشہ نبی ﷺ کے لیے افضل و اکمل صلوٰۃ کا ہوتا ہے۔

⑦ ایک گروہ کا قول ہے کہ تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے نہ اس کی مقدار اور کیفیت میں اور سوال کا مدعا ہیئت کی جانب راجع ہے نہ مقدار موہوب کی طرف۔

اس کی مثال یہ ہو کہ تم کسی کو یہ کہو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا فلاں شخص کے ساتھ کیا ہے تو اس سے مقدار احسان مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ

صرف احسان کرنا مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (القمر ۷۷/۲۸)

"نہی کر مجھے اللہ نے تجھ سے نیکی کی ہے۔"

دیکھو یہ کس کی طاقت ہے کہ اللہ کے احسانات کے برابر خود احسان کر سکے تو معلوم ہوا کہ مقدار مراد نہیں اصل احسان مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَلَامًا أَوْحَيْنَا إِلَيْنَا نُوحٌ وَاللَّيْلَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ﴾

(الشعرا ۱۶۳/۱۰)

"ہم نے تم سے پاس وحی بھیجی۔ جیسے نوح کے پاس اور ان کے مابعد نبیوں کے پاس بھیجی تھی۔"

یہاں بھی اصل وحی تشبیہ ہے نہ مقدار وحی میں اور نہ جن پر وحی اتری ان کی فضیلت میں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلْيَأْتِنَا بِنَبَأٍ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ آلِ مُوسَىٰ﴾ (الشعرا ۵/۲۶)

"لایئے ہمارے پاس نشانی جیسے پہلوں کو نشانی دے کر بھیجا گیا تھا۔"

اس میں بھی جنس معجزہ مراد ہے نہ کہ نظیر معجزہ۔ فرمایا:

﴿لَا تَسْتَخْلِفْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

(البقرہ ۵۵/۲۴)

"البتہ ان کو خلیفہ بنائے گا ملکوں میں۔ جیسا خلیفہ بنایا ان سے پہلوں کو۔"

سب جانتے ہیں کہ دونوں میں خلیفہ بنائے جانے کی کیفیت مختلف تھی اور اس امت کے لیے اوروں کی نسبت زیادہ تکمیل کے ساتھ تھی۔ فرمایا:

﴿كُنْزٌ عَلَيْكُمْ الْكِتَابُ كَمَا كُنْزٌ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾

(البقرہ ۱۸۴/۲)

"فرض کئے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلوں پر فرض تھے۔"

یہاں بھی تشبیہ اصل صوم میں ہے نہ عین و قدر کیفیت میں۔ فرمایا:

﴿ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴾ (الاعراف ۷/۲۸)

"جس طرح تم کو پیدا کیا اسی طرح واپس لے گا۔"

حالانکہ نشاۃ اولیٰ میں جو مبداء ہے اور نشاۃ ثانیہ میں جو معاد ہے، جس قدر تفاوت ہے وہ ظاہر ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴾

(العرسل ۷۳/۱۵)

"ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا۔ جو تم پر گواہ ہے۔ جیسا کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔"

ظاہر ہے کہ تشبیہ صرف ارسال میں ہے نہ کہ ہر دو رسول کی مماثلت میں۔ حدیث شریف میں ہے:

«لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوا خِمَاصًا وَتَرْمِيْنَ بَطْنًا»

"اگر تم اللہ پر توکل کرو جو توکل کا حق ہے تو تم کو رزق دے۔ جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو جاتے ہیں۔"

یہاں بھی تشبیہ صرف اصل رزق میں ہے نہ کہ مقدار و کیفیت میں۔ غرض اور بھی اس کی نظائر بہت ہیں۔ واضح ہو کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ چند وجوہات کی بنا پر:

الف۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا استعمال اعلیٰ اولیٰ مساوی میں جائز ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ کنبہ والوں سے بھی تم ایسا ہی سلوک کرو جیسا اپنے گھوڑے یا غلام سے کیا کرتے ہو تو یہ جائز ہے۔ پس یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے تو یہ کتنا بھی جائز ہو گا کہ:

«أَصْلٌ عَلَىٰ مُحَقِّدٍ كَمَا صَلَّيْتُ عَلَىٰ أَبِي أَوْفَىٰ كَمَا صَلَّيْتُ عَلَىٰ أَخِيذِ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا صَلَّيْتُ عَلَىٰ أَدَمَ وَنُوحٍ وَغَيْرِهِمْ»

کیونکہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں تھی اور مقدار و صفت میں بالکل نہ تھی۔ اس لیے ایسا شخص جس پر اللہ کی صلوٰۃ ہوئی ہو۔ خواہ وہ کوئی ہو اسی کا نام ہو سکتا ہے۔ لہذا حضرت ابراہیم یا آل ابراہیم کے ذکر کی کوئی مزیت یا فوقیت نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس ذکر سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔ اَلرَّفَقَةُ لِلّٰہِمْ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ دیا جاتا تب بھی کافی تھا۔

ابا جو نظائر بیان کی ہیں۔ وہ صلوٰۃ پر ہی مہیوز کے لیے صحیح نظیر نہیں کیونکہ یہ سب نظائر ۱۱ قسم پر ہیں۔ ایک خبر و طلب۔ جو ان میں سے بطور خبر ہے اس کی تشبیہ سے مقصود استدلال اور سمجھانے کی سموات اور خبر کا بیان کر دینا ہے۔ جس سے کوئی عاقل انکار نہ کر سکے۔ جیسا کہ مشتبہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھو جب اعتراف بدۃ (بار اول پیدائش کا اقرار) موجود ہے تو کہا گیا کہ اعادہ کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی نظیر ہے اور نظیر کا حکم نظیر کے موافق ہے۔

۱۱ اِنَّا اَرْسَلْنَا الْبَنٰتِکُمْ رَسُوْلًا ۝ کے معنی یہ ہیں کہ انکار رسالت کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ پہلے بھی اللہ کے رسول بشارت و اہد و انذار کنندہ آچکے ہیں اور پھر جنہوں نے انکار کیا ان کی بدترین حالت اخذ و عذاب کو بھی تم جان چکے ہو۔

۱۱ اِنَّا اَوْخِیْنَا الْبَنٰتِکُمْ کَمَا اَوْخِیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَ الْیٰسِیْنَ ۝ کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی دنیا کے لیے پہلے رسول نہیں۔ بلکہ صاحبان وحی پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ﴿فَلَمَّا کُنْتُ مَذْعُوْمًا مِنَ الْوَسْلِ﴾ بھی منکر رسالت محمدیہ کے رد میں ہے کہ جب نبی ﷺ بھی ویسے ہی آیات و معجزات بلکہ ان سے اعظم و برتر لے کر آئے ہیں جو پہلے رسولوں کے پاس تھے اور رسول کا آنا تمہارے نزدیک بھی کوئی انوکھی بات نہیں۔ تب محمد رسول اللہ ﷺ بھی دیگر انبیاء کی طرح رسول ہیں۔

۱۱ لَیْسَتْ خُلُفَتُہُمْ لَہِ الْاَرْضُ کَمَا سَخَفَ ۝ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت سے جو مخلوق کے بارے میں ہے اور حکمت سے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، خبر دی ہے کہ جو ایمان لایا اور عمل صالح کئے اسے زمین میں حکمت دی جاتی ہے۔ اور اس کے لیے خلف چھوڑا جاتا ہے۔ اسے ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کے سلسلہ کو قطع

نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ منکذیں رسول ہلاک اور ان کے سلسلے قطع کر دیے جاتے ہیں۔ غرض اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی خبر دی ہے اور مومنین و مصدقین کے ساتھ جو معاملہ ہوتا رہا ہے وہ بتایا ہے کہ متبعین محمدی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔

﴿لَا تَأْتِيَكُمْ تَوَكُّلُونَ عَلَى اللَّهِ﴾ کے معنی بھی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ متوکلین کو رزق دیتا ہے جہاں سے وہ نہیں جانتے اور وہ رزق سے کبھی خالی نہیں رہتے جیسا کہ تم ظہور کو دیکھتے ہو کہ صبح گھونسلے سے بھوکے نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے اور وہ شام کو میر ہو کر آشیانہ کو آتے ہیں۔ چونکہ تم (انسان) جملہ حیوانات سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باکرام ہو۔ پس اگر تم بھی توکل کرنے لگو تو ضرور ایسی جگہ سے رزق دیئے جاؤ گے۔ جہاں سے نہیں جانتے اور کوئی شخص تمہارے رزق کو روک نہ سکے یہ سب نظائر تو "اخبار" کے قبیل سے ہیں۔

ری قسم طیب و امر اس سے مقصود غلت پر آگاہ کر دینا اور جزا کا جنس عمل سے ہونا ظاہر دینا ہوتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہیں گے۔ «اعلم كما علمك الله» یا «أحسن كما أحسن الله إليك» تو اس میں مامور نعمت کے شکر یہ پر جو اللہ نے اسے ارزانی فرمائی آگاہ کر دینا ہوتا ہے اور یہ ظاہر دینا کہ اس نعمت کی جزا اسی کی جنس سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وجوہ ہلا میں سے کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا اور اس ذات پاک پر کوئی وجہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ چونکہ «صلی علیہ وسلم» واقع ہوا ہے۔ اس لیے ذکر تشبیہ لغو ہوا جاتا ہے۔ بس کا کچھ فائدہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ الفاظ درود کو ایسا سمجھنا جائز نہیں ہے۔

(ج) «كما صليت على آل إبراهيم» مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے صلوة بمنزل صلوتك على آل إبراهيم اور اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ مشبہ کی صلوة مشبہ بہ کی صلوة سے مماثل ہو۔ اس لیے حقیقت کلام سے رد و ردائی کرنا مناسب نہیں۔

(د) ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ تشبیہ درود خوانوں کی ایک ایک صلوة کے ساتھ

حاصل ہے۔ گویا ہر ایک درود خواں جس نے ان الفاظ کے ساتھ نبی ﷺ پر درود بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ اپنے رسول پر اس قدر صلوة بھیجے جس قدر آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے۔ جب ہر ایک درود خواں آل ابراہیم کی صلوة کے برابر کا سوال کر چکا تو رسول کریم ﷺ کو چند در چند لا تعداد اور ان گنت درود حاصل ہو جائیں گے۔ جن کے برابر کسی کو نصیب نہیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک کو ہزار روپیہ دیا۔ پھر رعیت کے تمام اشخاص نے مل کر ایک دوسرے شخص کو ہزار روپیہ دینے جانے کی ہدایت کی درخواستیں کیں۔ جب ہر ایک کی درخواست پر ہزار ہزار روپیہ اس دوسرے کو ملنے لگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس اتنے ہزار روپیہ ہی ہو جائیں گے جس قدر سالکوں کی تعداد ہے۔

اس تقریر کے بعد انہوں نے خود یہ اعتراض وارد کیا کہ یہ تشبیہ تو صلوة کی اصل اور افراد میں سے ہر فرد پر واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اشکال ویسا ہی رہا اور جب اس استحقاق سے کم ہے تو اس کے منصب کے لائق نہیں پھر اس کا جواب یہ ہے کہ اشکال تب وارد ہوتا ہے جب حکم تکرار نہ ہو۔ مطلوب امت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلوة کے بعد صلوة کا سوال کیا جائے۔ جس میں سے ہر صلوة اس صلوة کے برابر ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اس صورت میں نبی ﷺ کی صلوة حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوة کے مقابلہ میں بے شمار ہوں گی۔

لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ یہاں تشبیہ اس درود میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ پر ہے نہ اس درود میں جو درود خواں پڑھتا ہے۔ الفاظ درود کے معنی تو یہ ہیں کہ الٰہی نبی ﷺ کو وہی کچھ عطا فرما جو تو نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا ہے۔ گویا صلوة ابراہیم علیہ السلام کے مساوی صلوة کا سوال ہے۔ اب یہ سوال جس قدر تکرار ہوتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ کے لیے ایسی صلوة کا سوال کیا جو نبی ﷺ کے استحقاق سے کم ہے اس صورت میں یہ سوال اور اس کا تکرار تو جانب اشکال کو ہی قوی کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ تشبیہ اصل

صلوٰۃ اور اس کے ہر فرد میں واقع ہے اور یہاں تکرار سے اس کا کوئی جواب قائل نہیں دے گا۔ کیونکہ محض تکرار مشتبہ بہ کو مشتبہ سے قوی نہیں بنا سکتا اور مقصدائے تشبیہ کو نہیں چٹ سکتا۔ ہاں اگر تکرار ایسا کر سکے تب یہ جواب نافع ہو سکتا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ تکرار سے مشتبہ کے قوت و فضل میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر مشتبہ بہ اس سے کیونکر کم ہو سکتا ہے؟ نیز کم درجہ کے مشتبہ بہ سے کیونکر تشبیہ درست ہو سکتی ہے؟ اس لیے جواب بالا میں جو ضعف قیادہ ظاہر ہے۔

⑩ ایک گروہ کا قول ہے کہ آل ابراہیم میں انبیاء ہیں اور ان محمد میں نہیں۔ جب نبی ﷺ اور ان کی آل کے لیے مثل اس صلوٰۃ کے جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو ملا ہے اور خواست کی گئی تو ظاہر ہے کہ آل محمد ﷺ کو تو اس میں سے اسی قدر ملے گا جس کے وہ لائق ہیں۔ تو اس صورت میں انبیاء کے حصہ کی زیادتی نبی ﷺ کو ہی ملے گی اور وہ مزیت و فوقیت حاصل ہو جائے گی جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

تقریر اس کی یوں ہے کہ میدنا ابراہیم اور ان کی آل ابس میں انبیاء ہیں ان کے صلوٰۃ حاصل کو محمد ﷺ اور آل محمد پر تقسیم کرنے لگے۔ اب اس میں کچھ شک نہیں کہ آل محمد کو آل ابراہیم کے برابر کا حصہ نہیں مل سکتا۔ ان کو تو ان کے استحقاق کے موافق ہی ملے گا۔ پھر باقی رہ جائے گا نبی ﷺ کا حصہ اور وہ حصہ جو آل پر تقسیم کرنے سے بچ رہا ہے۔ اس لیے مجموعہ جو کچھ نبی ﷺ کے حصہ میں رہا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاصل شدہ سے افضل و اعظم ہے۔ یہ معنی اپنے سے پہلے تمام معانی سے پسندیدہ تر ہیں۔

⑪ اس سے بھی عمدہ یہ ہے کہ محمد ﷺ بھی آل ابراہیم سے ہیں بلکہ بہترین آل ابراہیم ہیں۔ علی بن ابی طالب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے «ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحا و آل ابراہیم و آل عسراں علی الغلبین» کی تفسیر میں کہا ہے کہ محمد ﷺ آل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں۔ اب جس وقت ہم «کما صلیت علی آل ابراہیم» کہیں گے تو اس صلوٰۃ میں بھی رسول اللہ ﷺ مع جملہ انبیاء از دست

ابراہیم سلام اللہ علیہم شامل ہوں گے۔ اس کے بعد ہم کو حکم ملا کہ نبی ﷺ اور نبی کی آل پر خصوصیت کے ساتھ اس صلوٰۃ کا سوال کریں جس کا سوال جملہ آل ابراہیم کے لیے مع نبی ﷺ کے عمومیت کے ساتھ کر چکے ہیں۔ چونکہ آل محمد کو وہی ملے گا جو ان کا حق ہے۔ اس لیے باقی سب کا سب نبی ﷺ کے لیے رو جائے گا۔

تقریر اس کی یہ ہے کہ جو صلوٰۃ مجموعہ آل ابراہیم ﷺ کو حاصل ہے جس کے اندر نبی ﷺ خود بھی ہیں۔ وہ اس صلوٰۃ سے اکمل ہے جو نبی ﷺ کو (دیگر افراد آل ابراہیم ﷺ کا حصہ نکال کر) حاصل ہے۔ لیکن نبی ﷺ کے لیے خصوصیت سے جو سوال کیا جاتا ہے۔ یہ اس صلوٰۃ کے برابر کا سوال ہے جو جملہ آل ابراہیم نبی ﷺ کو حاصل تھا اور ظاہر ہے کہ یہ امر عظیم ہے اور قطعاً اس سے زائد ہے جو آل ابراہیم ﷺ کو حاصل تھا۔

اب فائدہ تشبیہ بھی ظاہر ہو گیا اور تشبیہ اپنی اصلیت پر بھی جاری ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس لفظ کے ساتھ جو صلوٰۃ نبی ﷺ کے لیے مطلوب ہے۔ وہ غیر نبی کے مطلوب سے عظیم تر ہے کیونکہ وہ اس سے مطلوب مشتبہ بہ کی مثل ہے اور اس مشتبہ بہ کے اندر نصیب وافر نبی ﷺ کا ہے۔ اس لیے مشتبہ مطلوب بالضرور اس حصہ سے جو صرف ابراہیم ﷺ کے لیے ہے اکثر و وافر ہو گا۔ کیونکہ مشتبہ بہ میں جو حصہ صرف نبی کو بھی حاصل تھا وہ بھی شامل شدہ ہے۔ اس معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر جس میں انبیاء ہیں۔ نبی ﷺ کا فضل و شرف بھی ظاہر ہو گیا اور نبی ﷺ کے درجہ اور منصب علیا کے لائق بھی بات بن گئی اور یہ درود اس مقام فضیلت اور اس کے اسباب و تقاضوں پر جو تابع فضیلت ہیں 'دلائل' کنندہ ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل محمد (ﷺ) و آل محمد پر صلوٰۃ بھیجے اور بہت بہت سلام نازل فرمائے اور ہماری جانب سے نبی ﷺ کو جزا دے۔ اس سے بڑھ کر جو کسی نبی کو اس کی امت کی جانب سے دی جائے۔

ساتویں فصل

ایک عمدہ نکتہ اس حدیث کے متعلق جس میں سیدنا و مولانا محمد و آل محمد کی صلوٰۃ مطلوبہ کو ابراہیم علیہ السلام و آل ابراہیم علیہم السلام کی صلوٰۃ کے مثل کہا گیا ہے۔

واضح ہو کہ کل صحیح و حسن حدیثوں میں نبی ﷺ و آل محمد کا ذکر تو صریح ہے۔ رہا مشتبہ۔ یعنی سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل۔ سو یا تو فقط آل ابراہیم کا ذکر ہے یا صرف ابراہیم (علیہ السلام) کا۔

اور کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں ابراہیم و آل ابراہیم ہو۔ جیسا کہ محمد و آل محمد ہے۔ اس جگہ ہم احادیث وارہ کا کچھ ذکر کریں گے اور پھر نو کچھ رب کریم نے ہم پر ظاہر کیا ہے وہ گزارش کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ حدیث صحیح چار دہوہ پر ہے۔

① مشہور ترین حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی ہے۔ جسے امام بخاری 'مسلم' ابوداؤد 'نسائی' ابن ماجہ اور امام احمد رحمہم نے روایت کیا ہے۔ اس میں «کنا صلیت علیٰ ابراہیم» اور «کنا ہارکت علیٰ آل ابراہیم» وارد ہوا ہے اور ترمذی کی روایت میں «کنا صلیت علیٰ ابراہیم» اور «ہارکت علیٰ آل ابراہیم» ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔ اور ایک روایت میں «کنا صلیت علیٰ ابراہیم» اور «کنا ہارکت علیٰ آل ابراہیم» ہے۔

② صحیحین میں ابو حمید ساعدی کی حدیث میں «کنا صلیت علیٰ ابراہیم» اور

«كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ» ہے اور ایک روایت میں «كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ» ہے اور دونوں جگہ «آلِ اِبْرَاهِيْمَ» کا ذکر نہیں۔

(۳) بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں «كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ» اور «كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ» ہے۔

(۴) مسلم میں ابو مسعود بڑھڑ انصاری کی روایت میں «كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ» اور «كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ» ہے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں «كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ» ہے۔ یعنی «آلِ اِبْرَاهِيْمَ» کا ذکر نہیں۔

غرض ان مشہور احادیث کے یہی الفاظ ہیں جس سے یہ چار صورتیں نظر آتی ہیں۔

(۱) اکثر میں لفظ آلِ ابراہیم ہر دو جگہ ہے (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

(۲) بعض میں لفظ ابراہیم ہر دو جگہ ہے۔ (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

(۳) بعض میں لفظ ابراہیم اول (صلوٰۃ) میں اور لفظ آلِ ابراہیم دوم (برکت) میں ہے۔

(۴) بعض میں اس کے گھس ہے۔

لیکن یہ ابراہیم و آلِ ابراہیم کا ایک درود میں جمع ہونا اسے بیوقوفی نے سنن میں یحییٰ بن سباق کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ دارقطنی نے ابن اسحاق کی روایت سے ابو مسعود انصاری بڑھڑ کی حدیث میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو حسن متصل کہا ہے۔ نسائی نے موسیٰ بن طلحہ عن ابیہ کی حدیث میں بھی جمع کے ساتھ روایت کی ہے اور پھر دونوں جگہوں میں صرف ذکر ابراہیم کے ساتھ بھی۔ ابن ماجہ نے سنن میں ابن مسعود کی حدیث موقوفہ روایت کی ہے اور دونوں لفظ جمع ہیں۔

ان کے سوا عموماً احادیث جو صحاح و سنن میں ہیں۔ اول تو ان میں صرف آل

ابراہیم پر اکتفاء ہے یا صرف ابراہیم پر۔ (دونوں جگہوں میں) یا ایک جگہ آل ابراہیم اور ایک جگہ ابراہیم پر۔ چنانچہ حدیث ابو ہریرہ انور شروع کتاب میں ہے اس میں بھی ایسا ہی ہے۔

پس جن احادیث میں صرف حضرت ابراہیم کا دونوں جگہ (صلوٰۃ درست) کا نام آیا ہے۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جس درود کی تشبیہ دی گئی ہے اس میں اصل حضرت خلیل ہی ہیں اور آپ کی آل آپ کی تبعیت میں ہے اور متبوع کا ذکر تابع پر دلالت کیا کرتا ہے اور تابع اسی کے تحت میں ہوتا ہے اور ہدایہ اس کے ذکر کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جس جگہ صرف آل ابراہیم بیان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خود بھی اس کے اندر داخل ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ عربیت بیان ہو چکا۔ پس آل ابراہیم کہہ دینے سے آپ کے ذکر کی حاجت نہ رہی اسی میں خود حضرت خلیل اور آل دونوں آگئے اور جن احادیث میں ایک جگہ آل ابراہیم ہے اور دوسری جگہ آل ابراہیم، وہاں دونوں اصولوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے متبوع کا ذکر کر دیا جو اصل ہے (اور تابع اس کے تحت میں ہے) پھر اتباع کا لفظ آل کے ساتھ ذکر کر دیا جس کے اندر متبوع خود بھی شامل ہے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لفظ محمد و آل محمد کا اکٹھے اور ابراہیم یا آل ابراہیم کا الگ الگ عموماً احادیث میں کیوں ذکر ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کا ذکر مقام طلب و دعا میں ہے اور حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ کا ذکر بطور خبر و تذکرہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ» جملہ طلبیہ ہے اور «مُحَمَّدٌ صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ» جملہ خبریہ جملہ طلبیہ جب دعا و سوال کے موقع پر واقع ہوتا ہے تو اس کا بسط و تطویل ہی زیادہ مناسب ہے اور اختصار و حذف نہیں۔ اسی لیے اس کا تکرار و اعادہ شروع ہوا۔

طول دُعا کا راز: بے شک یہ دُعا ہے اور اللہ تعالیٰ دُعا میں الخراج کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تم نبی ﷺ کی اذعیہ میں دیکھو گے کہ الفاظ کو بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور ہر معنی کا ذکر صریح لفظ کے ساتھ ہوا ہے اور اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ دوسرا لفظ اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ مثلاً اس دُعا کو لو جسے مسلم میں حضرت علیؓ جرحہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أُنْتُ
اعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ»
”اے! مجھے بخش دے جو کچھ میں نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا۔ جو کچھ میں
نے چھپایا اور جو علانیہ کیا اور جو کچھ تو میری حالت جانتا ہے۔ تو ہی مقدم
ہے تو ہی مؤخر ہے“ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔“

ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کے مقابلہ میں:
«اغْفِرْ لِي كُلَّ مَا صَنَعْتُ»

”سب کچھ جو میں نے کیا وہ مجھے بخش دے۔“

کہا جائے تو اس میں ایجاز ہے۔ لیکن چونکہ الفاظ حدیث دُعا و تضرع اور التماس
عبودیت و فقر میں ہیں اور ان جملہ انواع کا جن سے بندہ توبہ کرتا ہے ’تفصیلاً پیش نظر
رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے ایجاز و اختصار سے بھی زیادہ موزوں اور بلند ہیں۔ ایک
دوسری روایت میں ہے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةُ وَجَلَّتْ سِرُّهُ وَعَلَانِيَتُهُ أَوَّلُهُ
وآخِرُهُ»

”اے! میرے تمام گناہ بخش دے جو چھپے ہوئے ہوں یا بڑے‘ مخفی ہوں یا علانیہ‘
پہلے ہوں یا پچھلے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَأَسْرَافِي فِي أَمْرِي وَأَنْتَ
اعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جُلْدِي وَهَزْلِي وَخَطِيئَتِي وَعَمَلِي»

وَكُلُّ ذَلِكَ عَنِیَّ

”اے میری خطا، میری جمالت، اور کام میں بڑھ کر چلنا جس کو تو بخوبی جانتا ہے بخش دے۔ اے میرے ارادی گناہ اور لغو حرکتیں، دانست و نادانست قصور کہ یہ سب حالتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ معاف کر دے۔“

غرض یہ بات ادعیدہ، ماثورہ میں بکثرت ہے کیونکہ دعا کی حقیقت اللہ پاک کے حضور میں اپنی عبودیت اور فقر اور تذلل کا ظاہر کرتا ہے۔

حقیقت دعا: پس جس قدر زیادہ بندہ اس کو طول دے گا، بڑھائے گا، دہرائے گا۔

از سر نو شروع کرے گا۔ اسی قدر اس کی عبودیت و تذلل اور اظہار فقر کے مناسب

حال ہو گا اور یہی امر پروردگار سے قریب تر ہونے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کا

باعث ہو گا۔ یہ خاص امر عبادت مخلوق کے برخلاف ہے۔ کیونکہ مخلوق کے پاس جب

سوال کی کثرت ہوتی ہے اور بار بار حاجات پیش کی جاتی ہیں، اسے سائل بارگزرنا

ہے اور اس کی طرف سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور اگر سوال نہ کر دے تب وقار قائم

رہتا اور محبت بنی رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سوال کرو گے اس کا

قرب بڑھتا جائے گا اور اس کے پیارے بنتے جاؤ گے اور جتنی زیادہ گزراہت دعا

میں ہوگی اتنی ہی اللہ کی محبت تمہاری جانب بڑھ جائے گی۔ جو شخص اللہ سے سوال

نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تو

سوال نہ کرنے سے غضب ناک ہوتا ہے اور بندے سوال کرنے سے خفا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلوب، زیادہ طلب سے زیادہ ملتا ہے اور طلب ناقص ہو

تو کم۔ رہی خبر وہ تو امر واقع شدہ کا ذکر ہے جو ہو چکا ہے اور جس میں زیادت و نقصان

کا احتمال نہیں۔ اس لیے اس میں طول دی سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب

کہ مخاطب کو توضیح و تفسیم کی ضرورت نہ ہو۔ اس وقت تو ایجاز و اختصار ہی احسن و

اکمل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی لفظ ابراہیم واقع ہوا ہے اور کبھی آل ابراہیم۔ کیونکہ

دونوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔ رہا مقام طلب پس اگر

صرف ”صلی علی محمد“ کہا جاتا تو صلوة بر آل پر دل نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ تو التجا و

درخواست کا موقع تھا کہ کسی امر واقع شدہ کی اطلاع دینی کا اور اگر صرف اصل علی آل محمدؑ کا جانا۔ تب نبی ﷺ عموم میں داخل ہوتے۔ اس لیے درود شریف میں «صلی علی محمد و علی آل محمد» کہا گیا۔ اس سے یہ خصوصیت بھی نبی ﷺ پر درود ہو گیا اور آل کی شمولیت میں بھی۔

واضح ہو کہ ایسے مقام پر لوگوں کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ گو نبی ﷺ کا ذکر مبارک جداگانہ موجود ہے۔ تاہم آل محمد کے لفظ میں بھی آپ داخل ہیں۔ گویا نبی ﷺ کا ذکر خیر دوبار ہوا۔ اس لیے درود بھی حضور پر مکرر پہنچا۔ یہ طریق تو اس شخص کے مذہب کے موافق ہے جو خاص کے بعد عام کا ذکر ہونے سے خاص کو عام کے اندر بھی شامل سمجھا کرتا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ خاص کا ذکر خصوصیت سے ہونا دلالت کرتا ہے کہ خاص عام میں داخل نہیں۔ اس طریق کے موافق بھی الفاظ درود شریف میں چند فوائد پائے جاتے ہیں۔

الف۔ چونکہ نبی ﷺ نوع عام سے اشرف تھے۔ اس لیے جداگانہ لفظ سے مخصوص کئے گئے تاکہ نوع برتر و متمیز ہونے کی وجہ سے خصوصیت لفظی میں بھی اعتبار رہے۔

ب۔ اس طریق سے نبی ﷺ کی اختصاص و فوقیت پر جو لفظ عام کی مندرجہ تحت انواع پر حاصل ہے آگئی ہو گئی۔

ج۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ صلوٰۃ نبی ﷺ پر توفی الاصل ہے اور آل پر جمعیت میں۔

د۔ ذکر مبارک کے خاص کر دینے سے عدم تخصیص کا توہم جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا صرف لفظ عام کے اندر مذکور ہونا جائز نہیں۔ بلکہ نبی ﷺ کا ذکر تو مراد اصلی اور مطلوب قطعی ہے۔ «صلی اللہ علیہ و آلہ یغفر حسبه و کمالہ»۔

آنحویں فصل

اللّٰهُمَّ تَبَارَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ کے معنی اور برکت کی شرح

واضح ہو کہ برکت کی حقیقت ثبوت و لزوم و استقراء ہے «برک العبر» جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے۔ «مبرک» «بیٹھنے کی جگہ» «برک» «بر ایک ثابت اور قائم چیز» «برک الابل» «اونٹوں کی کثرت» «برک» «موس» «کیونکہ پانی اس میں جمع رہتا ہے» «برک» «تلالی میں ثابت رہ کر سعی و کوشش کرنا» «ایک شاعر کا قول ہے۔
وَلَا يُشْجَى مِنَ الْغَمَرَاتِ إِلَّا

مِرَاكَا الْفَيْسَالِ أَوْ الْقَبَارِ

برکت کے حصول اور کثرت کی دعا کرتا۔ «بارک اللہ تبارک فہ تبارک علیہ تبارک
لہ» «یلا ہاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (النمل ۲۷/۱۸)

«مبارک ہے جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔»

«وَتَبَارَكَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اسْحَاقَ»

«وَتَبَارَكَا فِيهِ»

«اسے اور اسحاق علیہ السلام کو برکت دی۔» «برکت کی تم نے اس میں ا

دعائے قنوت کے الفاظ ہیں:

«وَتَبَارَكَ لِي فِي مَا أُعْطِيتُ»

حدیث سعد جہتر میں ہے:

«بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ»

مبارک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے:

﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مربہ ۱۹/۲۱)

"اور بابرکت کیا جوں بھی میں رہوں۔"

قرآن مجید کی شان میں ہے:

﴿وَهَذَا ذِكْرُ مُبَارَكِ الرَّسَالِ﴾

"اور یہ بابرکت ذکر ہم نے تمہارے لیے نازل کیا۔"

دوسری جگہ ہے:

﴿يَكُنْ أَزْوَاجًا لِّكَ خَيْرٌ﴾ (اسہ ۲۹/۳۸)

"یہ ایک بڑی برکت والی کتب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔"

بے شک قرآن مجید کو مبارک کہا جاتا سب سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ خیر و منافع کی کثرت اور جملہ وجوہ برکت اس میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے لفظ تبارک کا استعمال فرماتا ہے۔ مبارک نہیں۔

ایک گروہ کا جس میں جوہری بھی ہے "قول ہے کہ تبارک بمعنی بارک ہے۔ مثل

قاتل اور قاتل کے۔ فرق یہ ہے کہ قاتل متعدی ہے اور قاتل متعدی نہیں ہوتا۔

یہ قول محققین کے نزدیک غلط ہے۔ بے شک تبارک (بروزن قاتل) برکت سے

ہے اور یہ اللہ پاک کی ثناء ہے۔ اس سے وہ وصف ظاہر ہوتا ہے جو اسی کی جانب

راجع ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ تعالیٰ کہ وہ بھی علو سے بروزن قاتل ہے۔ اسی لیے یہ دونوں

الفاظ ایک ساتھ لکھے ہوئے جاتے ہیں اور تبارک و تعالیٰ کہا جاتا ہے۔ دعام قنوت میں

بھی "اَتَبَارَكَ وَ تَعَالَى" ہے۔ بیشک اللہ پاک سب سے زیادہ ان الفاظ کا پورا مستحق

ہے۔ کیونکہ تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام خیر اسی کی جانب سے ہے اور اسی

کی جملہ صفات کمال ہیں۔ اس کے جملہ افعال حکمت و رحمت و مصلحت و

خیرات ہیں۔ جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں۔

حدیث نبوی ہے ﴿الشُّرَافَةُ إِلَيْنَا﴾ بیشک شرف تو اس کے مفعولات و مخلوقات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں۔ فرض جب بندہ یا اور چیزوں کو بھی مبارک کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی اسباب خیر کے اتصال سے کثرت خیر و نفع پائی جاتی ہے اور دیگر اشخاص بھی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی شان کے شباباں ہے کہ وہ مبارک ہو تبارک و تعالیٰ کی جگہ تعظیم و تعالیٰ بھی بولتے ہیں۔ یہ ثناء اللہ پاک کی عظمت اور خیر کی مداومت و کثرت نیز اسی ذات کی صفات کمال کی جامعیت پر دلیل ہے۔ پس جو نفع عالم میں ہے یا ہو گا وہ اللہ پاک کے نفع بخشی و احسان فرمائی سے ہے۔ علیٰ ہذا یہ لفظ دلیل ہے عظمت و جلال اور علو شان الہی پر۔ اس لیے اس کا ذکر غالباً بیان جلال و عظمت و کبریائی کے آغاز میں ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّا رَبُّكَ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُ حَشِيشًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۵۴)

”تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے و درخت اور سورج اور چاند اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔ بڑا باہرکت ہے اللہ ہمارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔“

فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان: ۱)

”نہایت حیرت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ اہل عالم کو ڈرائے۔“

فرمایا:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝ ﴾ (المرج ۴۵، ۴۶)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اس میں چاند رکھا اور روشن چاند بنادیا۔"

فرمایا:

﴿ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَمْ يَكُنْ لَكَ الْشَمْسُ وَالْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا وَجَنَدُكُمْ يَلْمُ السَّاعَةِ وَيُلْبِسُكَ تُرَحُّوتَ ۝ ﴾ (الاسراء ۸۵)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس کی آسمان اور زمین میں ہاشمی ہے اور ان دونوں کے درمیان کی۔ اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔"

فرمایا:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي يَسِيرُ الْمَلَكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾ (الملك ۶۷، ۶۸)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہاشمی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

انسان کی پیدائش کی سات حالتوں کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ﴾ (المومنون ۲۳، ۲۴)

"پس بہت برکت بخشے والا ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

دیکھو اللہ نے تبارک کا ذکر ان مقامات میں کیا ہے۔ جس اپنی ذات پاک کی شانِ جلال و عظمت کے ساتھ "نیز ان افعال سے کی ہے جو اسکی ربوبیت والہیت و حکمت اور دیگر صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کا اتارنا۔ ہر دو عالم کا بنانا۔ آسمان و ہر دو کا ہونا۔ چاند سورج کی پیدائش۔ ملک میں مغرور اور قدرت میں کامل ہونا۔ اسی لیے ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "تبارک" بمعنی تعالیٰ روایت کیا ہے۔ ابو العباس کا قول ہے کہ "تبارک" کے معنی "الارتفع" ہیں اور "مبارک" بمعنی

”مرتفع“ کہ ابن المبارکی کا قول ہے کہ ”بارک“ بمعنی ”تقدس“ ہے۔ حسن کا قول ہے ”بارک“ وہ ہے ”جس کی طرف سے برکت پہنچے۔“ نحاک کا قول ہے کہ ”بارک“ بمعنی ”تعالیم“ ہے۔ خلیل بن احمد کا قول ہے کہ ”بارک“ بمعنی ”تہجد“ ہے۔ حسین بن فضل کہتے ہیں کہ تبارک تو اس کی ذات ہے اور ہارک مخلوق میں سے وہ جسے اللہ نے چاہا۔ یہ احسن الاقوال ہے کیونکہ ”بارک“ صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی جیسا کہ حسین کا قول ہے اور دلالت اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اپنے نام کی طرف بھی مسند کیا ہے۔ فرمایا:

﴿سَبَّحْتَ اسْمَ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الحج ۲۵/۷۸)

”بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلال اور اکرام کا نام۔“

وعائے افتتاح میں ہے:

﴿بَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ﴾

”تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلند ہی والی ہے۔“

اور اپنی ذات کی طرف بھی فرمایا: ”بارک“ الذی بیدہ الخلق، اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ ”بارک“ بمعنی ”بارک“ نہیں جیسا کہ جوہری کا قول ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تبریک صرف مسمی لفظ کا جزو ہے نہ اس کے معنی کا کمال۔ ابن عطیہ کہتا ہے کہ تبارک کے معنی یہ ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ کی برکات عظیم و کثیر ہیں اور اس لفظ کے ساتھ غیر اللہ کی توصیف نہیں ہو سکتی اور نہ یہ لفظ لغت عرب میں منصرف ہے۔ اس کا مضارع و امر مستعمل نہیں۔ کیونکہ جب یہ لفظ غیر اللہ کے لیے مستعمل نہیں تو اسے مستقبل کے لیے بھی نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ہی تبارک ہے۔“

پھر کہا کہ ابو علی نے غلطی کرائی کہ ”بارک“ کا مستقبل ”یتبارک“ بتلایا، اس نے یہ نہ سوچا کہ عرب تو یہ نہیں بولتے۔“

ابن قتیبہ نے ”تبارک اسْمُكَ“ کے معنی میں کہا ہے کہ ”بارک“ برکت سے پر وزن تفاعل ہے جیسے ”تعالی علو“ سے ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ تیرا نام بابرکت

ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے۔ کما ایک عالم لغت نے میرے سامنے ایک شعر پڑھا تھا۔ جس کا مصرعہ دوم یاد رہ گیا ہے۔
الحمد المجلع جده النحلة المنبارك

واضح ہو کہ ابن قتیبہ کا یہ قول تیرا نام بابرکت ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت اس پاک ذات برکت بخشے والا کی ہے۔ کیونکہ برکت اسم برکت مسمی کے تابع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے «فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ» اس کا مطلب یہ ہے کہ رب عظیم کی تسبیح بطریق اولیٰ کرنی چاہیے۔ کیونکہ تخریج اسم تخریج مسمی کے تابع ہے۔ نہ مخشری کہتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں۔
① خیر الہی میں کثرت و اضافہ ہے۔

② یاد ہر ایک شے سے بڑھ کر ہے اور اپنی صفات و افعال میں سب سے برتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر دو معانی میں کچھ تضاد نہیں جیسا کہ حسین بن فضل وغیرہ کا قول ہے۔ نصر بن شریل کہتا ہے کہ میں نے خلیل بن احمد سے «نارک» کے معنی پوچھے تو اس نے «مجد» بتلائے۔ یہ ہر دو معانی کا جامع ہے۔
① مجد ذاتی کا۔

② خلقت کو برکات کی فیض رسانی کا۔ کیونکہ مجد کی حقیقت یہی ہے۔ وجہ یہ کہ مجد کے معنی وسعت ہیں۔ مجد الشیئی کہا کرتے ہیں۔ جب اس میں وسعت پائی جائے استجد اور عرش مجید بھی انہی معنی میں ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ممکن ہے کہ «نارک» «بروک» سے ہو۔ پس «مبارک» کے معنی «ازل و ابد اشیئت و دوام ہوں گے۔» اس سے یہ نکلے گا کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اس کا وجود غیر سے نہیں اور وہ ازل سے ہے۔ لیکن یہ معنی جزء معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مبارک ہونا اس کے دوام وجود اور کثرت خیر و مجد و علو و عظمت و تقدس ہے۔ جملہ خیرات کا اسی کی جانب سے ہونا جسے چاہے اپنی خلقت میں سے اسے برکت دے جملہ معانی پر جامع ہے۔ اور یہ معانی الفاظ قرآن سے ماخوذ ہیں۔ کتب

اللہ سب معافی پر وال ہے۔ پس کسی نے تو اس میں سے کوئی معنی لے لیے اور کسی نے کوئی۔ مگوا لفظ سب پر والت کرتا ہے۔

ہمارا مقصود تو اس جگہ اللہ باریک علیٰ فضلہ و علیٰ آلہ فاضلہ کھٹا بار سخت علیٰ آلہ ابراہیم کے معنی سے ہے۔ پس یہ ایک دہار ہے جو بہترین عطیہ خیر کی ضامن ہے۔ جو آل ابراہیم کو عطا ہو چکا ہے۔ پھر اس کی مداومت و ثبوت اور کثرت و زیادتی پر مشتمل ہے۔ کیونکہ برکت کی حقیقت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کے حق میں فرمایا ہے:

﴿ وَفَضَّلْنَاهُ بِإِسْحَاقَ بَنِيَّاهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ﴿ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى

استغفر الله العظيم

”ہم نے اس کو اسحاق کی بشارت دی جو صالحین میں سے اور نبی ہیں اور ہم نے ابراہیم و اسحاق کو برکت دی۔“

ان کے اہل بیت کے حق میں فرمایا ہے:

﴿رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكَ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مُجِيدٌ﴾

”اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو بے شک اللہ حمد اور مجید والا ہے۔“

قتل غور یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں "ما زکنا غلبہ و علی استخاف" فرمایا

بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں اور بنی اسمعیل کا ذکر
تورات میں ہونے کی وجہ

اسی طرح تورات میں حضرت اسمعیل اور ان کی اولاد کو برکت و خیر دیئے جانے کا اظہار فرمایا ہے۔ تمام برکتوں کا نتیجہ اور سب سے اعلیٰ و اعظم وجود باوجود محمد رسول

اللہ عزوجل تھا۔ پس اس کی اطلاع تو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے آئی۔ تاکہ اس برکت عظیم اور خیر شیر پر ہو بنی اسمعیل کے اندر ظاہر ہو گی۔ سب آگاہ ہو جاویں اور ہم مسلمانوں کے لیے قرآن مجید میں برکت اسحاق کا ذکر فرمایا۔ تاکہ جو نبوت اور علم و کتاب ان کی اولاد کو لوگوں کی ہدایت و ایمان کے لیے بکثرت عطا ہوئی ہے۔ اس کی آگاہی ہم کو ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان اس مبارک خاندان کے حقوق کے ناشائسا بن جائیں اور انبیاء بنی اسرائیل کو دوسری شاخ سے سمجھ کر کہنے لگیں کہ ہمارا ان سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ مسلمانوں پر بھی ان کی توقیر و احترام ضروری ہے۔ ان کی محبت و تعظیم رکھنا ان پر ایمان لانا اور ان کی ثناء کرنا لازمی ہے۔

«صَلُّواٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمُ أَجْمَعِیْنَ»

خاندان خلیل الرحمن کے خصائل و فضائل: چونکہ حضرت خلیل الرحمن کا مبارک و مطہر گھرانہ کل عالم کے خانوادوں سے علی الاطلاق اشرف و بزرگ تر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو چند خصوصیات کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے۔ جن میں سے چند درج کی جاتی ہیں۔

- ① نبوت اور کتاب کو اس خاندان میں مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی حضرت خلیل کے کنبہ سے باہر نہیں ہوا۔
- ② اس گھرانے کو ائمہ مدعین بنایا۔ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی جنت میں داخل ہو گا۔ وہ ان کے طریق و دعوت پر چلنے سے ہو گا۔
- ③ اللہ پاک نے اس خاندان عالیہ میں سے دو حضرت ابراہیم و سیدنا محمد صلی اللہ علیہما کو خلیل بنایا۔
- ④ اس گھرانے کو اہل عالم کا امام قرار دیا۔ «اِنَّہٗ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا»
- ⑤ ان کے ہاتھ سے اپنے گھر کی بنیاد رکھوائی اور اس گھر کو تمام دنیا کے لیے قبلہ بنائے قیام و حج گاہ بنایا۔
- ⑥ بدووں کو حکم دیا گیا کہ اس گھرانے پر درود بھیجا کریں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ

- ان پر اور ملکت پر درود بھیجا ہے۔
- ⑤ اسی گھرانے میں اللہ تعالیٰ نے دو مقدسوں کو اتنی بڑی امتیں جو کسی اور گھرانے کو نہیں ملیں عطا فرمائیں۔ یعنی امت موسیٰ و امت محمدیہ۔ امت محمدیہ پچھلی ستر امتوں کے برابر اور دیگر امتوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں بڑھ کر اور گرامی تر ہے۔
- ⑥ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لسان صدق اور جہل ثناء دنیا میں قائم رکھی کہ جب ان کا ذکر آئے ثناء کی جائے اور صلوة و سلام ان پر بھیجا جائے۔
- ⑦ اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے پرکھنے کی سونپ بنایا۔ سعید وہ ہیں جو اس گھرانے کی جمعیت کرتے ان سے محبت و احسان رکھتے ہیں اور شقی وہ جن کو ان سے بغض ہے اور منہ پھیر لیا ہے۔ جنت اس گھرانے کے لیے ہے اور ان کے اتباع کے لیے اور دوزخ ان کے اعداء و مخالفین کے لیے۔
- ⑧ ان کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ یکجا فرمایا ہے۔ مثلاً بولتے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی ﷺ کو اپنی خاص نعمتوں کا شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ وَ ذَرَفْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۚ اہن عباسؓ لکھنے نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جب میرا ذکر ہو میرا بھی ساتھ ہو۔ کلمہ طیب پر جس سے اسلام نصیب ہوتا ہے غور کرو۔ علی ہذا۔ اذان، خطبات اور تشہد میں دیکھو یہی حال ہے۔
- ⑨ دنیا و آخرت کی شکاوت سے تمام خلقت کی نجات اس گھرانے والوں کے ہاتھ پر رکھی گئی ہے نہ کہ ان کی نعمتوں کا جو لوگوں کو ان سے حاصل ہیں شمار ممکن ہے اور نہ کوئی ان کی جزاء دے سکتا ہے۔ بے شک اولین و آخرین میں جس قدر اہل سعادت ہو گزرے ہیں ان کو ہمارے رفیعہ کے حصول میں یہ طوئی ہے اور جس نے ان کو جزا عنایت ہوگی اس کی گردنوں پر اس گھرانے کے بڑے بڑے احسانات کا بار ہے۔
- ⑩ جو عمل صالح اور اطاعت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے کی جاتی ہے اس میں اس

گھرانے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا خود عمل کرنے والے کو۔ اللہ اکبر۔ اللہ اپنے فضل سے بسے چاہتا ہے خصوصیت دیتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کے سوا تمام طریقوں کو مسدود کر دیا اور تمام دروازوں کو بند فرما دیا۔ اب اہل عالم اور اللہ کے درمیان جو دروازہ کھلا ہے وہ انہی کا راستہ اور انہی کا دروازہ ہے۔ شیخ جنید بریلی کا قول ہے کہ اللہ پاک اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے:

”مجھ کو اپنی عزت و جلال کی قسم ہے۔ خواہ لوگ کسی طریق سے آئیں اور کسی دروازہ کو کھٹکھٹائیں میں ان کے لیے کوئی دروازہ نہ کھولوں گا اور کوئی راہ نہ دوں گا جب تک میرے پیچھے نہ آئیں۔“

(۶) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کو وہ علم عطا فرمایا جو کسی دوسرے گھرانے کو نہیں دیا۔ اسی لیے دنیا میں کوئی ایسا گھرانہ نہیں گزرا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات، احکام و افعال، جزا و سزا، مقامات رضاء و غضب اور ملائکہ و مخلوقات کی معرفت اور علم و شرع میں اس سے بڑھ کر ہو۔ پاک ہے وہ مالک جس نے اس گھرانے کے لیے اولین و آخرین کے علوم کو جمع کر دیا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و محبت اور قرب و تعلق خاص میں اس گھرانے کو ایسی خصوصیت عطا فرمائی ہے جو کسی اور گھرانے کو نہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں تمکنت دی اور خلافت عطا فرمائی اور جملہ روئے زمین کو ان کا مطیع بنایا یہ بات اور کسی کو حاصل نہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے جس قدر ان کے ہاتھوں سے اہل ضلالت و شرک کے آثار و علامات کو جن سے ذات الہی بیزار تھی مٹوا کر دیا ہے اس قدر دوسرے کے ہاتھ پر نہیں۔

(۱۰) جملہ اہل عالم کے دل میں ان کی محبت و اجال اور تعلیم کے جو شجر لگائے گئے ہیں وہ دوسرے کی محبت کے نہیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے آثار کو دنیا میں بقاء عالم اور حفاظت نبی آدم کا سبب

ٹھہرایا۔ جب تک یہ آثار باقی ہیں عالم باقی ہے۔ جب یہ نہ رہے اس وقت سے ہی خرابی کی ابتداء ہو گئی۔ ابن عباسؓ نے آیات:

﴿ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْغُبَرَاءُ أَلْبَيْتَ الْحَرَامِ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهَرِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ وَالْقَلْبَ ﴾ (المائدہ: ۹۷)

”اللہ نے مکان محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قریانی کے جانوروں اور قنادوں کو بھی (اس کام میں معاون بنایا)“

کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر سب کے سب آدمی حج چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر آکر رہے۔ اور کہا اگر سب ہی حج چھوڑ دیں تو ان کو کچھ نظر نہ آئے۔ نبی ﷺ نے بھی خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو زمین پر سے اور اپنے کلام کو مصاحف اور لوگوں کے سینہ سے اٹھ لے گا۔ اس وقت نہ حج کرنے کے لیے بیت اللہ ہو گا نہ تلاوت کے لیے کلام اللہ۔ تب بہت جلد عالم تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آج ہم اپنے وقت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر لوگ آثار و شرائع پر قائم ہیں اور قیام امور و حصول مصالح میں مصروف اور ہر گونہ بلا و شر کے دفع کرنے میں مشغول ہیں وہ سب امور شریعت کے ظہور و قیام کے طفیل ہے اور جس قدر لوگ ہلاکت و مصیبت میں گر رہے ہیں اور شر و بلا میں پڑ رہے ہیں وہ سب شریعت کو معطل رکھنے، اس سے منہ پھیرنے اور اسے چھوڑ کر غیر کو اختیار کر لینے کے باعث ہے۔ جو کئی حامل سے غور کرے گا کہ یہ اور بستیوں یا بندوں پر دشمنوں کے غلبہ کی وجہ تلاش کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب ہمارے گناہ کی شامت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کے دین و احکام اور سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جہاں نہیں نبی ﷺ کے آثار و سنن و شرائع کا ظہور ہے وہاں سے اسی ظہور کے موافق یہ مصائب بھی دور ہیں۔

بے شک یہ جملہ خصائص بلکہ ان سے چند در چند و صد چند اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت و برکات سے حاصل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو

حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ کے لیے اور آل محمدیہ کے لیے ان برکتوں کا سوال کریں جو اس معظم گھرانے کے لیے ہیں۔

⑤ اس گھرانے کی برکات و خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ خصوصیتیں عطا کی ہیں جو غیر کو عطا نہیں کیں۔ ان میں خلیل الرحمن بھی ہیں۔ اور ذبیح اللہ بھی۔ وہ بھی جس سے اللہ نے کام کیا اور وہ بھی جسے قرب نامہ دیا۔ وہ بھی جسے حسن کا ایک حصہ دیا اور کریم بنایا اور وہ بھی جس کے پاس وہ فرشتہ حاضر ہوا جو کسی کے پاس نہ آیا تھا۔ وہ بھی جسے مکان علیہ پر بلند فی عطا ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے مالین پر فضیلت دی ہے۔

⑥ اہل زمین پر اس گھرانے کی برکات و خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب عام اہل زمین سے اٹھالیا۔ سنت الہی اس گھرانے کے انبیاء سے پہلے سابقہ امتوں کے بارے میں یہ تھی کہ جب وہ اللہ اور رسول کی تکذیب کرتے تو عذاب عام کے ساتھ ہلاک کر دیئے جاتے۔ جیسا کہ قوم نوح و یہود و صالح و لوط (علیہم السلام) کے ساتھ ہوا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل و قرآن مجید کو نازل فرمایا تو عذاب عام کو اہل زمین سے اٹھالیا۔ اور حکم دیا کہ مخالف اور تکذیب کرنے والوں کے ساتھ جھلو کیا جائے تاکہ درجہ شہادت مل سکے۔ مومنین کے ہاتھوں سے نصرت و فتح کا ظہور ہو اور مہابت الہیہ چھا جائے۔

بے شک اس گھرانے کے لیے بعض ایسے فضائل و خصائص ثابت ہیں کہ زبان کو ہمیشہ ان کے صلوة و سلام اور ذکر ثناء و عظمت کے بیان میں تر اور دل کو تعظیم و محبت و جلال سے پر رکھنا چاہیے اور پھر بھی یہ خیال رہے کہ اگر جملہ انخاص ان پر صلوة بھیجنے میں ہی صرف ہو جائیں۔ تب بھی ان کے حق کا ادنیٰ حصہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلقت کی جانب سے افضل جزاء عطا فرمائے اور علماء اعلیٰ میں ان کی تعظیم و تشریف و تکریم روز افزوں رکھے اور ختم نہ ہونے والی صلوة دائرہ ان پر نازل کرے اور سلام کثیر قیامت تک ان پر نازل فرماتا رہے۔

نورِ فصل

حمید و مجید پر اختتامِ صلوة کا بیان

حمید و مجید کے معنی: واضح ہو کہ حمید فعلیہ کے وزن پر حمد سے ہے اس کے معنی محمود ہیں۔ مگر محمود سے بلغ تر ہے۔ کیونکہ جب مفعول سے عدول کر کے فعل کا وزن لیا جاتا ہے۔ تو وہ یہ دلالت کیا کرتا ہے کہ یہ صفت بمنزلہ حرارتِ اصلی اطلاقِ جلی اور طبیعت کے بن گئی ہے۔ کسی کو ظریف و شریف یا کریم کہنے سے یہی غرض ہوتی ہے اور اسی لیے یہ بناء غالباً فعلِ بر وزن شرف سے آتی ہے۔ کیونکہ یہ بناء لازمی صفتوں اور اصلی حالتوں کے لیے ہے۔ مثل کبر و حسن و لطف وغیرہ کی وجہ ہے کہ حبیب محبوب سے زیادہ بلغ ہے۔ کیونکہ حبیب وہ ہے جس کے اندر صفات و افعال ایسے پائے جاتے ہوں جن کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جائے۔ پس وہی نفسِ حبیب ہے گو کوئی شخص عدم شعور سے اس کے ساتھ محبت نہ کرے۔ یا کسی مانع سے اس کی محبت پر مطلع نہ ہو اور محبوب وہ ہے جس سے کوئی محب محبت کرنے لگے اور یہ اس کی محبت کرنے سے محبوب کہلائے۔ فرضِ حبیب اپنی ذات و صفات کی وجہ سے حبیب ہوتا ہے۔ گو محبت غیر اس سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ یہی فرق حمید و محمود میں ہے۔ جس کو وہ صفات و اسباب حمد حاصل ہوں۔ جو اس کے محمود ہونے

⑤ اس وزن پر اللہ تعالیٰ کے اکثر اسماء تر بمعنی فاعل ہیں۔ مثلاً سمیع و بصیر و علیم و قذیر و علی و حکیم و حلیم۔ اور اسی طرح وزنِ فاعل کے اسماء مثلاً غفور و شکور و صبور و یکر و ہار و میں در قول ہیں۔ بمعنی فاعل ہے کیونکہ وہ انبیاء اور رسل اور اولیاء و سنیین سے محبت رکھتا ہے۔ بمعنی مفعول یعنی محبوب ہے جو تمام محبت کے ساتھ صبر و استقامت ہے اور بندہ کی شنوائی و مطلق اور نفس نیز دیگر محبوبات سے بھی زیادہ تر محبوب ہونا اسی کو شایاں ہے۔

کا تقاضا کرتے ہوں۔ گو کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ وہ فی نفسہ حمید ہے اور محمود وہ ہے جس کی حمد کسی نے کی ہو۔ یہی فرق مجید اور مجہد، اکبر اور کبیر، عظیم اور معظم میں ہے۔

واضح ہو کہ حمد اور مجہد ایسے دو لفظ ہیں۔ جن کی طرف تمام کمال راجع ہے کیونکہ حمد محمود کی ثناء اور محبت پر مستلزم ہے۔

حمد کے معنی: اب اگر کوئی محمود سے محبت رکھتا ہے مگر اس کی ثناء نہیں کرتا تب بھی وہ اس کا حامد نہیں اور اگر ثناء کرتا ہے مگر اس سے محبت نہیں رکھتا تب بھی اس کا حامد نہیں۔ اب تم یہ سمجھو کہ ثناء و محبت بھی اسباب کے تابع ہیں۔ مثلاً محمود میں صفات کمالیہ اور صفات جلالیہ اور غیر پر احسان کرنے کی فضیلتوں کا ہونا۔ کیونکہ یہی اسباب محبت کے ہیں اور جس قدر زیادہ ان کا اجتماع و کمال ہو گا۔ اسی قدر حمد اور محبت اتم و اعظم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے چونکہ کمال مطلق ہے۔ جس میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں اور جملہ احسان اسی کی جانب سے ہے۔ اس لیے وہ محبت تمام کے ساتھ تمام حمد کا جامع جانب سے مستحق ہے اور اسی کی یہ شان ہے کہ ذات و صفات اور احسان و وجود کے افعال و اسماء بلکہ جملہ افعال و ادکام کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔

ربا مجہد تو اس کے لیے عظمت و وسعت اور جلال کا ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ موضوع لغوی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ لفظ عظمت و جلال اور حمد پر دلالت کرتا ہے اور صفات اکرام پر راجع۔ اللہ تعالیٰ ہی ذو الجلال و الاکرام ہے اور لا الہ الا اللہ واللہ اکثر کے بھی یہی معنی ہیں کہ لا الہ الا اللہ تو الوہیت و وحدانیت پر جو محبت تمام کی حق دار ہیں دلالت کرتا ہے اور اللہ اکبر کے لیے اس کی مجد و عظمت و کبریائی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو نوع کو قرآن مجید میں انٹر مقام پر جمع کیا ہے۔ فرمایا:

﴿رَحِمَتْ اللّٰهُ وَرَزَقْنٰهُ عَلٰی کُلِّ اٰیٰتٍ اِشْمَ حَمِیدٌ نَّحِیدٌ ﴿۷۳﴾﴾

احد ۱۶۶/۷۳

”تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں“ اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔“

فرمایا:

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ وَكَبِيرُهُ تَكْبِيرًا ۝ ﴾ (اسی اسرہیں ۱۷/۱۱۱)

”حمد ہے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد اور نہ کوئی اس کا سا بھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگاروں میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔“

دیکھو اس میں حمد و تکبیر کا حکم ہے۔ فرمایا:

﴿ شَرَكَهُ أَنتُمْ وَلَكِنْ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ ﴾ (الرحمن ۵۵/۷۸)

”بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام۔“

مسند و صحیح ابوحاتم وغیرہ میں حدیث نبوی موجود ہے۔

«الْعُظُمَاءُ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

”یا ذوالجلال والاکرام کو اپنا ورد زبان بناؤ۔“

جلال و اکرام کے وہی معنی ہیں جو حمد و مجد کے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر

بست ملے گی کہ قریب المعنی دو اسماء حسنی ایک جگہ بیان کئے گئے ہوں۔ مثلاً:

«إِنَّ رَبِّيَ غَنِيٌّ كَرِيمٌ»

«هُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ»

وعداء رب کے الفاظ ہیں:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا

إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ

الْكَرِيمِ»

پس نبی ﷺ کی صلوٰۃ کے بعد بھی یہی دونوں اسماء ذکر کئے گئے تاکہ قرآن مجید کی

آیت «رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَبِيبٌ مُجِيبٌ» کے مطابق ہو

جائے اور چونکہ صلوٰۃ کے معنی۔ اللہ پاک کی جانب سے نبی ﷺ کی ثناء 'عظیم'

رفعت شہنشاہ اور کثرت محبت و قرب ہیں اور یہ سب معالیٰ حمد و مجد پر مشتمل ہیں۔ تو گویا درود خواں کی درخواست یہ ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی حمد و مجد میں ترقی کی جائے۔ پس اسی مطلوب کی مناسبت اور دعا کی مطابقت سے اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام حمید و مجید مذکور ہوئے۔

○ اس بارے میں پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ دعا کرنے والے کے لیے شروع یہ ہے کہ اپنی دعا کو اللہ تعالیٰ کے ایسے اسم پر جو اس وحی میں سے ہو شروع و ختم کرنا چاہئے۔ یہ مطلوب سے مناسبت رکھتا ہو۔ بطور نظم و یکجہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ: «ذُبِّ اغْفُورُ» حُبِّ لِيْ فَلَنُكَفَّا لَا يَنْفَعُنِيْ لِاسْمِهِ مِنْ نَّعْدَنِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یعنی ملک مانگا اور اللہ کو وہاب کہہ۔

حضرت ظہیر اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا ہے: «ذُنَّا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتَنْتَ عَلَيْنَا اَنْتَ اَلْتَ تَوَّابُ الرَّحِيْمُ» امور آخرت کے متعلق دعا تھی۔ تو التواب الرحیم پر اسے ختم کیا۔ نبی ﷺ ایک نشست میں سو بار پڑھا کرتے تھے: «ذُبِّ اغْفُورُ» وَتَنْتَ عَلَيَّ اَنْتَ اَلْتَ تَوَّابُ اغْفُورُ» حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا کہ مجھے یہ دعا یاد دل جائے تو کیا پڑھوں۔ فرمایا کہ: «اَللّٰهُمَّ اَنْتَ غَفُوْرٌ نَّحْبُ الْغَفُوْرَ فَاعْفُ عَنِّيْ» حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا کہ نماز میں پڑھنے کے لیے دعا سکھائی جائے۔ فرمایا پڑھو: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَبِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اَغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ اَنْتَ اَلْتَ غَفُوْرُ الرَّحِيْمُ» غرض اس کی تکرار بہت ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے کتاب الروح والنفس میں کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قول: «اِنِّيْ نَعِدُكُمْ فَاَنْتُمْ عِبَادُكَ وَ اِنِّيْ نَغْفِرُ لَكُمْ فَاَنْتُمْ اَلْتَ غَفُوْرُ الرَّحِيْمُ» اور حضرت ظہیر کے قول: «اَلَمْ يَنْفَعْنِيْ فَاَنْتَ مَبْنِيْ وَمِنْ عَصَايَ فَاَنْتَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ» کے متعلق بھی اسی میں بحث ہے۔ کیونکہ بظاہر قیہ ہے کہ حضرت مسیح کے قول میں «اعف تر حکیم» ہوتا ہے اور حضرت ظہیر کے قول میں «غفور رحیم»۔

اور چونکہ حمد و مجد جس کی نبی ﷺ کے لیے اس سوال میں درخواست کی گئی ہے۔ پہلے سے نبی ﷺ کو حاصل ہے۔ اس لیے یہی بات بتانے کے واسطے کلام کا خاتمہ اللہ کے لیے ہر دو اوصاف کے ثبوت پر کیا گیا۔ کیونکہ بندہ میں جو کمال نقص سے مبرا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کمال کا زیادہ تر مستحق ہے۔
نیز یہ کہ نبی ﷺ کے لیے حمد و مجد کی طلب اللہ تعالیٰ کی صفت حمد و مجد کی مستلزم ہے۔ پس دعا میں نبی ﷺ کے لیے طلب بھی پائی گئی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس صفت کا ثبوت بھی۔ ①

دوسری فصل

ان دعوات و اذکار کے قاعدہ کے بیان میں جو مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں

واضح ہو کہ جس طرح دعائے استفتاح اور تشہد نماز و قوم و جلسہ کے اذکار اور دعاؤں کے مختلف الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ اسی طرح درود میں بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ بعض متاخرین نے اس بارے میں ایک دو میانیاں راہ نکالی ہے۔ یعنی وہ مختلف لفظوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور اس امر کو افضل جانتے ہیں۔ مثلاً: «طَلَبْتُ نَفْسِي طَلَبًا كَبِيرًا» کے ساتھ «كَبِيرًا» بھی پڑھتے ہیں اور «عَلَىٰ أَنْ فَحَشِدًا» کے ساتھ «عَلَىٰ أَرْوَاحِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ» بھی کہا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک لفظ ایک روایت میں ہے اور دوسرا لفظ دوسری روایت میں۔ اس کی وجہ لوگ یہ بتلایا کرتے ہیں کہ جمع کر

① ان کا پاک نام حمید ہے اور نبی ﷺ کا مبارک نام محمد۔ دونوں حمید سے بنائے گئے ہیں ان دونوں کا الفاظ درود میں جمع کیا جاتا ہے تو یہی رکت ہے وہ ظاہر ہے۔ مجید گویا حمید کے ساتھ مستلزم ہے۔ (محمد سلیمان)

لیتے سے پڑھنے والا راوی کے شک سے نکل کر الفاظ نبوی ﷺ کو یقیناً پالیتا ہے اور دعامیں سب روایتوں کے الفاظ جن پر اختلاف ہے یا ایک کی جگہ وہ سرا بولا گیا ہے جمع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے گروہ کو اس بارہ میں نزاع ہے کہ یہ خیال چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

① یہ طریق نیا نکلا ہے۔ معروف اماموں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت نہیں کی۔

② اس سے لازم آتا ہے کہ استخراج کی جتنی دعائیں مروی ہیں۔ سب کو الحمد سے پہلے نماز میں پڑھا کرے۔ اسی طرح سب تشہدات کو تشہد میں اور سب ذکر کو رکوع و سجود میں پڑھا کرے۔ لیکن یہ قطعی باطل ہے کیونکہ امت کے عمل کے بھی خلاف ہے اور کسی اہل علم نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر اس مذہب والا اپنے مذہب کو انماز یا درود کے بعض الفاظ جمع کرنے سے ا محدود کرے گا۔ تب گویا وہ خود تضاد کا شکار ہو گا اور دو متماثل (یکساں) چیزوں میں فرق کرے گا۔

③ اس مذہب والے کو چاہیے کہ وہ نمازی اور قاری کے لیے مستحب قرار دے کہ جس قدر مختلف قراءتیں ہیں۔ ان سب کو نماز کے اندر بھی اور باہر بھی جمع کیا کرے۔

لیکن یہ مسئلہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے مستحب نہ ہونے پر جب قرآن بطور عبادت اور تدریس پڑھا جاتا ہو اتفاق ہے۔ ہاں بعض اوقات قاری لوگ ایسا ضرور کیا کرتے ہیں۔ سو اس امتحان کے لیے کہ قاری کو مختلف قراءتیں حفظ ہیں یا نہیں اور جب اس کو پڑھنے کے لیے کہا جائے اسی وقت سنا سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تو سد ہانے اور سکھانے کی باتیں ہیں۔ نہ عبادت جسے ہر ایک کے لیے مستحب بھی قرار دیا جائے (اور اس قاری کے بارے میں بھی اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) بے شک تلاوت کرنے والے کے حق میں مشروع تو یہی ہے کہ جس

حرف سے چاہے پڑھ لے۔ مثلاً اعلیٰ صدیقؑ میں کبھی «ظلمًا کثیرًا» پڑھ لے کبھی «ظلمًا کثیرا» درود کبھی اس حدیث کے الفاظ میں پڑھ لے۔ کبھی دوسری حدیث کے الفاظ میں۔ تشدد کبھی ابن مسعودؓ کبھی ابن عباسؓ کبھی ابن عمرؓ کبھی عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں پڑھ لے۔ علیؓ بذراعیہ استفتح خواہ حدیث علی مرتضیٰؓ خواہ حدیث ابو ہریرہؓ خواہ استفتح عمرؓ کے موافق پڑھا کرے۔ خواہ کبھی یہ اور کبھی وہ۔ علیؓ بذارکوع سے سراختے وقت خواہ «اللَّهِمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحُفْدُ» کہے۔ خواہ «رَبَّنَا لَكَ الْحُفْدُ» اور خواہ «رَبَّنَا وَلَكَ الْحُفْدُ» پڑھے۔ لیکن یہ کسی نے مستحب نہیں بتلایا کہ ان سب کو جمع کر لیا کرے۔

واضح ہو کہ روایت شدہ تشدات وغیرہ میں ہر ایک کے جائز ہونے کی دلیل ائمہ نے جن میں شافعیؒ، مالکیؒ بھی ہیں، صحاح و سنن کی اس حدیث سے لی ہے۔ جس میں نبی ﷺ نے قرآن کا سات حرف پڑھنا اور ہر ایک کے ساتھ قراءت جائز ہونا بتلایا ہے اور ہر ایک حرف کو کافی ثانی فرمایا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ شروع اس بارے میں قراءت حروف بطور بدل ہے نہ کہ بطور جمع اور یہی عمل صحابہ مجتہدین کا تھا۔

(۱) نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ کو ایک وقت میں کبھی جمع نہیں فرمایا تھا۔ الف۔ یا تو کبھی یہ لفظ فرمایا اور کبھی وہ۔ جیسے دعا استفتح اور تشدد اور اذکار رکوع و سجود کے الفاظ ہیں۔ پس اتباع سنت یہ ہے کہ کبھی یہ لفظ اور کبھی وہ پڑھا جائے اور دونوں جمع نہ کیے جائیں۔

اب یا یہ ہوا ہے کہ راوی کو اصل لفظ میں شک ہو گیا ہے۔ پس اگر دعا خواں کے نزدیک کسی لفظ کو ترجیح ہو تب تو اسی لفظ کو اختیار کر لے۔ (۲) ورنہ جسے چاہے۔

(۳) الفاظ میں سے ایک کو ترجیح دینے کی مثال حدیث استجارہ میں سمجھو کہ نبی اکرم ﷺ نے اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا الْاَمْرُ حَرَّتْ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ مَعَاشِيْ كَيْ آتُوْكَ وَ غَالِبَةُ اَمْرِيْ فَرِّمَالِيْ ہے یا عاجلہ اُمّریٰ و اجلہ فرمایا ہے۔ مگر صحیح یہاں لفظ ہے کہ تم عاجلہ اُمّریٰ و اجلہ کا وہی مضمون ہے جو دینی و معاشی کا ہے۔ اس صورت میں یہ الفاظ مکرر ہوتے ہیں۔

مگر جمع کرنا مشروع نہیں۔ کیونکہ یہ تیسری صورت ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی نہیں۔ پس ایک ہی وقت میں ان الفاظ کا جمع کرنا دعام خواں کے مقصود کو باطل کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا قصد تو سنت کا اتباع تھا۔ مگر جو وہ کرتا ہے۔ اسے قطعاً نبی ﷺ سے نہیں کیا۔

- (۵) مقصود تو یہ ہے کہ یہ مطلب ادا ہو سکے۔ جب دو میں سے ایک لفظ کے ساتھ مطلب ادا ہو گیا تو مقصد حاصل ہو گیا اور جمع کی ضرورت نہ رہی۔
- (۶) یہ ہر دو الفاظ ایک دو سرے کا بدل ہوتے ہیں اور بدل و مبدل منہ میں معاً جمع کرنا پسندیدہ نہیں۔

لیکن عاقبت انہی کا کتنا داخل نکرا نہیں۔ دوسری مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ سے روایت ہوا ہے کہ جو کوئی سورہ کلمہ کے اول کی دس آیتیں پڑھ لیا کرے گا دو قندہ و جان سے محفوظ رہے گا۔ اس کو امام مسلم نے روایت نہ کیا۔ لیکن بعض راویوں کا اختلاف ہوا۔ کسی نے اول سورہ کلمہ کہا اور کسی نے آخر سورت۔ دونوں روایتیں صحیح میں ہیں۔ مگر ترجیح اول سورت کی روایت کو ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث نو اس بن سعوان برسر میں فوارح سورہ کلمہ کا پڑھنا بیان ہوا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہی روایت اول سورت کی محفوظ ہے۔



باب چہارم

درود خوانی کے مقام و محل کا بیان

نماز میں درود کے فرض ہونے نہ ہونے کی بحث (۱) نہایت ضروری اور نہایت مؤکدہ مقام درود پڑھنے کا نماز کا آخری تشہد ہے۔ اس کی مشروعیت پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن وجوب میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ نماز میں درود واجب نہیں۔ واجب کہنے والے شاذ اور مخالف اجماع ہیں۔ یہی قول طحاوی اور قاضی عیاض کا ہے۔ خطابی کہتے ہیں: ”درود نماز میں واجب نہیں۔ یہی قول جماعت ائمہ کا ہے۔ جہر شافعی کے جن کا پیش رو اس مسئلہ میں کوئی نہیں جانتا۔“

ابن منذر رحمہ اللہ کہتا ہے:

”شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں اکیلے ہیں۔ نماز میں درود واجب نہیں۔“

اس گروہ کی جو دلیل ہے ہم اسے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے الفاظ میں لکھتے ہیں: ”نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل شافعی رحمہ اللہ سے پیشتر سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے اور اس مسئلہ میں لوگوں نے شافعی رحمہ اللہ کی بہت سی مخالفت کی ہے۔ ابن مسعود رحمہ اللہ کے تشہد ہی کو لو۔ جو نبی اکرم ﷺ کا تعلیم اور شافعی کا اختیار کردہ ہے۔ اس میں درود نہیں۔ علیؑ، ابو ہریرہؓ، ابو عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ رحمہم کی روایات تشہد میں درود نہیں۔ ابن عباسؓ و جابرؓ لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہم کو تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے ”جیسے قرآن کی سورت۔ یہی ابو سعید نے کہا ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ ہم کو منہ پر چڑھا کر تشہد یوں

سکھایا کرتے تھے۔ جیسے تم اپنے بچوں کو کتاب پڑھایا کرتے ہو۔ یہی حال عمر فاروق کا تھا۔ کہ منبر پر چڑھ کر تشمہ سکھاتے تھے اور ان کی کسی روایت میں بھی درود کا ذکر نہیں۔

ابن عبدالبر نے تمیید میں کہا ہے کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل حدیث حسن بن حرب ہے۔ وہ قاسم بن مخمرہ سے روایت کرتا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (جیسا کہ میں نے اب تیرا ہاتھ پکڑا ہے) اور کہا کہ عبد اللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا جیسا کہ میں نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے اور مجھ کو تشمہ سکھایا۔ پھر آخر تشمہ تک پڑھ کر کہا۔ جب تو یہ کہہ چکا تو نماز پوری ہو گئی۔ کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ نماز میں درود کے واجب یا سنت نہ ہونے کی حدیث بالا نجت ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر تشمہ واجب یا سنت ہو تو نبی اکرم ﷺ بیان فرما دیتے۔ ان کا قول ہے کہ ابو داؤد و ترمذی و طحاوی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ الْجُحُودِ فَقَدْ قَضَتْ صَلَاتُهُ إِذَا هُوَ أَحَدٌ»

"جب کسی نے آخری سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کی نماز پوری ہو گئی خواہ اس کا وضوء ٹوٹ جائے۔"

دیکھو یہ دعویٰ کہ درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی، کہاں گیا۔ عاصم بن ابی ضرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی مقدار تشمہ بیٹھ جائے اور اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو نماز پوری ہو گئی۔ علی بذالاعمش ابو داؤد کی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشمہ کے بارے میں ہے۔ جس کے آخر میں یہ ہے کہ پھر بات چیت کر لے گویا درود کا ذکر نہیں۔ حدیث فضالہ بھی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا ہو نماز میں دعا مانگتا تھا کہ اللہ کی حمد نہ درود پڑھا۔ فرمایا "اس نے جلدی کی۔ پھر اسے اور دوسروں کو فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے حمد و ثناء رب کرے۔ پھر محمد و آل محمد پر درود بھیجے۔ پھر ہو چاہے دعا مانگے۔"

دیکھو نبی ﷺ نے اس شخص کو اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر درود فرض ہو تو تب اعادہ کا حکم ضرور دیتے جیسا کہ رکوع و سجود کے مکمل نہ کرنے والے کو اعادہ کا حکم دیا تھا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو جو نماز خراب طور سے پڑھ رہا تھا درود نہیں بتلایا۔ اگر یہ فرائض نماز میں سے ہوتا جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی تب ضرور نبی ﷺ اسے سکھاتے۔ جیسا کہ قرأت و رکوع و سجود اور نماز میں طہائیت کی تعلیم دی تھی۔ ایک دلیل یہ ہے کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کا مخالف اس کی مثل نہ ہو یا ان لوگوں کے اجتماع سے جن کے اجتماع پر حجت قائم ہو سکے طہائیت ہو کرتے ہیں۔ (اور یہاں نہ دلیل صحیح ہے اور نہ اجتماع)۔

مذکورہ بالا دلائل اس گروہ کے عمدہ اور بزرگ دلائل ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ نے ابو نماز میں وجوب صلوٰۃ کا قائل ہے انقل و استدلال سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شافعی رحمہ اللہ کو یا اس مذہب کے دوسرے شخص کو شد و ذی مخالفت اجتماع سے مقسوم کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ایک جماعت صحابہ اور ان کے بعد بھی چند بزرگوں نے مثل شافعی کہا ہے۔ صحابہ میں سے ایک عبداللہ بن مسعود ہیں جو نماز میں درود کو واجب سمجھتے اور کہا کرتے کہ جس نے درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کو تمہید میں ابن عبدالبر نے اور دیگر علماء نے روایت کیا ہے۔ ازاں جملہ ابو مسعود بدری سمجھتے ہیں۔ ابو جعفر محمد بن علی نے ان سے روایت کی ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میری نماز پوری ہو گئی جب تک میں محمد و آل محمد (ﷺ) پر درود نہ پڑھ لوں۔ ازاں جملہ عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ ہیں۔ حسن بن شیبہ معمری نے سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ نماز بغیر قرأت و تشہد اور درود کے نہیں ہوتی۔ اگر اس میں سے کچھ بھول جاؤ تب سلام کے بعد دو سجدے کرو۔ قول بالا حسن نے ابو مسعود بدری رحمہ اللہ سے بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تابعین میں سے اس مذہب کے قائل ابو جعفر محمد بن علی شیبہ، مقاتل بن دیان ہیں۔ اور ارباب مذاہب میں سے یمن کا اتباع کیا گیا ہے اسحاق بن راہویہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی درود دانستہ چھوڑے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں اور اگر سو سے رہ جائے تب میں امید کرتا ہوں کہ پوری

کبھی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اسحاق سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ دونوں کو حرب نے مسائل اسحاق کو روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہا میں نے اسحاق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تشدد پڑھے اور درود نہ پڑھے۔ کہا:

"میں تو کہتا ہوں کہ اس کی نماز جائز ہے مگر شافعی بدعتی کہتے ہیں جائز نہیں۔

میں حدیث حرمین قاسم کی طرف گیا ہوں۔ اس کے بعد حدیث بیان کی۔"

پھر حرب نے کہا کہ: "میں نے ابو یعقوب اسحاق کو کہتے سنا ہے کہ جب کوئی تشدد سے فارغ ہو امام ہو یا مقتدی وہ نبی ﷺ پر ضرور درود بھیجے۔ اس کے سوا اور اس کو کچھ کفایت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اصحاب نبی کا قول ہے کہ ہم آپ کو سلام پہنچانا تو جان گئے (یعنی تشدد میں اللہ غلبت انہما الشیء ورحمۃ اللہ پڑھنا) لیکن صلوٰۃ کس طرح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اتدی اور نبی ﷺ نے اس کی تفسیر فرمائی۔ پس اوئی درجہ درود کے بارے میں یہ ہے کہ اسے تشدد کے بعد پڑھنا چاہیے۔ جلسہ آخر میں تشدد اور درود ایسے مساوی کے دو عمل ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو دانست چھوڑ دینا کسی کو جائز نہیں۔ ہاں اگر بھول گیا ہے تب میں امید کرتا ہوں کہ (اند پڑھنا ہی) کافی ہے۔ اسی طرح بعض علماء حجاز کہتے ہیں کہ ترک درود کسی حالت میں جائز نہیں۔ ترک ہو جائے تو اعادۂ نماز چاہیے۔"

رہے امام احمد۔ ان سے مختلف روایت ہے۔ مسائل مروزی میں ہے کہ:

"ابو عبد اللہ (امام احمد) سے کہا گیا کہ ابن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں درود چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے فرمایا میں تو ایسے کہنے کی جرات نہیں کرتا۔ ایک دفعہ کہا یہ شدوذ (مقبول راوی کا اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرنا) ہے۔ مسائل ابو زرہ دمشقی میں ہے امام احمد نے فرمایا میں یہ کہنے سے ڈرتا تھا مگر پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ نماز میں درود واجب ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے قول عدم وجوب سے رنج کر لیا تھا۔ رہا تسمار اس سے قول کہ:

"عدم وجوب کی دلیل شافعی سے پہلے سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ:

”تمہارا استدلال یا تو نماز کے اندر لوگوں کے عمل پر ہے یا اہل اجماع کے قول پر۔ پس اگر عمل سے دلیل پکڑتے ہو تب تو وہ ہمارے دلائل میں سے ہے۔ کیونکہ لوگوں کا استمراری عمل ہر قرن ہر زمانہ میں پچھلے تشدد میں درود پڑھنے کا ہے۔ مقتدی ہو یا امام یا تھا۔ فرض پڑھتا ہو یا نفل۔ یہاں تک کہ جب کسی نے نماز پڑھی اگر تم اس سے پوچھو گے کہ تو نے درود پڑھا تو وہ ہاں کہے گا۔ حتیٰ کہ اگر امام درود پڑھنے کے بغیر سلام پھیر دے اور مقتدی جان لیں تب ضرور اس فعل کا انکار کریں۔ یہ ایسا درست بیان ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ پس عمل تو بہت بڑی دلیل تمہارے برخلاف ہے۔ اب تم کو یہ کہنا کہیں تک زیبا ہے کہ شافعی سے پیشتر سلف صالح کا عمل نفی واجب کا تھا۔ کیا تم نے سب ہی سلف صالح کو ایسا دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہرگز نماز میں درود نہ پڑھتا تھا۔ یہ تو بالکل غلط ہے۔“

اب رہی دلیل اجماع۔ کہ درود فرض نہیں۔ اول تو اس کا نام عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سب اہل اجماع اس مسئلہ کو ایسا نہیں جانتے کیونکہ یہ تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے یا غایت درجہ یہ کہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ لیکن صحابہ و تابعین اور ارباب مذاہب میں خلاف کرنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ابن مسعود، ابن عمر، ابو مسعود عمیر، اور شعبی، مقاتل بن حیان، جعفر بن محمد، اسحاق بن راہویہ اور (آخری قول میں) امام احمد درود کو واجب مقلاتے ہیں۔ جب ان لوگوں کا اختلاف ہے تو اجماع مسلمین کہاں رہا اور سلف صالح کا متفقہ عمل کیوں کر ہوا۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی اپنے اپنے طبقہ کے فاضلوں میں سے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تحقیق کرنا اس شخص کی شان ہے جو مذاہب علماء کا اجماع نہ کرے اور اجماع و نزاع کے موافق سے پورا آگاہ ہو۔“

رہا یہ قول کہ: ”لوگوں نے اس مسئلہ میں شافعی کی مخالفت کی ہے۔“

بھلا اللہ کیا اس مسئلہ میں ان کی مخالفت ہو سکتی ہے؟ یہ تو ان کے مذہب کے

محاسن میں سے ہے۔ بتلاؤ تو سہی کہ اس مسئلہ میں کون سی کتاب یا سنت یا اجماع شافعی کے خلاف ہے۔ جب آخری تشہد میں درود کا پڑھنا بلا اختلاف نماز کا تمام کرنے والا ہے (خواہ واجبات میں سے خواہ مستحب میں سے) اور امام شافعی نے باقتضائے دلائل جس کی صحت ان کے نزدیک ثابت ہو گئی اور ہو آگے چل کر نکلی جائیں گی۔ اس کو واجبات میں سے قرار دے دیا تو اس سے خلاف نص یا خرق اجماع کیوں کر لازم آسکتا ہے۔ اور اگر ضمیمہ تو پھر ان پر مخالفت کیسی اور کیا مخالفت کرنے والا خود ہی اس مخالفت کا زیادہ مستحق نہیں؟

ربانیہ قول کہ۔

”تشہد ابن مسعود جہیز میں درود نہیں اور اسی کو شافعی نے اختیار کیا ہے۔“

سو یہ تشہد تو اسی طرح ہے۔ شافعی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے تشہد ابن عباسؓ کو اختیار کیا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے تشہد ابن مسعودؓ کو اور امام مالک نے تشہد عمرؓ کو اختیار کیا ہے اور اس قول کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

لہذا اس دلیل سے تشہد کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن کسی دوسرے کلام کی نفی وجوب اس میں گہلی ہے کیونکہ اس میں یہ ضمیمہ بتلایا گیا کہ اس قعدہ میں جتنا ذکر واجب ہے وہ سب یہی تشہد ہے۔ پس درود کا دوسری دلیل سے واجب ہونا احادیث تشہد کا جن میں ذکر درود ضمیمہ معارض نہیں۔

۱۰ تم سلام کو واجب جانتے ہو حالانکہ احادیث تشہد میں یہ ضمیمہ بتلایا گیا۔ اگر تم کو گے کہ اس کا واجب ہونا حدیث ”تَحْرِيفُهَا التَّكْبِيرُ وَ تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ“ سے ثابت ہے۔ تو ہم نے بھی درود کو دیگر دلائل سے واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اگر تشہد کی تعلیم درود کے واجب ہونے کی مائع ہے تو وجوب سلام کے لیے بھی مائع ہے اور اگر اس کے لیے نہیں تو درود شریف کے لیے بھی نہیں۔

العلاء محمد بن ابراہیم تیمی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

”كَفَيْتُ نَفْسِي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ جَلَسْنَا فِي صَلَاتِنَا“

”جب ہم اپنی نماز کے اندر بیٹھ جائیں تو آپ پر درود کسی طرح بھیجیں۔“

اب، درود جس کی تعلیم کا صحابہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا وہ سلام کی نظیر ہے جو نبی

ﷺ نے صحابہ کو پہلے سکھایا تھا۔ کیونکہ سوال صحابہ کے یہ الفاظ ہیں

«هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ»

”یعنی آپ پر سلام بھیجنے کو تو ہم جان گئے۔ مگر درود کی کیفیت کیا ہے۔“

یہ ظاہر ہے کہ سوال میں جس سلام کا ذکر ہے۔ وہ نماز میں «السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا

النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ» کا پڑھنا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ درود بھی جس کا سوال

میں سلام کے ساتھ ہی ذکر ہے نماز میں ہی ہو۔ مفصل تقریر آگے لکھی جائے گی۔

۴: اگر یہ ہو سکتا ہے کہ احادیث تشدد سے درود کا واجب ہونا ثابت ہے۔ تب

بھی وجوب کے دلائل ان سے مقدم ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں جو کچھ تم نے بیان

کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ احادیث تشدد کسی دوسرے کلام کے وجوب سے

ساکت ہیں۔ لیکن ایسی دلیل اس دلیل کی معارض نہیں ہوتی جو وجوب کی باطل ہو۔

چہ جائیکہ اسے مقدم بھی رکھا جائے۔ اس لیے درود کے واجب ہونے کی دلیل بھی

مقدم ہے اے شک ناقل منفی پر مقدم ہوتا ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔

کیونکہ دلائل تشدد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وجوب غیر سے ساکت ہیں۔ مگر ایسی

دلیل کیونکہ اس دلیل سے مختلف ہو سکتی ہے جو وجوب کی باطل ہو۔

۵: تشدد کی تعلیم پہلے دی گئی ہے۔ شاید اس وقت ہی جب نماز فرض ہوئی تھی۔

لیکن درود کی تعلیم آیت اِنَّ اللّٰهَ ذٰلِكَ جَعَلَ عَلٰی النَّبِيِّۦنَ الْاٰتِیَاتِ الْاُولٰٓئِیَہِ کے بعد ہے۔

(اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح اور واقعہ

تغییر ازدواج کے بعد نازل ہوئی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دلائل تشدد سے کسی

اور کلام کا واجب نہ ہونا بھی لکھا تھا تب بھی وہ منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ وجوب درود کے

دلائل اس سے متاخر اور تاخیر ہیں۔ تشدد سے درود کے متاخر ہونے کی دلیل اس

سوال میں ہے کہ:

”ہم لوگ آپ پر سلام تو جان گئے مگر درود کی کیا کیفیت ہے۔“

کیونکہ سلام جس کا ذکر الفاظ بالا میں ہے وہ تشدد میں ہی ملا ہوا ہے اور تشدد کے سوا نماز میں حتماً شروع نہیں۔ واللہ اعلم۔

رہا پہلے گروہ کا قول کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل روایت ابن مسعود ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ:

”جب تو یہ (تشدد) کہہ چکا تو نماز پوری ہو گئی۔ کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا۔ بیٹھا رہنا چاہیے تو بیٹھا رہ۔“

اس کا جواب چند دہ بات کی بنا پر ہے:

① حدیث میں یہ آخری فقرے زیادہ ہیں اور نبی ﷺ کے یہ الفاظ نہیں۔ چنانچہ

ائمہ حفاظ نے اسے ظاہر کر دیا۔ دارقطنی نے کتاب العمل میں لکھا ہے کہ:

”اس حدیث کا راوی اپنی سند کے ساتھ احسن بن حرب ہے اور حسن سے محمد

بن عجلان، حسین جعفی، زہیر بن معلویہ اور عبدالرحمان بن ثابت بن ثوبان

روایت کرتے ہیں۔ ابن عجلان اور حسین جعفی تو متفق اللفظ ہیں۔ زہیر نے

یہ آخری فقرے بڑھادیئے ہیں اور زہیر کے بعض راویوں نے ان کو حدیث

نبوی میں ملا دیا ہے حالانکہ شباب بن سوار جو زہیر سے ہی روایت کرتا ہے

اس نے ان فقرات کو کلام ابن مسعود بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ثوبان نے بھی

حدیث نبوی اور کلام ابن مسعود میں فرق دکھلایا ہے اور یہی صواب ہے۔

کتاب السنن میں ہے کہ زہیر سے روایت کرنے میں کسی نے اس اضافے کو

درج کر دیا۔ حالانکہ شباب راوی زہیر نے اسے جدا رکھا اور کلام ابن مسعود بتلایا ہے۔

یہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابن ثوبان نے بھی شباب کی طرح روایت کی ہے اور حسین

بن جعفی اور ابن عجلان نے تو بالکل اسے ذکر نہیں کیا جیسا کہ تشدد ابن مسعود کو

روایت کرنے والے اور راویوں نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ شباب نے اس

اضافے کو بیان بھی کیا۔ تو فاصلہ دے کر دارقطنی اس روایت کو اس روایت سے جس

نے اس فقرہ کو کلام نبوی کہا صحیح تر کہتے ہیں۔ غسان بن ربیع وغیرہ نے بھی شباب کی

پیروی کی ہے۔ ابوبکر خطیب نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے۔ اس بیان پر اگر کوئی یہ

اعتراض کرے کہ ابھی تو تم نے ابن مسعود سے یہ روایت کی تھی کہ نماز میں درود پڑھنا واجب ہے اور ابھی تم نے ہمارے موافق ہو کر مان لیا کہ بقول ابن مسعود تشہد پر نماز ختم ہو جاتی ہے۔ پس حدیث بالا کا آخری فقرہ دو حال سے خالی نہیں۔

- ① یا تو یہ نبی ﷺ کے الفاظ ہیں۔ تب تو درود کے واجب نہ ہونے پر نہیں ہیں۔
 ② یا ابن مسعود کا قول ہے تب اس روایت کو بالکل باطل کرتے ہیں جو درود کے واجب ہونے کی ان سے بیان کی جاتی ہے۔

یہ اعتراض بے شک قوی ہے کہ اور اس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) قاضی ابوالعصب کا قول ہے کہ:

”نماز پوری کر لی۔“

کے معنی یہ ہیں کہ اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ اس معنی کی دلیل بمسور کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک نماز ختم نہیں ہوئی۔ مگر یہ جواب ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں کہ: ”اگر تو کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رو۔“ اور جو لوگ درود کو نماز میں واجب بتلاتے ہیں۔ وہ نمازی کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔

(۲) ایک جواب یہ ہے کہ حدیث کی روایت تشہد کے بارے میں بالمعنی ہوئی ہے۔ ابتداء میں لوگ کہا کرتے تھے۔ السلام علی اللہ۔ پھر ان کو بتلایا گیا کہ اللہ تو خود سلام ہے۔ لیکن تم اس طرح نہ کرو۔ پھر ان کو تشہد سکھایا گیا۔ پس اس قول کہ: ”بہ تو نے یہ پڑھ لیا تو نماز پوری ہو گئی۔“

کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں جو کچھ رکوع و سجود، قراءت و تسلیم اور دیگر احکام ضروری ہیں ان کے ملا لینے سے نماز پوری ہو گئی۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں۔ حالانکہ وہ فرض ہے۔ وجہ یہ کہ لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اس قول کی نظیر نبی ﷺ کا ارشاد صدقہ کے بارے میں ہے کہ:

”وہ اغنیاء سے لیا جاتا اور فقراء پر لوٹا دیا جاتا ہے۔“

فقراء سے مراد اٹھ قسمیں ہیں۔ جن کا نام قرآن مجید میں ہے۔ وہ حدیث بھی اس کی نظیر ہے جس میں بری طرح نماز پڑھنے والے کا ذکر ہے اور جس کو تیسری دفعہ

نبی ﷺ نے سمجھایا تھا۔ مگر اس میں تشدد اور سلام کا ذکر نہیں۔ حالانکہ ان کے واجب ہونے پر اور احادیث موجود ہیں۔ پس اسی طرح درود کا واجب ہونا بھی دیگر احادیث سے موا اس حدیث کے لیا گیا ہے۔ دیکھو جس طرح پر یہ جائز ہے کہ حدیث ابن مسعود سے تشدد کو واجب ٹھہرانا جائز ہے اور جو شخص صرف مقدار تشدد بیٹھ جانے کو یا آخر رکعت کا پچھلا سجدہ کر لینے کو نماز کا پورا سجدہ کر لینا سمجھتا ہے اس کا رد حدیث سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص درود کے واجب ہونے کا قائل ہے۔ اسے جائز ہے کہ دیگر احادیث سے حجت پکڑے اور ہو قائل نہیں اس پر دلیل قائم کرے۔ بلکہ یہ استدلال دوسرے گروہ کے استدلال سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہ استدلال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور عمل امت (زمانہ در زمانہ) پر ہے۔ اگر یہ دلیل وجوب تشدد کے استدلال سے زیادہ قوی نہیں تو کچھ اس سے کم بھی نہیں۔ کیونکہ اگر ایسے فقہاء موجود ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ اس مسئلہ میں تازعہ کیا ہے تو ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے وجوب تشدد میں ہمارے ساتھ بھی نزاع کیا ہے۔ اب دلیل کی قوت دیکھ لینی چاہیے۔

(۳۱) ایک جواب یہ ہے کہ اس قول سے جو نہ مرفوع ہے نہ موقوف ہم پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ کہ:

”جب تو نے یہ کہا تو میری نماز پوری ہو گئی۔“

یا تو صرف تشدد کے متعلق ہیں۔ یا جملہ واجبات کے۔ اول تو محال اور باطل ہے اور دوسری صورت حق۔ لیکن یہ صورت واجبات نماز میں سے کسی واجب کی جس میں فقہاء کا اختلاف ہے نفی نہیں کرتی۔ وجوب درود کی خصوصیت سے نفی تو کیا کرنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام نماز کے اتمام اور واجبات میں سے ہے، علیٰ ہذا تشدد میں بیٹھنا مگر اس کا بیان نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا جس پر سو واجب ہو اس کی نماز بھی صرف تشدد سے ہی پوری نہیں ہوتی۔

(۳۲) ایک جواب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تشدد فرض نہیں بلکہ مقدار تشدد بیٹھ رہنا ہی نماز کو پورا کر دیتا ہے اور یہ حدیث وال ہے کہ نماز تشدد کے

بغیر پوری نہیں ہوتی۔ پس اگر تم اس سے یہ دلیل پکڑتے ہو کہ جب تشہد پورا ہوتا نماز کا معلق کر دیا تو اس کے بعد درود کا واجب قرار دینا صحیح نہیں۔ تو یہ دلیل عدم وجوب تشہد کے قول میں تم پر ہی قائم ہو جو بے گئی۔ کیونکہ وہاں بھی نماز کے پورا ہونے کو صرف نیت سے متعلق کر دیا ہے اور اس سے وجوب تشہد کا قول باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ استدلال صحیح نہیں۔ تب وجوب درود کے دلائل میں معارضہ کا ہونا باطل ہو گیا اور عدم وجوب درود کے متعلق بھی تمہارا قول غلط ٹھہرا۔ اگر تم یہ جواب دو گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مستحب قیام ہو جاتے ہیں۔ تو یہ قائل وجوب اور عدم وجوب دونوں کے نزدیک فاسد ہے۔ کیونکہ جو کوئی وجوب درود کا قائل نہیں اٹا تو وہ بھی مانتا ہے کہ نماز کو درود کے ساتھ پورا کرنا مستحب ہے اور جو وجوب کا قائل ہے وہ تو صاف کہتا ہے کہ واجبات درود کے ساتھ ہی پورے ہوتے ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں اس حدیث سے استدلال تمہارے لیے اصلاً ممکن نہیں۔

باقی رہا ابو داؤد ترمذی کا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کرنا جس میں یہ ہے کہ جب سجدہ آخری سے سر اٹھایا تو نماز پوری ہو گئی۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر

- [1] حدیث معلول ہے اور اس کی تعلیل چند وجوہ سے ہے۔
- [2] امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔ بلکہ اسناد میں اضطراب ہے۔
- [3] اس میں عبد الرحمن بن زیاد افریقی کی روایت ہے جسے ایک سے زیادہ ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔
- [4] اس حدیث کو بکر بن سواد نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت عبد اللہ سے نہیں ملا۔ پس یہ منقطع ہے۔
- [5] مضطرب الاسناد ہے۔
- [6] مضطرب المتن ہے کبھی تو یوں روایت کیا ہے:

«إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجْدَةِ فَقَدْ مَضَتْ صَلَوَتُهُ»

یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں اور بھی یوں کہا:

«إِذَا أَحْدَثَ الرَّجُلُ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَوَتِهِ قَبْلَ أَنْ

يُسَلِّمَ فَقَدْ حَازَتْ صَلَوَتُهُ»

یہ ترمذی کے لفظ ہیں اور بھی یوں کہا کہ:

«إِذَا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلَاةَ فَقَعْدٌ ذَاخِلَتْ هُوَ أَوْ وَاحِدٌ مِمَّنْ

اتَّبَعَهُ لِلصَّلَاةِ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ الْإِمَامَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَوَتُهُ»

یہ طحاوی کے لفظ ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں۔ طحاوی کا قول ہے کہ یہ اور

لفظوں کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے جو یہ ہیں۔

«إِذَا رَفَعَ الْمُصَلِّي رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ صَلَوَتِهِ وَقَضَى تَشَهُدَهُ ثُمَّ

أَحْدَثَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَوَتُهُ»

اور ان سب کا مدار افریقی پر ہے۔ جس سے شک ہوتا ہے کہ یہ اس کے حافظہ کی

خبرانی ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جائے تو نماز

پوری ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن سعید نے اپنے مسائل میں کہا ہے

کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر کوئی تشہد پھوڑ دے۔ فرمایا نماز پھر

نوتا دے۔ میں نے کہا حضرت علیؓ کی جو حدیث ہے فرمایا یہ صحیح نہیں۔ بلکہ نبی

ﷺ سے حضرت علیؓ و عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال کے خلاف مروی ہوا ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ اعمش نے ابوالاکل سے اس نے عبداللہ سے قصہ تشہد بیان

کیا ہے۔ کہا پھر جو جو دہار چاہے پڑھے۔ اس میں درود کا ذکر نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکایت درج یہ روایت وجوب درود سے ساکت ہے۔

لیکن احادیث وجوب کے معارض کسی طرح نہیں۔

رہا تمہارا یہ قول کہ حدیث فضلہ بن عبید نفی وجوب پر دلالت کرتی ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں نبی اکرم

تکبیر نے تشہد میں درود کا حکم دیا ہے۔ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے اور ایسا بھی ہے جیسے تشہد کے لیے۔ اس حکم دونوں پر شامل ہے اور دونوں میں تفریق کرنا محض حکم ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک تشہد ہی واجب نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے لیے دونوں مسئلوں میں حجت ہے اور اجماع دلیل واجب ہے۔ رہا تمہارا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا اور اگر درود فرض ہو تا تو اعادہ کا حکم دیتے۔ جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو حکم دیا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے:

(۱) وہ شخص وجوب کا عالم نہ تھا بلکہ معتقد تھا کہ واجب نہیں۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اعادہ کا حکم تو نہ دیا مگر آئندہ کے لیے فرما دیا۔ آئندہ کے لیے نبی ﷺ کا ارشاد وجوب کی دلیل ہے اور اعادہ کے لیے حکم نہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ جو وجوب کا علم نہ رکھتا ہو اسے معذور سمجھا جائے۔ چنانچہ دیکھو کہ اس بری طرح نماز پڑھنے والے کو بھی نبی ﷺ نے گذشتہ نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ عذر جمالت کی وجہ سے صرف یہی بتلادیا کہ ایسی نماز جس میں تعدیل ارکان موجود ہو اس کے سوا اور نماز ٹھیک نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ جمالت اس کے لیے عذر تھا تو اسی نماز کے لیے اعادہ کا کیوں حکم فرمایا۔ تو وجہ یہ ہے کہ وقت نماز باقی تھا اور وہ ارکان نماز جان چکا تھا۔ اس لیے اس نماز کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔

اب اگر کوئی کہے کہ تارک درود کو اعادہ کا کیوں حکم نہ فرمایا جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو فرمایا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کا حکم تو اس میں محکم و ظاہر ہے اور احتمال ہے کہ اس شخص نے یہ سن کر خود ہی بلا حکم کے نماز کو ٹالی ہو اور احتمال ہے کہ نماز فضل ہو اور اعادہ اس پر واجب نہ ہو۔ اس کے سوا اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر امر ظاہر و دلیل محکم کو اس مختلف مفہوم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورت کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

غرض اس حدیث فضالہ میں مشترک والا کل ہیں۔ اور فریقین کے لیے برابر ہے۔ عدم وجوب والوں پر کچھ زیادہ حجت نہیں۔ اور ربی ترجیح والوں میں وہ ہماری طرف

ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں یہ احتجاج ساقط ہے۔

دہا تہمارا یہ قول کہ بری طرح پر نماز پڑھنے والے کو نبی ﷺ نے درود نہیں بتلایا۔ اگر فرض ہوتا تو ضرور فرما دیتے۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

۱۔ یہ حدیث نئے متاخرین نے ہر ایک واجب کی نفی کرنے کے لیے مستند بنایا

ہے۔ فوق قوت اس کا حاصل کیا ہے اور جس کسی سے وجوب میں اختلاف تھا اس کی

نفی وجوب میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی نے اس کی حجت پر وجوب فاتحہ کی نفی

کی۔ کسی نے وجوب سلام کی۔ کسی نے وجوب درود کی۔ کسی نے رکوع و سجود کے

اذکار کے وجوب کی۔ کسی نے ہر دو رکعت میں اعتدال کی اور کسی نے تکبیرات

انتقالات کے وجوب کی اور ان سب استدلال میں تساہل ہے۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ

ان میں سے کسی شے کے وجوب کی نفی تحقیق کے وقت ثابت نہیں۔ غایت درجہ یہ

ہو سکتا ہے کہ اس میں وجوب اور نفی سے سکوت ہے۔ مگر جن دلائل سے ان کا

وجوب ثابت ہے یہ سکوت ان کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک حکم

دے کر دوسرے سے نبی ﷺ کا سکوت بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ واجب نہیں۔

کیونکہ یہ سکوت مقام بیان میں ہے اور ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت تاخیر بیان

ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وجہ پر استدلال کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ نہ تشدد واجب ہے نہ اس کے

لیے بیٹھنا نہ سلام نہ نیت نہ قراءت فاتحہ اور نہ سب چیزیں جن کا حدیث میں ذکر

نہیں۔ بلکہ نہ استقبال قبلہ واجب ہے اور نہ وقت پر نماز کیونکہ اس حدیث میں ان کا

حکم نہیں پایا جاتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اگر یوں کہو گے کہ

اچھا جمل جمل اس نے خرابی کی تھی وہاں تو بتلایا اور درود کے لیے نہ فرمایا تو جواب

یہ ہے کہ تم اپنے سوال کو ہی جواب سمجھو اور حدیث مسی کے ساتھ جس جس چیز

کے وجوب کی نفی کرتے ہو۔ ان کے لیے بھی یہی کافی جواب سمجھ لو۔

۲ اجزاء نماز میں سے جس کے لیے حکم موجود ہے۔ اس کے وجوب کی دلیل تو

ظاہر ہے اور جس امر کو بیان کیا گیا ہے اس میں چند امور کا احتمال ہے۔

واللہ، وہ شخص ان میں خرابی نہ کرتا تھا اور بری طرح سے ان کو ادا نہ کرتا تھا۔
اب باقی امور بعد میں فرض ہوئے۔

۱۱) معظم اور اہم ارکان تو بتا دیئے اور باقی تعلیم کو اپنے نماز کے مشاہدہ پر سائل کے لیے یا بعض صحابہ کی تعلیم کے حوالہ کر دیا۔ کیونکہ نبی ﷺ کسی صحابی کو اکثر حکم دیا کرتے تھے کہ باوقاف کو سکھلا دے۔ اور جاہل کو سکھانا اور بھٹکے ہوئے کو راہ پر ڈالنا تو ان کی ایک معمولی عادت ہو گئی تھی۔ اور اس بارے میں کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ کچھ تو نبی ﷺ نے بتلادیا ہو اور کچھ صحابہ نے اور جب یہ احتمالات موجود ہیں تو پھر یہ مشتبہ و محتمل مختلف مضموم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورتیں نہ ہو تو وجوب درود کے دلائل کی مخالفت کا باعث بن سکتا ہے اور نہ دیگر واجبات نماز کی دلیلوں کا۔ چہ جائیکہ ان دلائل پر اسے تقدم بھی دیا جائے۔ اس لیے لازم ہے کہ صریح و محکم کو مشتبہ و مجمل پر مقدم رکھا جائے۔ واللہ اعلم۔

ربا یہ قول کہ قرآن میں دلیل صحیح سے جس کی خلاف ورسی کوئی دلیل نہ ہو یا اجماع سے ثابت ہو ا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے دلائل وجوب بھی سن لینے چاہئیں۔

دلیل اول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ آفَةً وَمَلَّتْ بِكُمْ يَصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَأْتِيهَا الْذِّبَةُ مَا مَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الحزاب ۳۳/۵۶)

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا امر فرمایا اور امر مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے اس درود مامور بہا کی کیفیت کا سوال کیا تو فرمایا، کہا کرو:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُكَ اللَّهُ، أَللَّهُمَّ
بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَسْبُكَ اللَّهُ

اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ سلام جو آپ نے صحابہ کو سکھایا تھا وہ نماز میں ہے۔
یعنی سلام تشدد پس بر دو امر ہر دو تعلیم اور ہر دو محل کا خرج ایک ہے۔ جو واضح
کرتا ہے کہ تشدد کی تعلیم بطور امر ہے اور سلام کا ذکر اسی میں ہے۔ پھر صحابہ نے
دروود کا سوال کیا تو وہ بھی سکھایا اور اسے تسلیم کے ساتھ مناجات کیا۔ یہ دلالت کرتا
ہے کہ جس صلوٰۃ و تسلیم کا ذکر حدیث میں ہے یہ دونوں وہی ہیں جو نماز میں ہیں ہے
شک یہ واضح کرتا ہے کہ اگر یہ صلوٰۃ و تسلیم نماز سے خارج ہوتے اور نماز کے اندر
مراہ نہ ہوتی۔ تب ضرور ہر ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے وقت
«السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ» کہتا کرتا۔ حالانکہ یہ بخوبی معلوم ہے
کہ سلام کرنے میں صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی نہ تھی۔ بلکہ جو آتا «السلام
علیکم» کہتا کرتا۔ یا کبھی «السلام علی رسول اللہ» یا کبھی «السلام علیک یا رسول اللہ»
عرض کیا کرتا اور سلام تحیت تو اول اسلام سے ہی آپ کو عرض کیا جاتا تھا۔ پس جو کچھ
(بعد میں) سکھایا گیا وہ اس مقدار (تحیت) سے زائد ہے۔ جو بالتحقیق نماز کے اندر
سلام کرنا ہے۔ اس مطلب کی توضیح حدیث ابو اسحاق سے ہوتی ہے۔ جس میں یہ الفاظ
ہیں کہ ”ہم کس طرح درود پڑھیں۔ جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں۔“

اس لفظ کی حفاظت کی ایک جماعت نے صحیح کی ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان، مسلم،
دار قطنی اور بیہقی ان میں سے ہیں۔ یہ حدیث پہلے باب میں مع اس کی علت اور اس
کے جواب کے بیان ہو چکی ہے۔ غرض جب ثابت ہو چکا کہ جس درود کی کیفیت کا
سوال کیا گیا ہے وہ نماز کے اندر کا درود ہے۔ تو گویا قرآن مجید میں جس کا حکم دیا گیا
ہے۔ یہ اسی کا بیان ہے۔ تو اس سے درود کا وجوب ثابت ہو گیا۔ اسی کے ساتھ نبی
اکرم ﷺ کے امر کو شامل کر لینا چاہیے۔ شاید یہی وجہ ہے جس کی طرف امام احمد
رحمہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ میں اس سے روکتا تھا مگر وہ تو واجب ہے۔

اس استدلال پر چند سوال

اقل: نبی اکرم ﷺ کے ارشاد:

«وَالسَّلَامُ كَمَا عَلَّمْتُمْ»

”اور السلام ویسا ہی ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔“

میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ یا تو نماز میں نبی ﷺ پر سلام کرنا ہے یا نماز سے فارغ ہونے کا سلام کرنا۔ یہ قول ابن عبدالبر کا ہے۔

دوم: جو کچھ بیان ہوا ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ سلام کے ساتھ درود بھی شامل ہے اور چونکہ سلام تشدد میں واجب ہے۔ اسی طرح درود بھی واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ مسلک ہونے کی یہ دلیل ضعیف ہوتی ہے۔

سوم: ہم نہ سلام کے وجوب کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ درود کو اور یہ استدلال جب پورا ہوتا ہے جب نبی اکرم ﷺ پر سلام کا وجوب مان لیا جائے۔

ان سوالات کے جوابات

سوال اول: یہ سوال تو بہت ہی فاسد ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث اس کو باطل کرتے ہیں۔ حدیث ابو سعید خدری میں بخاری کے لفظ یہ ہیں:

«هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ»

”اے اللہ کے رسول یہ سلام ہے جو آپ پر کیا جاتا ہے اسے تو جان گئے مگر آپ پر درود کی کیا کیفیت ہے؟“

پھر یہ سمجھو کہ صحابہ نے صلوٰۃ و سلام کا جو سوال کیا تھا وہ اس صلوٰۃ و سلام کی بابت تھا جس کا حکم ہوا تھا کہ نماز سے فارغ ہونے کا سلام۔

سوال دوم: یہ سوال اس شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے جو تقریر وجہ دلالت کو

نہیں سمجھا۔ کیونکہ ہماری حجت دلائل القرآن کی صورت پر نہیں۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کا حکم ہوا اور جب صحابہ نے اس کے سیکھنے کی درخواست کی تب نبی اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ یہ درود جس کا حکم ہوا ہے نماز میں ہے۔

سوال سوم یہ سوال نہایت ہی فاسد ہے۔ کیونکہ کسی مخالف کا یہ حق نہیں کہ اگر کتاب و سنت کے دلائل کو اپنے خلاف پائے تو اس سے منہ پھیر لے۔ سواب تمہارا اختلاف ایسے مسئلہ میں جس میں تمہاری جانب سے نزاع کرنے والے کے قول پر دلیل قائم ہو چکی ہے کیونکہ پل سکتا ہے اور وہ خلاف بھی ایسا جو ایک ایسی صحیح دلیل کو جس کا دوسرے مسئلہ میں بھی کوئی معارض نہیں باطل ٹھہراتا ہو۔ یہ طریق اہل علم کے طریقہ کے خلاف نہیں۔ صحیح طریق تو یہ ہے کہ جو دلائل اپنے سے مخالف اقوال کو باطل ٹھہراتے ہیں اور جن کے سامنے ان کے خلاف کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ بہر حال ان مخالف اقوال پر مقدم ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اقوال علماء کے ساتھ دلائل کی مخالفت کی جائے کیا جائے اور مقتضائے دلائل کو باطل ٹھہرایا جائے اور اقوال کو ان دلائل پر مقدم دیا جائے۔ اس صورت میں حدیث دونوں مسئلوں میں حجت قائم کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب تسلیم اور وجوب درود کی دلیل موجود ہے۔ اس لیے اس پر رجوع کرنا ضروری ہے۔

دلیل دوم نبی اکرم ﷺ درود شریف کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور ہم کو حکم ہے کہ ہم نماز رسول اللہ ﷺ جیسی پڑھیں اور یہ حکم نماز کے ہر فعل کو واجب قرار دیتا ہے۔ بجز اس کے جسے دلیل نے خاص کر دیا ہو۔ یہ دو مقدمہ ہوئے۔ نماز میں رسول اللہ ﷺ درود پڑھا کرتے تھے۔ اس کی حدیث مستند شافعی میں ہے۔ کعب بن عجرہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، تَحْمًا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ

مُحَمَّدٌ كَمَا تَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَالْإِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَّجِيدٌ

اس سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے۔ جسے ایک جماعت اثناعشریہ ابن اسماعیلیہ ابن عدی اور ابن عقیلہ اس میں سے ہیں اے ثقہ کہا ہے اور باقی نے ضعیف۔
رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھنے کی حدیث صحیح بخاری میں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے گھروں کو جاؤ وہاں کے لوگوں کو سکھلاؤ اور تھلاؤ اور ایسی نماز پڑھو جیسی مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ جب وقت نماز ہو ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔“

اس استدلال پر دو سوال و اعتراض ہیں۔ وہ دوسری جگہ مذکور ہیں۔

دلیل سوم | فضالہ بن عبید کی حدیث ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ وَابْعِثْهُ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللَّهِ وَالنَّبَاءِ عَلَيْهِ وَالصَّلَاةِ ثُمَّ يُبْصِلْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَدْعُ بِمَا شَاءَ

اس کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ ابن مہبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس پر چند وجوہات کی بنا پر اعتراضات ہیں۔
اعتراض ۱۱: نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اس کا جواب لکھا گیا:

اعتراض ۱۲: یہ تو نماز ختم ہونے کے بعد کی دعا ہے۔ نہ نماز کے اندر کیونکہ ترمذی نے رشدین کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھی۔ پھر کہا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ، رسول خدا ﷺ نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے جب تو نے نماز پڑھی اور تو بیٹھا۔ پس اللہ کی حمد اس کے لیے

مخصوصاً کر۔ مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے:
الف) رشدین کو ابو زرعہ وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ جب وہ روایت میں تھا تو
توجہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ ثقہ و ثابت راویوں کے خلاف کرے۔ کیونکہ سب
نے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو اپنی نماز میں دعا
مانگتا تھا۔

ب) رشدین نے یہ نہیں کہا کہ اس نمازی نے نماز پورا ہو جانے پر دعا مانگی
تھی اور کوئی لفظ بھی اس پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ «افضلی» اور «اللّٰہُمَّ اعْزِلْنِیْ»
جو الفاظ موجود ہیں۔ یہ فراغت پر دلالت نہیں کرتے اور حدیث ہمارے مدعا کی دلیل
ہے۔ کیونکہ اس میں «اِذَا صَلَّیْ اَخَذْتُکُمْ فَلَبِثْتُ اَبْنَحْبِیْدِ اللّٰہِ» موجود ہے اور ظاہر ہے
کہ نماز سے فارغ ہونے کی حالت کو ان الفاظ سے نہیں بیان کرتے۔ خصوصاً جب
کہ یہ بھی معلوم ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی عام دعائیں نماز کے اندر ہوتی تھیں نہ
بعد۔ جیسا کہ ابو ہریرہ، علی، ابو موسیٰ، عائشہ، ابن عباس، حذیفہ اور عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم کی
حدیثوں سے ثابت ہے اور ان میں سے کسی نے یہ روایت صحیح حدیث میں نہیں کی
کہ نبی ﷺ نماز سے باہر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب سوال
کیا کہ مجھے نماز کے اندر دعا پڑھنے کے لیے سکھائیں۔ تو یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے
باہر اسے پڑھا کر اور نہ اس دعا مانگنے والے کو ہی فرمایا کہ سلام نماز کے بعد پڑھا
کر۔ بے شک جب نمازی پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور اسی کی جانب متوجہ
ہے۔ تو اس وقت اس کا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا زیادہ موزوں ہے۔ بجائے اس کے
کہ نماز سے نکل کر اور مناجات سے فارغ ہو کر وہ دعا مانگے۔

[3] «لَا حَبِیْدَ اللّٰہِ بِنَا هُوَ اَخْلَعُ» سے مراد نبوی تشہد ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے «اِذَا
صَلَّیْتُ فَقَعْدْتُ» مطلب یہ کہ جب نماز پڑھ کر تشہد میں بیٹھے اس وقت کے لیے
حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی ﷺ پر درود ہونا چاہیے۔

اعتراض سوم | یہ حکم اللہ کی حمد کے بعد درود و دعا ہونی چاہیے، غیر معین ہے۔
پھر تشہد کے بعد تم کہیں کر کہتے ہو؟

جواب یہ ہے کہ نماز میں اور کوئی موضع مشروع نہیں۔ جس میں ثناء، درود و دعا ہو۔ بجز آخری تشہد کے کیونکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ یہ قیام و رکوع و سجود میں مشروع نہیں۔ اس لیے معلوم ہو گیا کہ نماز کے آخر میں تشہد کی نشست میں ہی مراد ہے۔

اعتراض چہارم اس میں دعا کا درود کے بعد حکم ہے اور دعا واجب نہیں تو ایسا ہی درود بھی ہونا چاہیے۔

جواب یہ محال نہیں ہے کہ درجہ ذیل کا حکم ہو اور ان میں سے ایک کے عدم وجوب پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو وہ سب وجوبِ اصحیت پر باقی رہے۔

۱) دعا سے پہلے جو حمد و ثناء کا ذکر ہے یعنی تشہد وہ تو واجب ہے جس کا حکم نبی اکرم ﷺ نے دیا اور صحابہ نے ظاہر کر دیا کہ وہ (تشہد) فرض ہے۔ پس جس طرح یہ کہ تشہد کے حکم کا دعا کے ساتھ مذکور ہونا تشہد کے وجوب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی درود کو بھی۔

۲) یہ قول کہ دعا واجب نہیں یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ دعا کی ایک قسم واجب بھی ہے۔ مثلاً دعا، توبہ اور دعا، استغفار، ذنوب اور دعا، ہدایت و غفر اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ غضب ترک واجب پر ہوتا ہے یا فعل حرام پر۔

اعتراض پنجم اگر درود فرض ہوتا تو اس شخص کے نماز پڑھنے کے وقت جس نے درود نہ پڑھا تھا۔ اظہارِ وجوب میں تاخیر نہ ہوتی بلکہ اس کے وجوب کا علم اس حدیث سے کہیں پہلے حاصل ہوتا۔

جواب یہ ہم نے کما ہی نہیں کہ درود اسی حدیث سے امت پر فرض ہوا ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس نمازی نے درود چھوڑ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا۔ بیساک پہلے سے شرع میں مستقر و معلوم تھا اور اس کی مثال بری طرح پر نماز پڑھنے والے کی سی ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود کا وجوب اور ان میں طہانیت امت کو کچھ اسی حدیث سے ہی معلوم نہیں ہوتی۔ پس نبی اکرم ﷺ کے بیان کی تاخیر اس

اگر آپ کے لیے یہی معنی رکھتی ہے کہ آپ نے اسے وہی حکم دیا جو اس سے پہلے امت کے لیے شروع فرما چکے تھے۔

اعتراض چشم | ابو داؤد و ترمذی نے اس حدیث فضالہ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

«فَقَالَ لَهُ أَوْ بغيره»

"یعنی اسے فرمایا یا اسی اور کو۔"

دیکھو اگر یہ حکم ہر ایک مکلف پر واجب ہوتا تو اس جگہ صرف اُو نہ ہوتا۔ مگر یہ اعتراض فاسد ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) روایت صحیح وہ ہے جسے ابن خزیمہ اور ابن حبان صحیحین نے روایت کیا ہے۔

«فَقَالَ لَهُ أَوْ بغيره»

"اسے اور دوسروں کو فرمایا۔"

امام احمد، دار قطنی اور بیہقی رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(۲) اس جگہ حرف اُو نصیر کے لیے نہیں۔ بلکہ تقسیم کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو کوئی نمازی نماز پڑھے اسے بھی پڑھنا چاہیے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُطِيعُوا مَا تَشَاءُونَ كَفُورًا﴾ (النور ۲۴/۷۶)

یہ مطلب نہیں کہ آثم اگر گناہ کو چھوڑ کر کفور (ناشکرے) کا کساناں لیں۔ یا اس کے برعکس۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ خواہ آثم ہو یا کفور۔ دونوں میں سے کوئی ہو۔ اس کا کساناں ماننا چاہیے۔

(۳) حدیث صحیح عمومیت کے لیے ہے جب کہ یہ الفاظ موجود ہیں:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللَّهِ»

(۱۳) نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«ثُمَّ عَلَّمَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ»

"پھر انہوں کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔"

ظاہر ہے کہ یہ عام ہے۔

دلیل چہارم | اس دلیل میں تین احادیث بیان ہوں گی۔ ہر ایک حدیث ایسی ہے کہ اگر منفرد ہو تو اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ ہاں اجتماع کے وقت ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

(۱) دار قطنی نے عمرو بن شمر کی روایت سے جابر جعفی سے اس نے ابن ہریدہ سے

اس نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 اَبَا بُرَيْدَةَ اِذَا صَلَّيْتَ فِي صَلَاتِكَ فَلَا تُرْمِكُ الشَّهَادَةَ
 وَالصَّلَاةَ عَلَيَّ فَإِنَّهَا زَكَاةُ الصَّلَاةِ وَمُسَلِّمٌ عَلَيَّ خَيْرٌ مِنَ
 اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَسَلِّمٌ عَلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ الصَّالِحِينَ

”اے ہریدہ! جب تو نماز پڑھے تو تشهد اور درود کو مت پھوڑنا۔ کیونکہ یہ بھی نماز کو پاک کرنے والے ہیں۔ اور سلام بھیج تمام اللہ کے انبیاء و رسول پر نیز اللہ کے تمام صالح بندوں پر۔“

(۲) دار قطنی نے عمرو بن شمر کے طریق سے اور اس نے جابر سے روایت کی کہ

شعبی نے کہا کہ میں نے مسروق بن ابدع کو کہتے سنا کہ تھا کہ عائشہ صدیقہ
 بیٹھنے کے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةً إِلَّا بِطَهْوَرٍ وَبِالصَّلَاةِ عَلَيَّ

”اللہ تعالیٰ کسی نماز کو بغیر وضو اور درود کے قبول نہیں فرماتا۔“

عمرو بن شمر اور جابر دونوں ہی ایسے ہیں کہ ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اور جابر عمرو سے اصل ہے۔

(۳) دار قطنی نے عبدالمسین بن عباس بن سل بن سعد سے اسی نے اپنے باپ

سے اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

”جو اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

طبرانی نے اسی کو ابی بن عباس (عبدالمسین کے بھائی) سے روایت کیا ہے کہ

عبدالمسین قابل حجت نہیں اور ابی بن عباس اس کا بھائی گوشتہ ہے اور بخاری نے

اس کی حجت پکڑی ہے۔ لیکن یہ حدیث عبدالمہسن کی روایت سے ہی مشہور و معروف ہے اور طبرانی نے دونوں طریق سے روایت کیا ہے۔ مگر ثابت نہیں۔

دلیل پنجم | ابن مسعود و ابن عمر ابو مسعود انصاری جھگڑے سے وجوب درود ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور کسی ایک صحابی کا قول بھی محفوظ نہیں کہ درود واجب نہیں اور صحابی کا قول جب اس کا کوئی مخالف نہ ہو حجت ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل مدینہ مالکیہ اور اہل عراق حنفیہ کے اصول ہے۔

دلیل ششم | عمدہ نبوی سے لے کر آج تک لوگوں کا عمل ہے، بے شک آخر درود واجب نہ ہوتا تو ہر ایک زمانہ میں اور تمام شہروں میں درود کے بعد از تشہد ہونے اور تشہد آخر کو درود سے خالی نہ رکھنے پر اتفاق نہ ہوتا۔ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر میں «الَّذِينَ يُفْسِدُونَ الصَّلَاةَ» کے تحت میں لکھا ہے کہ اقامت نماز سے مراد نماز کی محافظت اور اوقات کی نگہداشت اور قیام و رکوع و سجود اور تشہد و درود کا آخری تشہد میں ہونا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفسیر میں سب لوگ مقاتل کے خیال ہیں پس جب درود بھی اقامت کے اندر داخل ہے جس کا قرآن مجید حکم دے رہا ہے تو وہ بھی واجب ٹھہرا۔ اس گروہ نے قیاسات سے بھی تمسک کیا ہے مگر ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔ پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ جو نزاع کر رہے ہیں انہوں نے دلائل و براہین کے بغیر ہی بعض اشیاء کو نماز میں واجب ٹھہرا دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھو کہ و ترک واجب کہتے ہیں۔ لیکن مقابلہ تو کرو۔ اس کے بدلہ وجوب اور درود کے بدلہ وجوب کا۔ وہ نماز میں قنوت سے پہننے والے پر وضو واجب بتاتے ہیں۔ مگر اس مسئلہ کے دلائل کے سامنے وہ دلائل کہاں ہیں؟ علیٰ ہذا امام مالک رحمہ اللہ نماز میں ہمت ہاتھوں کی نسبت فرض اور مستحب کے درمیان ہونے کے قائل ہیں۔ جو فرض نہیں اور فضیلت مستحب سے بالاتر ہیں۔ اس کا نام مالکیہ سبب رکھتے ہیں۔ مثلاً قرات فاتحہ اور تکبیرات انتقال اور جلسہ اولیٰ اور جہر و خافت قرات اور ان کے ترک پر سجدہ کو واجب کرتے ہیں۔ پس درود کا واجب ہونا اگر ان ہمت

سے مسائل کے واجب ہونے سے زیادہ قوی نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔

غرض اس مسئلہ میں ہر دو فریق کے دلائل یہ ہیں اور مقصود اس سے یہ ہے کہ شافعی رحمہ اللہ پر طعن و تشنیع باطل ہے۔ چونکہ جس مسئلہ میں اس قدر اول و آثار موجود ہوں تو اس کے قائل کی تشنیع کوئی کیوں کر کر سکتا ہے۔

مقام : 2 | جن جگہوں میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ ان میں سے دوسری جگہ

تشدد اول ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اُم میں

کہا ہے کہ تشدد اول میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا چاہیے۔ ان کے مذہب میں یہی

مشہور ہے۔ مگر یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا آخری مذہب ہے۔ مگر ان کے نزدیک بھی مستحب

ہے واجب نہیں اور قدیم مذہب (ابتدائی) یہی تھا کہ تشدد سے آگے نہ بڑھائے۔ یہ

مزنی نے شافعی سے روایت کیا ہے۔ اور یہی مذہب امام احمد، امام ابو حنیفہ اور امام

مالک وغیرہ رحمہم کا ہے۔ قول شافعی کی جہت دار قطنی کی حدیث ہے۔ جسے سند کے

ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تشدد سکھایا کرتے تھے۔

وَالشُّجِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الرَّاجِيَّاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الشَّيْخُ

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

”(میری تمام) قوی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں“

اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، سلامتی اور برکات ہوں اور ہم پر اور

اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

(سچا) معبود نہیں اور اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے

بندے اور رسول ہیں۔“

پھر نبی ﷺ پر درود ہے۔

(۲) دار قطنی کی حدیث بریدہ سے ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ”فرمایا ہے

کہ اے بریدہ جب نماز پڑھے تو اس میں درود ترک نہ کرنا۔ کیونکہ درود نماز کو پاک

کر دینے والا ہے۔ یہ حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت

عام ہے اور اول و ثانی جلسہ کی تخصیص نہیں۔ میزان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود اور تسلیم برہنہ کا حکم دیا ہے۔ پس جہاں سلام مشروع ہیں وہیں درود بھی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے سوال کیا تھا کہ سلام کی کیفیت تو ہم جان گئے۔ مگر کیفیت درود کیا ہے۔ یہ سوال بھی دلالت کرتا ہے کہ درود سلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پس چونکہ نمازی پہلے تشہد میں سلام نبی اکرم ﷺ پر بھیجتا ہے۔ اس لیے درود بھی مشروع ہے۔ کیونکہ جس مکان میں تشہد و سلام مشروع ہے۔ اسی جگہ درود بھی ہے اور یہ تشہد آخری کے مانند ہے اور اس لیے بھی کہ نماز میں یہی جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پسندیدہ ہے تشہد ہے۔ اس لیے شایان ہے کہ نبی ﷺ کا ذکر اکل صورت میں ہو اور اس لیے بھی کہ حدیث محمد بن اسحاق میں یہ الفاظ ہیں:

"ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ جب ہم اپنی نماز میں جلسہ کریں۔"

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ پہلا تشہد درود کا کھل نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی ہے اور اسی کی اکثر اصحاب شافعی نے تصحیح کی ہے۔ کیونکہ تشہد اول میں تخفیف مشروع ہے اور نبی ﷺ جب اس میں بیٹھا کرتے تھے گویا سنگ گرم پر بیٹھا کرتے ہیں اور ثابت نہیں ہوا کہ آپ یصل درود پڑھتے ہوں یا آپ نے است کو بتلایا ہو اور نہ یہ معلوم ہے کہ کسی صحابی نے اس کو مستحب کہا ہو۔ اور اگر جیسا کہ گروہ اول کہتا ہے اس جگہ بھی درود مشروع ہوتا تو واجب ہی ہوتا جیسا کہ تشہد آخر میں ہے۔ کیونکہ دونوں پر ایک حکم ہے اور اگر اس جگہ درود آپ پر مستحب ہوتا تو آل پر بھی ہوتا۔ کیونکہ درود میں آپ کو منفرد نہیں کیا گیا۔ کیونکہ آپ نے یہی حکم دیا ہے کہ آپ اور آل دونوں کا درود میں ذکر کیا جائے۔ پھر اگر یصل مشروع ہوتا تب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کا ذکر گرجا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ درود مامور بہا کی صفت بھی ہے۔ پس جب یہ بھی مشروع ہوتا۔ تب اس کے بعد دعاء بھی مشروع ہوتی۔ جیسا کہ حدیث فضالہ کا مطلب ہے۔ پس ایسی حالت میں تشہد اول و دوم میں کچھ فرق نہ رہا اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے۔ اول تو ان میں موسیٰ اور عمرو بن شمر اور جابر جعفری کی وجہ سے ضعف ہے۔ پھر اس دعاء پر دلالت ہی نہیں کرتی ہیں۔

کیونکہ اس سے مراد تشہد اخیر ہے نہ اول جیسا کہ دلائل سے واضح ہے۔ دیگر دلائل جو تم نے بیان کئے ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے۔

مقام : 3 | اردو کے مختلف مقامات میں سے ایک مقام آخر قنوت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اور جنہوں نے ان سے موافقت کی اس کو مستحب کہا

ہے اس کی حجت روایت نسائی ہے۔ محمد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ کلمات وتر میں سکھائے ہیں۔ فرمایا کہ:

«اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي بِمَا أَعْطَيْتَ، وَقَبْلِ شَرِّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَنْزِلُ مِنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ»

”اے اللہ! مجھے ہدایت دے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنہیں تو نے رشد و ہدایت سے نوازا ہے اور مجھے عافیت دے کہ ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے“ اور جن لوگوں کو تو نے اپنا دوست بنایا ہے ان میں مجھے بھی شامل کر کے اپنا دوست بنا لے۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لیے برکت ڈال دے اور جس شر و بدائی کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس سے مجھے محفوظ رکھ اور بچا لے۔ یقیناً تو ہی فیصلہ صادر فرماتا ہے حیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا اور جس کا تو والی بناوہ کبھی ذلیل و خوار اور رسوا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پروردگار آقا! تو (بڑا ہی برکت والا اور بلند و بالا ہے اور نبی ﷺ پر رحمت بھیج۔“

پس یہ دعا قنوت وتر کی ہے اور قنوت فجر میں اس کو قیاساً منتقل کر لیا ہے۔ ابو اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کلمات سکھائے ہیں ان کو وتر میں پڑھتا ہوں۔ پھر دعا پڑھی اور اس میں اردو کا ذکر نہیں کیا اور یہ قنوت رمضان میں مستحب ہے۔ ابن دہب نے سند کے ساتھ عبدالرحمن بن عبد القاری

ہے جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن ارقم کے ساتھ منصرم بیت
الماں تھے۔ روایت کی ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات کہ عمر فاروقؓ
عبدالرحمن بن عبد کے ساتھ مسجد میں آئے۔ لوگوں کو دیکھا مسجد میں جدا جدا نماز
پڑھ رہے ہیں۔ ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے اور ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے۔ غرض اسی
طرح ایک بڑی تعداد جدا جدا پڑھتی ہے حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم! میں خیال
کرتا ہوں کہ اگر ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تب بہتر ہو۔ پھر حضرت عمرؓ نے
اس کا ارادہ پختہ کیا اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان میں امامت کرایا کریں۔
ایک دن حضرت عمرؓ پھر آئے لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا
نئی تجویز اچھی ہے۔ مگر جو سو رہے ہیں وہ ان سے اٹھتے ہیں جو قیام کر رہے ہیں۔
اس سے ان کی مراد آخری شب کا اٹھنا تھا۔ کیونکہ لوگ اول شب تراویح پڑھتے
تھے۔ عبدالرحمن نے کہا یہ لوگ نصف ماہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے اور کما
کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ قَاتِلِ الْكَفْرَةَ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ وَيَكْذِبُونَ
رُسْلَكَ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِوَعْدِكَ وَخَالَفَ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَالَّذِي فِي
قُلُوبِهِمُ الرَّغْبُ وَالَّذِي عَلَيْهِمْ رَجْزُكَ وَعَذَابُكَ إِلَهَ الْخَلْقِ»

”اے الہی! ان کفار پر لعنت بھیج جو لوگوں کو تیری راہ سے روکتے اور تیرے انبیاء
کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے وعدوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اے الہی! ان کے
اخلاق میں پھوٹ اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں) کا رعب ڈال دے اور
ان پر پلیدی و عذاب نازل فرما۔“

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے۔ پھر مسلمانوں کے لیے جہاں تک
استطاعت ہوتی ہے دعا خیر کرتے۔ پھر دوسروں کے لیے استغفار کرتے۔ اور جب
اس سے فارغ ہوتے تو کہتے

«اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَكَ نُصْلَى وَسُجْدٌ وَالْبُكَ نَسْمَى وَنَحْفُذُ
وَنُزْجُوا رَحْمَتِكَ وَنَخَافُ عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدُّ لَمَنْ

عَادَتِ مُلْحَق

"اُمی ہماری عبادت 'ہماری نماز' ہمارا سجدہ خاص تیرے لیے ہے اور ہماری سعی و خدمت گزاری خاص تیرے لیے ہے۔ ہم تیری رحمت کے امیدوار اور عذاب سخت سے ترسنا ہیں۔ بے شک تیرا عذاب تو تیرے اہل راہ پر گرنے والا ہے۔"

پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کو چلے جاتے۔ اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عبد اللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ معاذ بن عمرو قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

مقام : 4

مقامات درود میں سے ایک جگہ نماز جنازہ ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد اس کی مشروریت میں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں کہ نماز بغیر درود ہو جاتی ہے یا نہیں اختلاف ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود واجب ہے۔ ان کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ یحییٰ نے عبادہ بن صامت رحمہما وغیرہ صحابہ سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور واجب نہیں کچھ اصحاب شافعی بھی کہتے ہیں۔ نماز جنازہ میں مشروریت کی دلیل دو حدیث ہے جسے سند میں امام شافعی نے سند کے ساتھ ابو امامہ بن سہل سے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے اور پہلی تکبیر کے بعد اپنے جی میں الحمد پڑھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے۔ باقی تکبیرات میں جنازہ کے لیے دعا کو خالص کرے۔ پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کی ہے جو سعید بن مسیب سے بیان کرتے تھے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ الحمد پڑھے اور درود۔ پھر مردہ کے لیے دعا اور یہ ایک ایک دفعہ ہی پڑھے اور چپکے سے سلام پھیر دے۔ ابو امامہ یہ چھوٹی عمر کے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ امام شافعی نے یہی بیان کیا ہے۔ صاحب معنی کہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ تکبیر کہہ کر قرأت جہ سے پڑھی اور درود

پڑھا اور دعا اچھی طرح سے مانگی۔ پھر فارغ ہو کر کہا کہ نماز جنازہ ایسی ہوتی چاہیے۔
موطا میں حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جب تو مردہ کو رکھے تکبیر
کہ کر حمد و صلوة پڑھ کر یہ دعا پڑھ

«اللَّهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِمِثْلِهِ مِنَ اللَّهِمْ إِنْ كَانَ
مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ
اللَّهُمَّ لَا تَخْرِمْْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُفْتِنَا بَعْدَهُ»

”الہی! یہ تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا ہے یہ شہادت دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی
معبود نہیں اور محمد تیرا بندہ اور رسول ہے۔ چنانچہ اسے اللہ تو خوب اس
شہادت کو جانتا ہے۔ الہی! اگر یہ نیکو کار تھا۔ تو اس کی نیکیوں میں میں ترقی
دے اور اگر بد اعمال تھا تو اس کی برائیوں سے تجاوز فرما۔ الہی! ہم کو اس کے
اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنے میں نہ ڈال۔“

ابو ذر بروی نے سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ابن مسعود
رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھانے لگتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کہتے لوگو! میں
نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ سو آدمی کی امت ہے۔ اور جس مردہ پر سو
آدی جمع ہو جاویں کہ اس کے لیے دعا میں جہد کریں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں
کو معاف کر دیتا ہے تم اپنے بھائی کے شفیع بن کر آئے ہو۔ اس لیے دعا میں خوب
کوشش کرو۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کرتے۔ اگر آدمی ہو تو سر کے برابر اور اگر
عورت ہوتی تو شانہ کے برابر کھڑے ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے

«اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ أَنْتَ خَلَقْتَهُ وَأَنْتَ هَدَيْتَهُ لِلْإِسْلَامِ
وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوحَهُ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهِ وَغَلَابَتِهِ جَنَّا
شَفَعَاءَ لَهُ اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَجِيرُ بِحَبْلِ جِوَارِكَ لَهُ فَإِنَّكَ ذُو وَفَاءٍ
وَذُو رَحْمَةٍ أَعِزَّهُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ جَهَنَّمَ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ
مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ

اللَّهُمَّ نَوِّرْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَالْحَقُّ بِنَبِيِّهِ!

”اے الہی! تیرا بندہ اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے۔ پیدا بھی اسے تو نے کیا اور اسلام کی ہدایت بھی اسے تو نے ہی دی اور روح بھی اس کی تو نے قبض کی۔ اور اس کی حالت اندرون بیرون کو تو خوب جانتا ہے۔ ہم سب اس کی شفاعت کو حاضر ہوئے ہیں الہی! ہماری درخواست ہے کہ اپنے جہل جوار میں اسے پناہ دے۔ تو صاحب وفاء و رحمت ہے۔ اسے فتنہ قبر و عذاب جہنم سے بچا۔ الہی! اگر نیکو کار تھا تو اس کی ٹکوی کو ترقی دے اور اگر برا تھا تو اس سے تباہ فرما۔ الہی! اس کی قبر میں نور بھردے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔“

کما ہر ایک تکبیر میں یوں ہی کہے اور سب آخری تکبیر ہو۔ تب ایسا ہی کہے اور پھر کہے

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى أَسْلَافِنَا وَأَفْرَاطِنَا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ!

”یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت اور برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت اور برکت نازل فرمائی۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یا اللہ! ہمارے پیش روؤں اور میر منزل پر رحمت نازل فرما۔ یا اللہ! زندہ اور مردہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے۔“

پھر فارغ ہو جائے۔ ابراہیم نے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے جنازوں پر اور مجلس میں سکھایا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ قبر پر کھڑے ہو کر اور جنازہ سے فارغ ہو کر بھی پڑھا کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں جب آپ جنازہ سے فارغ ہوتے تب قبر پر کھڑے ہوتے اور کہتے:

اللَّهُمَّ تَرَكْ بِكَ صَاحِبُهَا وَخَلَّفَ الدُّنْيَا وَرَأَاكَ طَهْرُهُ وَتَنَعَّمَ

الْمَرْزُوقُ بِهِ اللَّهُمَّ كُنْتُ عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ مُنْطَقَةً وَلَا نَبْلِيهِ لِي
قَبْرِهِ بِنَا لَا طَافَةَ لَهُ بِهِ اللَّهُمَّ تَوَزَّ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَالْحَفَةُ بِنِيهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

"الہی! اس قبر والا تیری طرف اتار دیا ہے دنیا کو پیٹھ پیچھے چھوڑ آیا ہے اس
کا اپنی آخری منہ کی طرف آنا اچھا ہے۔ الہی! سوال کے وقت اس کی زبان
کو قائم رکھ اور قبر میں ایسی چیز میں مبتلا نہ کر جس کی طاقت نہ ہو۔ الہی! قبر
کو روشن کر دے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔"

جب یہ مقرر ہو چکا تو مستحب یہ ہے کہ درود جنازہ پر وہی پڑھے جو تشہد میں پڑھا
جاتا ہے۔ کیونکہ جب صحابہ نے کیفیت درود کا سوال کیا تو نبی ﷺ نے یہی درود
سکھایا ہے اور عبداللہ بن احمد کے مسائل میں جو اپنے باپ سے انہوں نے روایت
کئے ہیں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ملائکہ مقربین پر درود بھیجے۔ قاضی کا قول ہے
کہ یوں کے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَآلِيَّتِكَ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَاهْلِ صَاعِنِكَ الْجَمْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ اِنَّكَ
عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"یا اللہ! اپنے مقرب فرشتوں اور بھیجے ہوئے انبیاء اور آسمانوں اور زمینوں
میں جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں ان تمام پر اپنی رحمت نازل فرما" بے شک
تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

مقام : ۵ | مقالات درود میں سے ایک جگہ خطبے ہیں۔ مثلاً خطبہ جمعہ عیدین اور
استغفار وغیرہ۔ اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ خطبہ صحیح ہونے
کے لیے یہ شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ
درود کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما کا یہ مذہب ہے
کہ صحیح ہو جاتا ہے اور مذہب امام احمد میں ایک یہ صورت بھی ہے۔ خطبے میں
وجوب کی حجت اس آیت سے لی گئی ہے۔

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنَتَكَ ﴿۲﴾ اَلَّذِي تَقَنَّصَ
عَنكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ ﴾ (الشرح ۹۱/۹۰)

”اے نبی! کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے نہیں کھول دیا؟ اور تم پر سے
بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑنے وال رہا تھا اور تمہاری خاطر
تمہارے ذکر کا آواز بلند کر دیا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ذکر کو رفعت دی ہے۔
اس لیے جس اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو گا۔ وہاں آپ کا بھی ضرور ہو گا۔ مگر اس دلیل میں
مائل ہے۔ کیونکہ ذکر پروردگار کے ساتھ آپ کا ذکر یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی
رسالت پر شہادت دی جائے۔ جب آپ کے مرسل (اللہ تعالیٰ) کی وحدانیت کا اقرار
کیا جائے۔ پس یہ خطبہ میں قطعاً واجب ہے بلکہ خطبہ کا رکن العظم ہے۔ چنانچہ
ابوداؤد اور احمد وغیرہ نے بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کی
ہے کہ جس خطبہ میں تشہد نہیں ادا کیا جائے، یعنی ”ثم اباہم“ ہے۔ مگر جو شخص
دروود کو خطبہ میں واجب ٹھہراتا ہے، ملاوہ ذکر تشہد کے اس کا قول نہایت ضعیف
ہے۔ یونس نے شبیان سے اس نے قلم سے ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ کی تفسیر بیان کی
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند فرمایا۔ کوئی خطیب کوئی
مستشد کوئی صاحب صلوٰۃ نہیں مگر وہ ابتداءً ”اشہد ان لا اله الا الله و اشہد ان
محمدًا رسول الله“ سے کرے گا۔ عبد بن حید نے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ کے معنی بیان کئے ہیں کہ جس میرا ذکر ہو گا تیرا بھی ہو گا اور
خطبہ و نکاح تیرے ذکر کے بغیر جائز نہیں اور عبدالرزاق نے سند کے ساتھ مجاہد سے
﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کے معنی بیان کئے ہیں کہ جب اذان میں میرا ذکر ہو گا آپ کا
بھی ساتھ ہو گا۔ ”اشہد ان لا اله الا الله و اشہد ان محمداً رسول الله“ اور یہی
آیت سے مراد ہے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں تشہد ضروری نہ ہو۔
حالانکہ یہ افضل کلمات ہیں اور درود بھی اس میں ضروری ہے اور اس کی مشروعیت
کی دلیل عبد اللہ بن احمد کی روایت سند کے ساتھ عون بن ابی حنیفہ سے ہے کہ میرا

باب حضرت علیؓ کے خدام میں سے تھا اور منبر کے نیچے بیٹھا تھا اس نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت علیؓ منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثناء کی اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا اور فرمایا اس امت میں بہترین نبی کے بعد ابوبکر تھے اور پھر عمرؓ اور کرنا ہے اللہ تعالیٰ خیر جس طرح چاہتا ہے۔ محمد بن حسن نے سند کے ساتھ عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ وہ خطبہ نماز سے فارغ ہو کر اور درود پڑھ کر پھر دعا پڑھا کرتے تھے۔

«اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اللَّهُمَّ نَارِكَ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَقُلُوبِنَا وَذُرِّيَّتِنَا»

”الہی! ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے اور ہمارے دلوں کو اس سے زینت دے اور کفر و فسوق اور عصیان سے بیزاری ہمارے دل میں ڈال دے۔ الہی! ہماری شنوائی و بینائی و ازدواج و قلوب اور ذریت میں برکت دے۔“

دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عمرو بن عاص (بعد از منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثناء تھوڑی اور پر معافی الفاظ میں کی۔ نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔ لوگوں کو وعظ کیا اور امر و نہی کی۔ اس باب میں ضب بن محسن کی حدیث بھی ہے کہ ابوموسیٰؓ جب خطبہ پڑھتے حمد و ثناء پروردگار کی کرتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے اور حضرت عمرؓ کے لیے حضرت ابوبکرؓ سے پہلے دعا کئے جانے پر انکار کیا اور معاملہ حضرت فاروقؓ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ضب کو فرمایا کہ تو حق کے موافق اور ہدایت یافتہ ہے۔ غرض یہ حدیث دلیل ہے کہ خطبات میں درود پر نبی اکرم ﷺ صحابہ کے نزدیک ایک مشہور و معروف امر تھا۔

رہا وہ جو سودلیل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس پر توجہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مقام : 6 | مقالات درود میں سے ایک جگہ مؤذن کا جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت ہے۔ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

”جب تم مؤذن کو سنو تب جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس بار رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ عام ہے بہشت میں ایک منزلت کا جسے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی پائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس اس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا۔ اس پر میری شفاعت طلال ہو گئی۔“

حسن بن عرف نے سند کے ساتھ حسن ابھرنی اسے روایت کیا ہے کہ جس نے مؤذن کے ساتھ اسی کے موافق کہا اور ”اَقْدَامَتِ الصَّلٰوةَ“ کے وقت یوں پڑھے:

«اللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الصَّادِقَةُ وَالصَّلٰوةُ الْقَائِمَةُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ اَبْلَعُهُ دَرَجَةً الْوَسِيْلَةَ فِي الْخَلْقِ»

”اے اللہ! اس جی نیکار اور قائم شدہ نماز کے مالک اپنے بندہ اور رسول محمد (ﷺ) پر صلوة بھیج اور بہشت میں ان کو درجہ وسیلہ پر فائز فرما۔“

وہ شخص محمد (ﷺ) کی شفاعت میں داخل ہو گا۔ یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ جب ”اَقْدَامَتِ الصَّلٰوةَ“ کہا جائے کوئی شخص «اللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الْمُسْتَنْجِبَةُ الْمُسْتَجَابُ لَهَا صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَرَوْحِ خَاصِ الْخَوَرِ الْعَيْنِ» ات پڑھے تو حوران میں کہتی ہیں کہ تجھ کو ہم سے بے رغبتی کیوں ہو گئی۔ واضح ہو کہ مؤذن کی اذان سن کر پانچ ستمیں ہیں۔ تین کا ذکر ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی حدیث میں ہے اور مؤذن کے ساتھ ساتھ خود کہنا۔ درود پڑھنا وسیلہ کا سوال اور پوچھتے یہ دعا پڑھنا:

«اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اسچا معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں

اللہ کے رب ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔"

مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اسوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اذان سن کر جو کوئی یہ دعا پڑھے گا، اس کے گناہ بخشے دیئے جائیں گے۔ پانچویں دعا مانگنا، سب سے آخر میں ابو داؤد اور نسائی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مؤذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے جائیں گے۔ فرمایا: جو وہ کہتے ہیں تو بھی کہنا کر۔ جب وہ چپ ہو جائیں تو سوال کر عطا کیا جائے گا۔ "مسند میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مؤذن کے اذان کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے۔

«اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ النَّافِعَةُ وَالصَّلَاةُ النَّافِعَةُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَارْضُ عَنْهُ رَضًى لَا مَحْطَ بَعْدَهُ»

"اس پوری پکار اذان کے اور نفع دینے والی نماز کے رب محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور ان سے ہمیشہ ہمیش کے لیے راضی ہو جا۔"

اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

مستدرک حاکم میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو پڑھا کرتے:

«اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الْمُسْتَجَابَةُ الْمُسْتَجَابُ لَهَا دَعْوَةُ الْحَقِّ وَكَلِمَةُ التَّقْوَى تَوْفِنِي عَلَيْهَا وَأَخْبِئْنِي عَنْهَا وَاجْعَلْنِي مِنْ صَالِحِ أَهْلِهَا غَمَلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

غرض دن رات میں یہ پچیس پچیس سنتیں ہر نماز کے وقت پانچ ان کی محافظت سابعین لوگ ہی کرتے ہیں۔

مقام : 7 | مقامات درود میں سے ایک جگہ دعا کے وقت نبی ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ ان کے تین مراتب ہیں۔

1) اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد اور دعا سے پہلے۔

② دعا کے اول و وسط اور آخر میں۔

③ دعا کے اول و آخر میں۔

پہلی صورت کی دلیل حدیث فضالہ بن عبید ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی دعا مانگے لگے وہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے کرے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر جو چاہے دعا مانگے۔

ترمذی نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا مانگی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”سوال کر عطا کیا جائے گا۔“

عبدالرزاق نے سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ سوال کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ابتداء حمد و ثناء سے کرے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر سوال کرے۔ ایسا سوال اجابت کے قریب ہوتا ہے۔

شریک نے اپنی سند کے ساتھ بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسری صورت کی دلیل جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اسے سند کے ساتھ عبدالرزاق نے بیان کیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”مجھے سوار کے پیالہ کی طرح مت بناؤ۔“ فرمایا ”مجھے وسط دعا اور اس کے اول و آخر میں جگہ دو“ اور وہ حدیث پہلے لکھی گئی ہے کہ ہر ایک دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا پردہ اٹھ جاتا ہے اور دعا قبول کی جاتی ہے اور جب درود نہ پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی لکھا جا چکا ہے کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہرائی جاتی ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا جب تک نبی اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔

احمد بن علی نے سند کے ساتھ عمرو بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں نے

عبداللہ بن بشر سے سنا کہتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہر ایک دعا محبوب ہے بسبب تک اس کے اول اللہ عزوجل کی شہاد اور درود بر نبی اکرم ﷺ نہ ہو۔ (ہاں) پھر دعا کرے۔ اس کی دعا قبول ہوگی۔“

عمرو بن عمرو جو اس حدیث کو صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ انہی میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن بشر سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک تو یہی اور دوسری وہ جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دن خیر سے شروع کیا اور خیر پر ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔ درمیانی گناہوں کو بندہ پر مت لکھو۔“ فرض درود بر نبی ﷺ دعا کے لیے ایسا ہے جیسے نماز کے لیے سورہ فاتحہ اور یہ جملہ مقامات جن کا شمار ہوا ان سے دعا میں درود کی مشروعیت نکلتی ہے جس سے واضح ہے کہ مفتاح دعا درود شریف ہے۔ جیسے کہ مفتاح نماز وضو ہے۔

”وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا“

تیسری صورت کے متعلق احمد بن ابی حوراء کہتے ہیں۔ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہے اسے چاہیے کہ پہلے درود پڑھے۔ پھر حاجت کا سوال کرے اور پھر درود پر ختم کرے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر درود تو مقبول ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اس سے برتر ہے کہ درود کی درمیانی شے کو رد فرما دے۔

مقام : ۱۱ مقامات درود میں سے ایک مقام مسجد کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کا ہے۔ ابن عباس اور ابو خذیمہ رضی اللہ عنہما نے صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی مسجد میں آئے تو مجھ پر سلام بھیجے اور اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ کہے اور جب نکلے مجھ پر سلام بھیجے اور اللّٰهُمَّ احْزِنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کہے۔“

مسند ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ایسا ہی مسجد سے نکلے وقت صرف

رحمک کی جگہ فضلک بدل دیتے۔

مقام : 9

مقامات درود سے ایک جگہ صفا و مرہ ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صفا و مرہ پر تین تکبیریں کہتے پھر لا الہ الا اللہ و خدہ لا شریک لہ لہ المثلک و لہ الحمد و ہو علی کل شیء قدیر پڑھتے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے۔ پھر دعا مانگتے ان کے قیام و دعا میں طول ہوتا۔ ایسا ہی مرہ پر جب کر کرتے۔ جعفر بن عون نے سند کے ساتھ وہب بن اجدع سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے سنا۔ کہتے تھے: ”ب کوئی شخص حج کے لیے آئے“ اسے چاہیے کہ بیت اللہ کا طواف کرے سات بار اور مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھے اور حجر اسود کو استلام کرے اور پھر صفا سے ابتداء کرے۔ اس پر کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سات تکبیریں کہے۔ ہر ایک تکبیر کے درمیان اللہ عزوجل کی حمد و ثناء اور نبی اکرم ﷺ پر درود ہو اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال۔ مرہ پر بھی ایسا ہی کرے۔ بزار نے اپنی سند کے ساتھ وہب سے اور ابو ذر نے اپنی سند کے ساتھ جعفر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

مقام : 10

مقامات درود میں سے ایک مقام اجتماع قوم کا وقت ہے پہلے اس سے کہ متفرق ہوں۔ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث گزر چکی ہیں۔ چنانچہ ابن حبان اور حاتم و غیرہ نے روایت کیا ہے: ”میں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں اور پھر متفرق ہوئی کہ اس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا اور اپنے نبی پر درود نہیں بھیجا۔ تو وہ ان پر اللہ کی طرف سے توبہ باعث خسارہ ہوگی۔ اگر اللہ چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمائے۔“ عبد اللہ بن ادریس نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اپنی مجلسوں کو درود نبی اکرم ﷺ سے زینت دو۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

مقام : 11

مقامات درود میں سے ایک جگہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر کا وقت ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا جتنی دفعہ نام مبارک لیا جائے۔ اتنی دفعہ ہی واجب ہے؟ ابو جعفر طحاوی اور ابو عبد اللہ طبری کا قول ہے کہ

یعنی وقفہ نام مبارک لیا جائے اتنی دفعہ ہی واجب ہے اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب تو ضرور ہے مگر فرض نہیں۔ جس کا تارک گناہ گار ہو۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک فرقہ تو ساری عمر میں ایک دفعہ فرض بتاتا ہے۔ کیونکہ امر مطلق تکرار کا مقتضی نہیں اور مابیت ایک دفعہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ، امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ کا بیان ہوا ہے اور عیاض اور ابن عبد البر نے اسے جمود امت کا قول کہا ہے۔ اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہر نماز کے تشہد آخر میں فرض ہے۔ یہ قول امام شافعی کا اور امام احمد رحمہم اللہ کا بھی دو روایتوں میں سے پہلی روایت میں اور دیگر اشخاص کا ہے۔ ایک فرقہ کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم امر استحباب ہے امر اجاب نہیں۔ یہ قول ابن جریر اور ایک گروہ کا ہے۔ ابن جریر نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ ان کے اصول پر ہے کیونکہ جب یہ اکثر کو ایک طرف دیکھتے ہیں تو اسے اجماع بنا لیتے ہیں۔ جس کا اجماع ضروری ہے اور یہ دونوں مقدمے اکہ اکثر کی رائے کا نام اجماع ہو یا وہ قلیل اجماع ہو باطل ہیں۔

وجوب درود شریف کے دلائل

پہلا گروہ جو ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود کو فرض و واجب بتلاتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

حجتہ اول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس شخص کی پیشانی خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“ اس کو حاکم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ”خاک آلود ہو پیشانی ہو۔“ بد دعا ہے اور مذمت ہے اور تارک مستحب کی مذمت کی جاتی ہے نہ اسے بد دعا دی جاتی ہے۔

حجتہ دوم: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس میں منبر پر چڑھنے کا باقاعدہ اور مسلسل

ذکر ہے۔ اس میں جبریل نے کہا ہے کہ:

"جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے پس جہنم میں جائے اور خدا سے دور کرے" کہیے "آمین" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آمین۔"

اس کو ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے اور اس معنی کی احادیث جو ابو ہریرہؓ، جابر بن سمروہؓ، کعب بن عجرہؓ، مالک بن حویرثؓ اور انس بن مالکؓ رحمہم اللہ سے مروی ہیں اور ان میں سے ہر ایک حجت مستقل ہے پہلے بیان ہو چکی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حدیث جو ان مختلف طریقوں سے مروی ہیں مفید صحت ہے۔

حجت سوم: نسائی میں انس بن مالک رحمہم اللہ کی روایت سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے۔" اس کی سند صحیح ہے اور وجوب کا حکم اس میں ظاہر ہے۔

حجت چہارم: صحیح ابن حبان میں حضرت حسین بن علیؓ سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" اس کو عاصم نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ ابو ذر نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" قاسم بن اصغ نے حسن بصری سے فرمان رسول روایت کیا ہے: "بخیل کا مومن کو بھی حصہ بہت ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" سعید بن منصور نے حسن بصری سے یہ روایت کیا ہے کہ "بخیل کے لیے یہی کافی ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔" یہ کہتے ہیں کہ جب روایات بالا سے بخیل ہونا اس کا

خاصیت ہو گیا۔ تو وجہ دلالت دو طرح پر ہے۔

① بخل: مذمت کا نام ہے اور تکبر مستحب اسم مذمت کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ الَّذِينَ يَبْتَخُلُونَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْتُمْ عَنْهَا كَالْهَامِ﴾
(المائدہ ۵۷/۲۳-۲۴)

"اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جلاتے ہیں جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے پر اکساتے ہیں۔"

دیکھو یہاں فخر اور تکبر و غرور کے ساتھ بخل اور امر بخل کو شامل کیا ہے اور پھر سب کی مذمت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخل بری صفت ہے۔ حدیث میں ہے:

«وَأَيُّ ذَايَ أَذْوًا مِنَ الْبَخْلِ»
"بخل سے بڑھ کر کون ساخت مرض ہے۔"

② بخیل: اسے کہتے ہیں جو حق واجب کو ادا نہ کرے۔ لیکن جو شخص بقدر واجب اس چیز کو ادا کر دے اس کا نام بخیل نہیں ہوتا۔ فرض بخیل وہ ہے کہ جس چیز کا دینا اور خرچ کرنا اس پر ضروری ہے۔ اسے روک رکھے۔

حجت بنجیم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ و تسلیم کا امر فرمایا ہے اور امر مطلق تکرار کے لیے ہوتا ہے اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ تکرار سب وقتوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ادا کرنا اوقات خاصہ میں ان شروط و اسباب سے جو مقتضی تکرار ہوں منکدر ہو جاتے ہیں اور ایک وقت دوسرے وقت سے اولیٰ نہیں ہوتا۔ پس نبی اکرم ﷺ کے تکرار ذکر پر تکرار مامور (رود) کا ہونا بوجہ انصوح مقدم کے اولیٰ ہے۔ یہ حجت تین مقدمات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ اولیٰ: صلوٰۃ جس کا حکم ہوا وہ امر مطلق ہے۔ یہ معلوم و ثابت ہے۔

مقدمہ ثانیہ: امر مطلق مقتضی تکرار ہوتا ہے۔ یہ مختلف فیہ ہے۔ فقہاء و اصولیین

کے ایک گروہ نے اس کی نفی کی ہے اور ایک نے اثبات کیا ہے اور ایک نے امر مطلق میں اور امر معلق میں جو شرط یا وقت سے علقہ رکھتا ہو تفریق کی ہے۔ پھر معلق میں تو تکرار کو ثابت کیا ہے اور مطلق میں نہیں۔ ہر سہ اقوال امام احمد و شافعی رحمہما وغیرہ کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ مومنین درود شریف کے گروہ نے تکرار کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تمام ادا امر شرعی تکرار پر ہوتے ہیں۔ دیکھو مثالیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (الحجۃ: ۵۷/۷)

﴿ادْخُلُوا فِي آلِ الْبَيْتِ كَافَّةً﴾ (البقرہ: ۲۰۸/۲)

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور سب کے سب اسلام کے اندر داخل ہو جاؤ۔"

فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اللہ سے ڈرو۔"

فرمایا:

﴿وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبَدِّلُ دِينَهُ ۚ وَلَا يُبَدِّلُهَا شَيْءٌ ۚ وَالْإِسْلَامُ دِينُ اللَّهِ ۚ وَأَعْلَمُ الْبَشَرِ مَا لَمْ يُخْلَقْ إِلَّا لِيَعْبُدَ اللَّهَ ۚ حَنِيفًا ۚ وَلَا يَكُونَنَّ لِلنَّاسِ سُلْطَانٌ عَلَى شَيْءٍ مِنَ الدِّينِ إِلَّا بِنِهَايِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ خَيْرًا ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۱۷۵/۲)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (آل عمران: ۲۰۰/۳)

"اے ایمان والو صبر کرو اور صبر پر قائم رہو۔ آپس میں ربط رکھو اور اللہ سے ڈرو۔"

فرمایا:

﴿وَحَافِظُونَ﴾ (آل عمران: ۱۷۵/۳) ﴿وَأَحْشَوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۷۵/۳)

﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ (آل عمران: ۱۰۳/۳)

”میرا خوف رکھو مجھ سے ڈرو اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑو۔“
فرمایا:

﴿وَأَقِفُوا بِالْعَهْدِ أَلَيْسَ﴾ (النحل: ۱۶/۱۶)

”اللہ کے عہد کو پورا کرو۔“

فرمایا:

﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدہ: ۱۶/۵۱)

”بہی عہدوں کو پورا کرو۔“

فرمایا:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ﴾ (بہی عہد لیں ۱۶/۳۱)

”عہد کو پورا کرو۔“

بتائی کے بارے میں ہے:

﴿وَأَذِّنْ لَهُمْ فِيهَا وَآخِذْهُم بِهَا﴾ (اساءہ: ۵۰/۵۰)

”اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پستانو۔“

فرمایا:

﴿إِذَا نَادَىٰ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا

الْبَيْعَ﴾ (الجمعة: ۱۶/۶۲)

”جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور

معاملات اور تجارت وغیرہ کو چھوڑ دو۔“

فرمایا:

﴿إِذَا قُتِلَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْبِلُوا وُجُوهَكُمْ

”جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھوؤ۔ الخ“

فرمایا:

﴿وَلَا تَكُنْتُمْ حَتِّبًا فَأَظْهَرُوا

”اگر پلید ہو تو پاک ہو جاؤ۔“

فرمایا:

﴿قُلْ تَحَدُّوا مَاءَ فَنَتِمُّوا﴾ (البقرہ/۶)
 "اگر پانی نہ ہو تو تیمم کر لو۔"

فرمایا:

﴿وَأَمْسِكُوا بِالْقَمْرِ وَالضَّلَوَةِ﴾ (البقرہ/۶)
 "ہمد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے۔"

فرمایا:

﴿وَأَنْ هَذَا أَصْرُ حُلِي مُسْتَفِيحًا فَاشْعُوهُ﴾ (الاحزاب/۱۵۳)
 "یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی پر چلو۔"

اور یہ نظائر قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام (اشارہ و تاویل کے) جہاں کہیں ہیں اعمیٰ اکرار پر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ امت کے خطاب میں اللہ اور رسول کا محاورہ یہی ہے اور امر میں گو لفظی طور پر تکرار اور فوری طور پر نہ کرنا پڑتا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ خطاب شارع کے عرف و محاورہ میں وہ بمعنی تکرار ہی ہے۔ پس شارع جہاں کے کلام کو تو انہی کے عرف اور انہی کے خطاب کی پاک روش پر محمول کرنا چاہیے۔ گو اس لفظ سے لغوی طور پر وہ مفہوم نہ ہوتا ہو۔ یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ امر و ہوب کا تقاضا کرتا ہے اور انہی قبلا کہ۔ یہ خطاب شارع سے معلوم ہے۔ گو اصل موضوع لغت میں منہی کی صحت یا فساد پر تعرض نہ کیا گیا ہو۔ علیٰ ہذا شارع کا امت میں سے ایک کو معرفت خاص کا خطاب مقتضی ہے کہ وہ لفظ اس پر اور اس کی امثال پر حاوی ہو۔ گو لغت کی رو سے موضوع لفظ اس کا مقتضی نہ ہو۔ کیونکہ لغت اور مصداق و موارد کلام میں نبی ﷺ کا محاورہ ہی یہ ہے اور یہ بات آپ کے دین سے بلا اضطراب معلوم ہے۔ قبل اس سے کہ قیاس کی صحت و اعتبار و شروط و غیرہ معلوم کی جائیں۔ پس کسی لفظ کے اقتضاء و عدم اقتضاء لفظی میں فرق لغت کرتا ہے اور عرف شارع کے اقتضاء میں شارع علاقہ کی عادت خطاب۔

مقدمہ ثالث: جب مامورہ کا تکرار ہوتا ہے تو کسی سبب یا وقت سے ہوتا ہے اور اس جگہ اسباب مقتضی تکرار میں سے اولیٰ سبب نبی ﷺ کے نام مبارک کا لیا جانا ہے۔ کیونکہ آپ نے خبر دی کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے اس کی پیشانی خاک آلود ہو اور اس لیے کہ ایسے شخص کے بخل پر آپ نے فرمان جاری کر دیا ہے اور اسی کے مؤید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن بندے کو درود کا حکم اس خبر کے بعد دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک دفعہ کا درود پڑھنا نہیں جو منقطع ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ درود مستقل اور مسلسل ہے۔ اسی لیے اس کا اظہار و تذکرہ نبی ﷺ کے فضل و شرف و علو منزلت کا مبین ہے۔ پس بندوں کے حق میں اس کا تکرار بہت ہی ضروری اور لازمی ہوا۔ کیونکہ ان کے لیے حکم ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے سلام کو مصدر کے ساتھ (جو لفظ تسلیم ہے) مؤکد فرمایا ہے اور یہ امر مقتضی مبالغہ اور کثرت میں زیادت کا ہے۔ اور یہ بات تکرار سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ فعل مامورہ کا لفظ تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی صلیٰ وسلم کیونکہ فعل مشدّد ہے جو تکرار فعل پر دال ہوتا ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں:

«كَسَّرَ الْخُبَيْرَ وَقَطَعَ اللَّحْمَ وَعَلِمَ الْخَيْرَ وَشَدَّ فِي كَذَا»

پھر یہ دیکھو کہ درود پڑھنے کا حکم بمقابلہ نبی ﷺ کی تعلیم و ارشاد و ہدایت اور احسان کے ہے۔ جو امت پر نبی کے ہیں اور بمقابلہ ان نعمتوں کے جو نبی ﷺ کی برکت سے دنیا و آخرت کی سعادت لوگوں کو ملی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے فعل عظیم کا مقابلہ مگر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی شخص اپنے سانس کی گنتی کے موافق بھی درود شریف پڑھتا رہے تب بھی نبی ﷺ کے حق اور عطا کردہ نعمت کے مقابلہ میں کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اس نعمت کے تکرار کا ضابطہ ہی بنایا گیا ہے کہ جب آپ کا نام مبارک لیا جائے تو درود پڑھا جائے (مؤید)۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے درود نہ پڑھنے والے کا نام بغیر رکھ کر اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ عام دستور یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر احسان عظیم کیا ہو جس کی وجہ

سے اس کو خیر عظیم ملی ہو۔ پھر اس کا ذکر اس شخص کے سامنے آئے اور وہ اس کی ثناء و تعریف نہ کرے اور مدح و تعظیم میں مبالغہ نہ کرے اور ادائے شکر و حق کے قیام میں ہمیشہ کوتاہی نہ کرے۔ اور بار بار ایسا ہی کرے تو ضروری ہے کہ لوگ اسے بخیل و تسیم و کفور سمجھیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اس محسن کے احسانات کا اندازہ کرو۔ جس کے احسانات تمام مخلوقات کے باہمی احسان و مروت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور جس کے احسان سے بندہ کو دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہوگی ہے اور دنیا و آخرت کے شر سے نجات ملی ہے۔ جس کے احسان و نعمت کی حقیقت کا اندازہ اور تصور بھی دل نہیں کر سکتے۔ قیام شکر کا تو کیا ذکر ہے۔ تو بتاؤ کہ کیا ایسے محسن ایسے منعم کا سب سے بڑھ کر یہ استحقاق نہیں ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے۔ زبان کو وقف ٹٹا ہٹایا جائے اور اپنی طاقت و مقدور اور وسعت و زور کو اس کی حمد و مدح کے لیے جب کہ مجلس میں اس کا ذکر مبارک ہونے لگے خاص کر دیا جائے۔ پس ایسی حالت میں اس سے بھی تم کیا ہو گا کہ نام مبارک ﷺ ذکر ہونے پر ایک دفعہ تو درود خوانی کی جائے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر غم انف کے لفظوں میں بددعا کی ہے۔ جس کے معنی ناک کا منی کو لگ کر رگڑے جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام مبارک من کر درود نہ پڑھنے والا ذلت و خواری کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ خیال کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

(البورہ ۲۱/۶۳)

”مسلمانو! اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔“

اس جگہ امت کو منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو عام طریق پر بلایا اور پکارا جائے۔ مطلب یہ کہ خطاب کے وقت نام مبارک لے کر نہ پکارا جائے۔ جیسا کہ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ و نبی اللہ کہہ کر پکارا جائے۔ کیونکہ توفیر و تعظیم و اعزاز کمال کی یہی صورت ہے۔ اسی طرح شایان ہے کہ

اسم مبارک کے ساتھ درود کو ملا کر آپ ﷺ کی خصوصیت رکھی جائے تاکہ ذکر مبارک اور ذکر غیر میں فرق ہو جائے۔ جیسا کہ پکارنے میں رسول و نبی کہہ کر فرق کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہو تب اس ذکر میں اور ذکر غیر میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ یہ معنی تو آیت کی دو تفسیروں سے ایک تفسیر کی صورت میں ہے۔ لیکن دوسری تفسیر کی صورت میں یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے طلب کو دوسرے کے طلب کا ساندہ سمجھو کہ عذر کرو اور حاضر نہ ہو یا مشکلات کا خیال کرو اور دیر رسی جائز رکھو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ جس وقت طلب فرمائیں فوراً ہی اطاعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو یہ بھی دیر رسی کے لیے عذر نہ ہو۔ پس جب نماز کی مشغولیت بھی تاخیر کے لیے عذر مباح نہیں ہو سکتی تو دیگر اسباب یا عذروں کا تو کیا ذکر ہے۔

واضح ہو کہ ان معنی میں تو مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو گا اور پہلے معنی میں مفعول کی طرف اور یہ معنی بھی اس آیت کے کئے گئے ہیں۔ جو ہر دو اقوال سے احسن ہیں کہ اس جگہ مصدر کی اضافت نہ فاعل کی طرف ہے نہ مفعول کی طرف۔ بلکہ محض اسماء کی طرف اضافت ہے اور اس صورت میں ہر دو معانی یکساں ظاہر رہیں گے۔ یعنی نام لے کر پکارنے کی ممانعت جس طرح ہر ایک دوسرے کو پکارنا ہے۔ نیز طلب رسول ﷺ کے بعد عدم تاخیر اجابت۔ غرض ہر ایک معنی کی صورت میں جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ کا خطاب میں بہ نسبت کسی دوسرے کے خاص امتیاز رکھا جائے اور تعمیل طلب میں تمایاں مستعدی ظاہر کی جائے تاکہ امت اس تعظیم و اجلال پر جو ہم پر واجب ہے قائم رہے۔ اسی طرح اسم مبارک کا ذکر آنے پر درود کے ساتھ امتیاز کا قائم رکھنا اعلیٰ مقصود ہے۔ دیکھو نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور اس نے درود نہ پڑھا۔ وہ طریق جنت بھول گیا۔ اس کو نبی نے روایت کیا ہے اور گو یہ حدیث مرسل محمد بن حنفیہ میں سے ہے۔ مگر اس کے اور شواہد بھی ہیں۔ جو شروع کتاب میں لکھے جا چکے ہیں۔ پس اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہو گا۔ تو تبارک

درود کو رادہ جنت سے بھٹکا ہوا نہ گنا جاتا اور یہ بھی مروی ہوا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کا ذکر کیا یا اس کے سامنے ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا تو اس نے نبی ﷺ پر جفائی اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ پر جفا کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ پس مقدمہ اولیٰ کی دلیل تو وہ روایت ہے۔ جسے سعید بن اعرابی نے سند کے ساتھ قندہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”یہ جفا میں سے ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“

اگر اس ایک سرسل کو ہم چھوڑ بھی دیں تو اور اس سے کوئی حجت نہ پکڑیں لیکن پھر بھی اس کے اصول و شواہد موجود ہیں۔ جو پہلے گزر چکے ہیں۔ مثلاً ”بخیل و شح“ نام رکھا جانا۔ ”خاک آلود پیشانی۔“ کا فرمانا اور ترک صلوٰۃ کو موجبات جفا قرار دینا۔ اور مقدمہ ثانیہ پر دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ پر جفا کرنا۔ آپ کی محبت کے گہاں کے منافی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ کی محبت کو نفس پر اور اہل و عیال پر مقدم رکھنے کا حکم ہے اور اپنی جان سے بھی زیادہ نبی ﷺ کا اولیٰ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بیشک بندہ مومن نہیں ہو تا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے نزدیک اس کے نفس، اولاد، مادر پدر اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ یا رسول اللہ اللہ کی قسم! آپ میرے نزدیک جملہ اشیاء سے محبوب ہیں۔ مگر اپنے نفس سے نہیں۔ فرمایا نہیں اے عمر! ایمان کامل نہیں ہو گا جب تک میں تیرے نفس سے بھی زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر نے کہا ”اللہ کی قسم! اس وقت آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔“ فرمایا اب ٹھیک ہے۔ اے عمر! صحیح حدیث ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“

اس حدیث میں محبت کی تینوں اقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ محبت کی بنیاد یا تو تعظیم و اجلال پر ہے۔ جیسے باپ کی محبت یا لطف و شفقت و غم خواری پر جیسے اولاد کی محبت یا صفات کمال اور احسان کی محبت جیسے ایک کی دوسرے سے۔ کیونکہ رسول

اللہ ﷻ کی محبت جب تک ان سب محبتوں سے زیادہ پر قوت و پر زور نہ ہوگی۔ انسان مومن نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ پر جفا کرنا اس محبت کی ضد ہے اور جب اصیبت فرض ہوئی تو اس کے توابع جس قدر ہیں، یعنی ابطال و تعظیم، تو قیود طاعت، نبی ﷻ کو نفس پر مقدم کرنا اور اپنا نفس آپ پر ثار کر دینا اور اپنی بقاء آپ کے نفس مبارک سے سمجھنا، وہ سب بھی فرض ہوں گے اور درود شریف بھی فرض ہو گا۔ کیونکہ درود بھی اسی اصیبت کا لازمہ اور کمال ہے۔ پس جب ان وجوہ سے اور ان کے سوا دوسری وجوہ سے درود کا واجب ہونا اس شخص پر ثابت ہو گیا۔ جس کے سامنے ذکر مبارک ہو تو خود ذاکر پر اس کا وجوب اولیٰ ٹھہرا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ آیت مجیدہ کے سامع کو جب مجیدہ کا حکم دیا گیا ہے (خواہ بطور وجوب یا بطور استحباب جیسا کہ دو اقوال ہیں) تو قاری پر وجوب اس کا بالاولیٰ ہے۔

فصل

عدم وجوب درود شریف کے دلائل

وجوب درود کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمارے قول کی دلیل چند وجوہ سے یہ ہے۔

- ① یہ ثابت شدہ ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سلف صالح جو فقہ امت ہیں، نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ہر دفعہ نام مبارک کے ساتھ درود کو شامل نہ کرتے تھے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے خطاب میں اس قدر پائی جاتی ہے کہ شمار سے باہر ہے وہ صرف یا رسول اللہ ہی کہتے تھے اور بسا اوقات صلی اللہ علیک ہی کہہ دیا کرتے۔ چنانچہ یہ احادیث سے بکثرت ظاہر ہے۔ پس اگر درود واجب ہوتا تب ترک کرنے والے پر انکار ہونا ضروری تھا۔
- ② اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب ہوتا تو یہ مسئلہ تمام واجبات سے زیادہ

روشن ہوتا اور نبی اکرم ﷺ بھی امت کے لیے ایسا بیان فرما دیتے۔ جس سے عذر قطع ہو جاتے اور حجت قائم ہو جاتی۔

⑤ یہ قول نہ صحابہ میں سے نہ تابعین میں سے نہ تبع تابعین میں سے کسی ایک کا معروف نہیں اور نہ کسی کا نام معروف ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ بلکہ اکثر فقہاء کا مذہب یا یہ کہو کہ اجماع تو یہ ہے کہ درود فرض میں سے نہیں اور جو واجب کہتا ہے اس کے قول کو شذوذ اور مخالفت اجماع سابق سے منسوب کیا گیا ہے۔ پھر نماز کے علاوہ تو درود فرض کیوں کر ہو سکتا ہے۔

⑥ اگر نبی ﷺ کے ہر واقعہ کے ذکر کے بعد ہمیشہ درود پڑھنا واجب ہے تو مؤذن پر ضروری ہو گا کہ اَشْهَدُ اَنْ فُحْشِدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہنا کرے۔ حالانکہ اذان میں یہ کہنا مشروع بھی نہیں۔ واجب تو کیا ہونا تھا۔

⑦ اذان کے سننے والے پر بھی درود پڑھنا واجب ہو گا۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف یہی حکم دیا ہے کہ جو مؤذن کہے وہی سامع بھی کہے۔

⑧ تشہد اول بالاطلاق «اَشْهَدُ اَنْ فُحْشِدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ» پر ختم ہو جاتا ہے اور درود کی مشروعیت میں جو اختلاف ہے۔ وہ تین قول ہیں۔

① صرف تشہد آخر میں مشروع ہے۔

② تشہد اول میں بھی مشروع ہے۔

③ خاص نبی ﷺ پر مشروع ہے۔ آل کا ذکر نہ ہو۔ لیکن ہر سہ اقوال میں سے کسی نے پہلے تشہد میں وجوب کا اظہار نہیں کیا۔

④ جب کوئی مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوتا ہے تو شہادتین پڑھتا ہے۔ مگر «اَشْهَدُ اَنْ فُحْشِدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ» کے ساتھ اس سے صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہلایا جاتا۔

⑤ خطیب جمعہ و غیرہ میں نفس تشہد کے وقت درود کی جانب نہیں جاتے اگر ہر واقعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہو گا تو شہادت کے ساتھ ضرور درود شامل کیا کرتے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ خطبہ میں درود آتا جاتا ہے۔ کیونکہ اس درود کا تشہد

کے وقت اسم مبارک کے لیے جاتے پر عطف نہیں ہو سکتا اور اس قدر فاصلہ طویل کے بعد وہ اس کا معطف نہیں بن سکتا۔ حالانکہ قارئین و نوب ہر دفعہ کے ذکر پر درود کا ہونا واجب کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری دفعہ کا ذکر پہلے ذکر سے (شمار میں) جدا ہوتا ہے۔

اگر ہر دفعہ کے ذکر پر درود واجب ہوتا ہے تو ضروری تھا کہ قاری جس اسم مبارک پر پہنچے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قرات کو ادا کرے واجب کے لیے قطع کر دے۔ خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ کیونکہ درود سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کا واجب ہونا متعین ہو چکا۔ اس لیے ادا کرنا لازم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اگر درود واجب ہو گا تو صحابہ و تابعین اس پر بہت کچے ہوتے۔ اس کے ادا کرنے کے کمال شائق اور نہ چھوڑنے کے پورے پابند۔

اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو یہ بھی واجب ہوتا کہ اسم اللہ کے ساتھ ہمیشہ سبحانہ و تعالیٰ یا عزوجل یا تبارک و تعالیٰ یا بھلت عظمت یا تعالیٰ جہدہ وغیرہ الفاظ شامل کیا کرتے۔ ہاں ایسا ہونا زیادہ موزوں اور ادنیٰ تھا۔ کیونکہ رسول ﷺ کی تعظیم و اجلال اور محبت و اطاعت مرسل کی تعظیم و اجلال اور محبت و اطاعت کے تابع ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ رسول کے لیے محبت و اطاعت یا تعظیم و اجلال تو حاصل ہو اور مرسل کو نہ ہو۔ بلکہ یہ تو سب کچھ مرسل کی جمعیت سے ہی حاصل ہوا کرتا ہے اور اسی لیے رسول کی طاعت اللہ کی طاعت اور رسول کی بیعت اللہ کی بیعت اور رسول کی محبت اللہ کی محبت اور رسول کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور رسول کی نصرت اللہ کی نصرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کا رسول و بندہ ہے لوگوں کو اسی جانب بلاتا اور اسی کی اطاعت و محبت اور اجلال و تعظیم سکھاتا اور عبادت و وحدانیت کی تعظیم دیتا ہے۔ سو ایسی حالت میں کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ذکر مبارک نبوی تو جتنی دفعہ ہو اس پر درود (جس کے معنی ثناء و تعظیم ہیں) واجب ہو تو اللہ تعالیٰ کا جتنی دفعہ نام لیا جائے اس کی ثناء و تعظیم واجب نہیں یہ تو محال ہے۔

مثلاً ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور اس کی زبان پر معمولی طور پر صرف «مُحَمَّدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ» یا «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ» ہے اور بہت سے لوگ اس کی آواز سن رہے ہیں۔ اگر تم یہ کہو گے کہ ان سب سامعین پر درود واجب ہے تو لازم آئے گا کہ ان سب کی آواز وروائی ہو خواہ کتنا ہی بیٹھنا پڑے اور یہ امر حرج و مشقت کا باعث اور قاری کی ترک قرات اور مدرس کے ترک درس کا سبب ہو گا۔ بلکہ کوئی صاحب ضرورت کلام بھی نہ کر سکے گا اور مذاکرہ علمی و تعلیم قرآن میں بھی حرج پیدا ہو گا۔ لیکن اگر تم اس وقت یہ کہو گے کہ ایسی حالتوں میں درود واجب نہیں رہتا تب اپنے مذہب کے خلاف خود کرو گے اور اگر جواب دو گے کہ ایک دفعہ یا چند دفعہ کہنا واجب ہے۔ اول تو یہ صرف حکم بلا دلیل ہے۔ دوم تمہارے قول کو باطل کرنے والا ہے۔

کچھ شک نہیں کہ نبی ﷺ کی شہادت رسالت بڑا فرض اور واجب عظیم ہے۔ یہ نسبت درود کے اور معلوم ہے کہ انسان اسلام میں اس کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر شہادت رسالت بھی فرض نہیں۔ تو ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر درود کیوں کر فرض ہو سکتا ہے۔ دیکھو کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ) کے بعد تمام واجبات میں سب سے اعلیٰ فرض آپ کی رسالت کی شہادت ہے اور ذکر مبارک کے وقت اس کے وجوب کا اقرار کر لینا گویا ایمان اور جملہ موجبات شہادت کا تذکرہ کر لینا ہے۔ اس لیے اسم مبارک کے لینے والے پر «مُحَمَّدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ» کہنا واجب ہے اور اس کا وجوب درود کے وجوب سے جو ہر دفعہ کے اسم مبارک پر کہنا جاتا ہے۔ زیادہ تر واضح ہے۔ فرض ہر دو فرق کے پاس ایسے ہی دلائل ہیں۔ جن میں سے بعض تو بہت ضعیف ہیں۔ بعض میں غلطی کا احتمال ہے اور بعض قوی۔ چنانچہ ہر ایک کے دلائل میں مائل کرنے سے سب کچھ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ واللہ مستعان و تعالیٰ اعلم بالصواب!

مقام : 12 | درود پڑھنے کی ایک جگہ تلمیذ سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔

دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رضوان کا سوال کیا کرتے اور جنم سے اس کی رحمت کی پندہ مانگتے۔ صلح کہتے ہیں: میں نے قاسم بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ تلمیذ کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ بھی تو اہل دعا سے ہے۔

مقام : 13 | درود پڑھنے کا ایک وقت اسلام خیر ہے۔ ابوذر بروی نے سند کے ساتھ نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب اسلام خیر کا

ارادہ کرتے تو پڑھا کرتے:

«اللَّهُمَّ إِنِّمَآ بِكَ وَتَعَصِّدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَنُسُخَةً لِّبِكَ صَلِّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

(مقام مرہ پر درود خوانی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)

مقام : 14 | بازار یا دعوت کو جاتے یا کسی جانب نکلتے وقت درود پڑھنا بھی درود

خوانی کے مقامات میں سے ہے۔ ابن ابی حازم نے سند کے ساتھ ابی

وائل سے روایت کی ہے کہ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ عبداللہ مجتہد جب گھوڑے پر

سوار ہوتے یا جنازوں کے ساتھ جاتے یا کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے اللہ کی

حمد و ثناء کرتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔ جب بازار جاتے

اور اس کی لمبی جگہ پر پہنچتے تھے جو بہت غافل کر دینے والی ہو۔ (رواق اور بخاری

جگہ) تو وہیں بیٹھ کر حمد و ثناء اللہ کی کرتے درود پڑھتے اور چند دعائیں بھی۔

مقام : 15 | رات کی نیند سے سو کر اٹھنے کے وقت درود شریف کا پڑھنا مقامات

درود خوانی میں سے ہے۔ امام نسائی نے سنن کبیر میں عبداللہ بن

مسعود بہتر سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا

ہے۔ ایک وہ جو دشمن سے عہدہ گھوڑے پر سوار ہو کر ملے۔ پھر دشمنوں کو بھگا دے

اور یہ ثابت رہے۔ اگر یہ بندہ مارا گیا تو شہادت پائی اور زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ

کر بہت خوش ہے۔ ایک وہ جو رات کو ایسے وقت اٹھتا ہے کہ کوئی نہ جائے۔ پھر اچھی طرح

وضو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تحمید بجا لاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہے اور قرآن مجید کھول لیتا ہے اسے دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو عبادت میں مشغول ہے اور میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا۔ عبد الرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مقام : 16

مقامات درود میں سے ایک مقام ختم قرآن کے بعد ہے کیونکہ یہ محل دعا کا محل ہے اور ختم قرآن کے بعد دعا کرنا امام احمد رحمہ اللہ نے نص سے ثابت کیا ہے۔ ابو الخارث کی روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اہل و اولاد کو جمع کر لیتے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے اور لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ کہا میں نے معمر کو دیکھا ہے کہ جب ختم قرآن مجید ہوتا تو ایسا ہی کرتے۔ حرب کی روایت میں ہے کہ ختم قرآن مجید کے وقت اہل و اولاد کو جمع کر کے دعا کرنا مستحب ہے۔ ابن ابی داؤد کی کتاب فضائل القرآن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے قرآن مجید ختم کیا۔ اس کی دعائیں مستجاب ہیں۔ اور مجاہد سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کتاب فضائل القرآن میں قنادہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جو اول سے آخر تک اپنے دوستوں کے سامنے قرآن مجید ختم کیا کرتا تھا۔ ابن عباس وہاں آدمی بٹھلا دیتے اور جب ختم کا وقت ہوتا تو خود آجاتے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے نماز تراویح میں اس کے مستحب ہونے پر نص کی ہے۔

ضربل کہتے ہیں میں نے امام احمد کو کہتے سنا ہے کہ جب تو «قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ» پڑھ کر فارغ ہو تب رکوع سے پہلے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا میں نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں (میں دلیل پر) چلتے ہیں۔ فرمایا: میں نے اہل مکہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور سفیان بن عیینہ بھی ان کے ساتھ مکہ میں ایسا کرتے تھے۔ عباس بن عبد العظیم کہتے ہیں کہ میں نے بھی لوگوں کو بصرہ اور مکہ میں ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اہل مدینہ سے اس بارے میں چند امور مروی ہیں۔ جو عثمان بن عفان زوال نورین

جہت سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد رحمہ اللہ) سے پوچھا میں قرآن ختم کرتا ہوں کیا تراویح اور وتر میں کروں؟ فرمایا: ہاں تراویح میں کرتا کہ ہماری دعاؤں (تراویح) و تراکے درمیان ہو۔ میں نے کہا میں کس طرح کیا کروں۔ کہا جب تو آخر قرآن سے فارغ ہو تو اپنے دونوں ہاتھ انھار کوغ سے پہلے اور ہمارے لیے دعا کر۔ اس طرح کہ ہم نماز میں ہوں گے اور قیام کو طول دیا کر۔ میں نے پوچھا کہ دعا کیا کروں؟ فرمایا جو تو چاہے۔ میں نے ایسا ہی کیا ہو انہوں نے بتایا تھا۔ اور وہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے میرے پیچھے کھڑے ہوئے دعا مانگتے تھے۔ پس یہ مقام موطن دعا میں سے زیادہ ضروری اور اجابت کے لیے حق ہے۔ تو موطن سلامۃ میں بھی نہایت مؤکدہ جگہ ہے۔

مقام : 17 | اوقات درود خوانی میں سے ایک جمعہ کا دن ہے۔ حدیث ابو امامہ رحمہ اللہ سے پہلے گزرا چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "تم ہر ایک جمعہ کو میرے اوپر زیادہ درود پڑھا کرو۔ کیونکہ امت کے درود ہر جمعہ کو میرے سامنے کیے جاتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھنے میں بڑھ کر ہو گا وہی منزلت میں مجھ سے زیادہ نزدیک تر ہو گا۔" اسے بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی نے ابن مسعود انصاری سے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"تم مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھے مگر یہ کہ اس کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔" اس سند میں اسماعیل بن رافع ہے۔ مگر ابن سفیان کہتے ہیں کہ شواہد و مستحاجات کے لیے اس کی روایت صلاحیت رکھتی ہے۔ ابن عدی نے سند کے ساتھ حضرت انس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔" گو اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں مگر احادیث فی الجملہ محفوظ ہے اور شواہد میں اس کا ذکر ضرر نہیں رکھتا۔

مراہیل حسن بصری میں نبی اکرم ﷺ سے حدیث ہے:

"مجھ پر یوم جمعہ کو اکثر درود پڑھا کرو۔"

ابن وشلح نے سند کے ساتھ ابن شعیب سے روایت کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھ بھیجا کہ ”جمہ کے دن علم پھیلاؤ کیونکہ علم کی آفت نسیان ہے اور جمہ کے دن نبی اکرم ﷺ پر درود بہت پڑھو۔“

مقام : 18 مقالات درود میں سے ایک مقام مجلس سے اٹھنے کے وقت ہے۔
عبدالرحمن بن ابی حاتم نے سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ میں نے سفیان بن سعید کو اتنی دفعہ کہتے سنا ہے جس کا شمار نہیں کر سکا کہ جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہا کرتے:

«صَلَّى اللهُ وَغَلَّابَتْكَهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى النَّبِيِّ وَالْمَلَائِكَةِ»
اس موطن میں یہی اثر ملتا ہے۔

مقام : 19 مقالات درود میں سے ایک مسجد کے اوپر نظر پڑنے اور پس سے گزرنے کا وقت ہے۔ قاضی اسماعیل نے سند کے ساتھ حضرت علی ہجو سے روایت کی ہے۔ فرمایا ”جب تم مسجد کے پاس سے گزرو تو نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔“

مقام : 20 مقالات درود میں سے ایک مقام غم و شدائد کے جھوم اور طلب مغفرت کا وقت ہے۔ ترمذی میں ابی بن کعب کی اپنے باپ سے لمبی حدیث ہے جس کے آخر میں ہے:

”کیا میں کروں آپ کے درود کو تمام وقت اپنا؟“

فرمایا: ”اس وقت وہ تیرے غم کے لیے کافی ہو گا اور تیرے گناہ بخشائے گا۔“

ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور محمد بن عقیل کی سند سے جو روایت کی ہے اسے صحیح بتلایا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو مسند میں مختصراً بیان کیا ہے جس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اب اللہ تعالیٰ تجھے کفایت کرے گا۔ اس چیز سے جس نے تجھے غم میں ڈالا ہے۔ امر دنیا سے اور آخرت سے۔“

«صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا إِنِّي يَوْمَ الدِّينِ»

مقام : 21

نبی ﷺ کے مبارک نام کے لکھتے وقت ابو الشیخ نے سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا، بیش ملائکہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ جب تک میرا نام اس کتاب میں ہوتا ہے۔"

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ نے اسید جعفر سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اسحاق بن وہب نے بھی سند کے ساتھ اخرج سے روایت کیا ہے اور اخرج سے ان دو روایات کے علاوہ بھی روایت ہوئی ہے اور اس باب میں ابو بکر صدیقؓ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہ کی احادیث ہیں۔ سلیمان بن رافع نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا، بیش اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے۔"

جعفر بن علی الزعفرانی کے طریق سے مروی ہے کہ:

"میں نے اپنے خالو حسن بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا: "اے ابو علی کاش تو دیکھ لے جو صلوة ہم نے نبی اکرم ﷺ پر کتاب میں لکھی تھی وہ ہمارے آگے کیسی روشن اور نورانی ہو رہی ہے۔"

ابو الحسن بن علی میسونی کہتے ہیں:

"میں نے شیخ ابو علی حسن بن عیینہ کو موت کے بعد خواب میں دیکھا ان کے ہاتھوں کی انگلیوں پر کوئی چیز سبز یا زعفرانی رنگ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اے ستاد! میں آپ کی انگلیوں پر ایک شیخ تحریر دیکھتا ہوں یہ کیا ہے؟ کہا: اے لڑکے! یہ طفیل ہے حدیث رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کا اور یہ طفیل ہے حدیث میں لفظ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا۔"

طیب نے سند کے ساتھ ابو سلیمان حسانی سے روایت کی ہے کہ:

"مجھ سے میرے ایک ہمسایہ نے جس کو ابو الفضل کہتے تھے اور جو بہت

روزہ رکھنے والا اور بہت نوافل پڑھنے والا تھا۔ بیان کیا کہ میں حدیث لکھا کرتا اور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا فرمایا: "جب تو لکھتا ہے یا میرا نام لیتا ہے تو مجھ پر درود کیوں نہیں پڑھتا (یا نہیں لکھتا)؟" اس سے ایک عرصہ کے بعد مجھے پھر زیارت ہوئی۔ فرمایا "میرے پاس تیرے درود چھپتے ہیں۔ اب جب تو مجھ پر درود بھیجے یا ذکر کرے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا کر۔"

سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ:

"اگر صاحب حدیث کو اور کوئی فائدہ سوا صلوٰۃ پر رسول ﷺ کے نہ ہو تو یہی بے مثل ہے! کیونکہ اس پر رحمت بھیجی جاتی ہے۔ جب تک کتاب میں ﷺ لکھا ہوا رہتا ہے۔"

محمد بن ابوسلمہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا یا رب! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا "مجھے بخش دیا۔" میں نے کہا "کیوں کر؟" کہا "نبی اکرم ﷺ پر درود لکھتے رہے۔"

ایک محدث کہتے ہیں:

"میرا ایک ہمسایہ تھا وہ مر گیا میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ کہا بخش دیا۔ میں نے پوچھا کیوں کر؟ کہ حدیث میں جہاں نبی ﷺ کا ذکر آتا ہے اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا کر۔"

سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ:

"مجھ سے خلف صاحب فلکان نے روایت کیا ہے کہ میرا ایک صدیق تھا۔ میرے ساتھ طلب حدیث کیا کرتا وہ مر گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اس پر سبز پوشاک تھی۔ دامن کشی چلتا تھا۔ میں نے کہا تو میرے ساتھ حدیث طلب نہ کیا کرتا تھا؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا۔ پھر تو اس درجہ پر کیوں کر پہنچ گیا۔ کہا جو ایسی حدیث آتی جس میں نبی ﷺ کا نام مبارک ہو تا میں اس کے نیچے ﷺ لکھ دیا کرتا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ جو تم میرے اوپر پوشاک

دیکھ رہے ہو۔"

عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ۔

"میں نے خواب میں شافعی رحمہ کو دیکھا۔ پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور مجھے ہشت کے لیے یوں آراستہ بنایا جیسے عروس کو آراستہ کیا کرتے ہیں۔ اور میرے اوپر یوں پتھار کیا جیسے دامن پر کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ اس درجہ کو کیوں کر پہنچ گئے؟ کہا: مجھ سے ایک قافل نے کہا تھا کہ کتاب الرسالۃ میں جو اورود نبی اکرم ﷺ پر تم نے لکھا ہے اس کا عوض ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیوں کر ہے۔ فرمایا وہ لفظ یہ ہیں:

«وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ»

جب صحیح ہوئی میں نے کتاب کھول کر دیکھی تو یہی عبارت اس میں درج تھی۔ صلی اللہ علی نبیہ وسلم۔

خطیب نے سند کے ساتھ ابو اسحاق دارمی المعروف فضیل سے بیان کیا ہے۔

"کہ میں اپنی تخریج میں جو حدیث لکھتا تھا اَللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَسِیْنَا لکھا کرتا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا گویا کچھ میرا لکھا ہوا لے ہوئے ہیں۔ اس میں نظر مبارک ڈالی اور فرمایا جید ہے۔"

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں:

"میرے ایک بھائی نے جس پر میں یقین کرتا ہوں۔ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک اہل حدیث شخص کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا: مجھ پر رحم فرمایا کہ مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کیوں کر؟ کہا: جب میں نبی اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر پہنچتا تو صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نکلتا۔"

اس کو محمد بن صالح نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حافظ ابوسوسی نے اپنی کتاب

میں اہل حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔

"جو اپنی موت کے بعد دیکھی گئی اور انہوں نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ بعوض اس کے کہ وہ ہر ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتے تھے۔"

ابن سنان کہتے ہیں:

"میں نے عباس عمری اور علی بن مدینی کو کہتے سنا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کسی حدیث میں ہو ہم نے سنی ہے نہیں چھوڑا اور اگر بہت سی جلدی ہوئی تب بھی سفید جلد چھوڑ دی تاکہ پھر لکھ سکیں۔"

مقام : 22 | مقامات درود میں سے ایک مقام تبلیغ علم اور تذکیر درسی و تعلیم کے اول و آخر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا لکھا تھا کہ:

"لوگوں نے لوگوں سے عمل آخرت کے بدلے دنیا طلبی شروع کر دی۔ قصہ فوجوں نے یہ بدعت نکالی کہ بادشاہ اور امراء پر بھی درود بھیجنے لگے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ پر بھیجا جاتا ہے۔ اس فرمان کو دیکھتے ہی سب کو حکم دو کہ صلوٰۃ تو انبیاء پر ہو اور عام مسلمین کے لیے دعا ہو۔ کوئی مسلمان جو اس کے لیے دعا کی جائے۔"

واضح ہو کہ اس موضع مقام پر اس نبی اکرم ﷺ پر درود نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ وقت تبلیغ علم کا ہے۔ جسے نبی ﷺ لے کر آئے اور امت میں پھیلا دیا۔ اور امت کو بکثرت عطا فرمایا۔ نیز یہ وقت لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی سنت و طریق کی جانب دعوت کا ہے اور یہ امر سب اعمال سے الفضل اور منفعت میں بندہ کے لیے دنیا و آخرت میں اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (احم السعد 11/133)

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور سنی ہوئی جس نے اللہ کی

طرف بلایا اور نیک عمل اور کیا کہ میں مسلمان ہو۔“

﴿فَلْهَذَا سَبِيلُ أَذْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾

(یوسف ۱۰۸/۱۲)

”تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔“

خواہ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں اور میرے تابعین اللہ کی طرف بروئے

بصیرت جاتے ہیں۔ «اذْعُوا إِلَى اللَّهِ» پر وقف کیا جائے اور پھر «عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي»

رہا جائے یعنی میں اور میرے تابعین بصیرت پر ہیں یہ دونوں قول مستلزم ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ

”رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بتا دیں کہ نبی ﷺ کا طریق اللہ تعالیٰ کی جانب

بلانا ہے اور جو شخص لوگوں کو اللہ کی جانب بلاتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے

نبیل پر ہے اور بصیرت پر بھی۔ نیز نبی ﷺ کے اتباع میں داخل ہے اور جو

شخص اللہ تعالیٰ کی جانب کے سوا اور طرف بلاتا ہے۔ وہ نہ نبیل رسول اللہ

ﷺ پر ہے نہ بصیرت پر۔ نہ اتباع محمدیہ میں داخل۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی

جانب بلانا مرسلین کا وظیفہ ہے۔ یا ان کے اتباع کا جو امت کے اندر خلفاء

ہوتے ہیں اور لوگ ان کا اتباع کیا کرتے ہیں اور جس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول (ﷺ) کو حکم دیا ہے کہ جو نازل ہو اسی کو لوگوں تک پہنچا

دیں اور آپ کی حفاظت اور مخلوق سے عصمت و صیانت کی ضمانت نمود اللہ

نے فرمائی ہے۔ اسی طرح جو علماء تبلیغ شریعت کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی

حفظ و عصمت الہی شامل حال ہے۔ جس قدر کہ وہ دین پر قائم اور تبلیغ پر

مقام ہیں۔ بے شک نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ کی جانب سے لوگوں کو

پہنچایا جائے گو ایک آیت ہی ہو اور پہنچانے والے کے لیے وعدہ فرمائی ہے۔

گو ایک حدیث ہی ہو۔ یاد رکھو کہ امت کو سنت کا پہنچانا دشمنوں کی چھاتیوں

پر پتھر لگانے سے افضل ہے۔ کیونکہ حیر انگنی تو بہت کر سکتے ہیں۔ مگر تبلیغ سنت صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وارث انبیاء اور امت کے خلفاء ہوتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان لوگوں سے بنائے)"

بے شک یہ لوگ دیسے ہی ہوتے ہیں جیسے ان کی تعریف مہر فاروق رحمہ نے خطبہ میں کی ہے۔ یہ خطبہ ابن وضاح نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں لکھا ہے۔ فرمایا:

«الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي امْتَنَ عَلَيَّ الْعِبَادَ بِأَنْ جَعَلَ فِي كُلِّ زَمَانٍ فِرْقَةً مِّنَ الرُّسُلِ تَغِيَا مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَدْعُونَ مَن ضَلَّ إِلَى الْهُدَى وَيُنْصِرُونَ مِنْهُمْ عَلَى الْأَذَى وَيُخَيِّوْنَ بِكِتَابِ اللَّهِ أَهْلَ الْعُمَى كَمَنْ مِّنْ قَبِيلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَذُحْبُوهُ وَصَالٌ نَّابِهٌ قَدْ هَدُوهُ بِذُلُومٍ دَعَاءُهُمْ وَأَمَوَالُهُمْ ذُورٌ هَلَكَةُ الْعِبَادِ فَمَا أَحْسَنَ اثْرُهُمْ عَلَى النَّاسِ وَاقْبَحَ اثْرُ النَّاسِ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُوهُمْ فِي سَالِفِ الدُّهْرِ وَإِلَى يَوْمِنَا هَذَا فَمَا لَيْسَ بِهِمْ رَيْبٌ وَمَا كَانَ رَيْبٌ نَسِيًا جَعَلَ قِصَصَهُمْ هُدًى وَأَخْبَرَ عَنْ حُسْنِ مَقَالَتِهِمْ فَلَا تَقْصُرُ عَنْهُمْ فَإِنَّهُمْ فِي مَنَازِلَةٍ رَّابِعَةٍ وَإِنْ أَصَابَتْهُمْ الرُّوْصِيْعَةُ»

"تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان کیا کہ ہر مولوں کے زمانہ فترت میں ایسے اہل علم باقی رکھے جو گمراہ کو ہدایت کی طرف بلائیں اور اس راہ میں صبر کے ساتھ اذیت اٹھائیں۔ گوہر چشموں کو کتاب اللہ کے ساتھ حیات بخشیں۔ بہت ایسے ہیں جن کو ابلیس اپنے ہاتھوں سے کشت بنا چکا تھا مگر اہل علم نے ان کو از سر نو زندگی دی اور بہت ایسے ہیں جو ضلالت میں سرگرداں تھے۔ انہوں نے ان کو ہدایت پر ڈالا لوگوں کو ہلاکت سے بچایا اور اپنی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالا۔ اللہ اکبر۔ لوگوں کے ساتھ ان کے کیسے اچھے سلوک ہیں اور لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا برا ہے کہ قدیم سے لے کر آج تک ان بزرگواروں کو قتل ہی کرتے آئے۔ لیکن اللہ ان کے کثرت نہیں بھولا اور نہ بھول اللہ کو ہو ہی سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان

کے قصہ کو ہدایت بتایا ہے اور ان کے پاکیزہ کلام کی خبر دی ہے دیکھ تو ان سے کوئی نہ کرنا۔ کیونکہ یہ نہایت بلند درجہ پر ہیں۔ گو فردیہ لوگ ان کو نامس خیال کیا کریں۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

"ایک بدعت کے وقت جو اسلام میں اپنا پاؤں نکالے۔ اللہ کا ایک ولی ہوتا ہے جو اسلام سے اسے دور کرتا اور اس کی علامات میں غفلت گرتا ہے۔ پس تم ان سواطین کی حضوری کو غنیمت سمجھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اس بارے میں تم کو نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تھا۔ نیز معاذ رضی اللہ عنہ کو کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دے تو یہ بات تیرے لیے شتران سرخ سے بہتر ہے۔"

نیز نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ:

"جس شخص نے میری سنت سے کوئی شے زندہ کی۔ میں اور وہ جنت میں اس طرح رہیں گے اور اپنی دو انگلیوں کو ملایا۔"

نیز یہ ارشاد کہ:

"جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اور اس نے پیروی کی تو اس کو ثواب ہو گا۔ اس شخص کے موافق جو اس پر عمل کرتا رہے گا۔ یوم قیامت تک۔"

دیکھو یہ فضل عظیم اور لذت جہیم عامل اپنے عمل سے کہاں پاسکتا ہے یہ تو اس کا فضل ہے۔ جسے چاہے اسے دے۔

غرض جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے اور تجید کے ساتھ کھولے وحدانیت کا اعتراف کرے اور اس کے جو حقوق بندوں پر ہیں انہیں بیان کر دے۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور نبی ﷺ کی تجید و ثناء کرے اور ختم بھی نبی ﷺ تسلیم کرے۔

مقام : 23 | دن کے اول و آخر درود پڑھنا بھی درود خوانی کے اوقات میں سے ہے۔ طبرانی نے بروایت ابوہریرہؓ روایت کی ہے کہ:

”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے: صبح کے وقت اور دس دفعہ شام کے وقت مجھ پر درود پڑھا، قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہو گی۔“

ابو موسیٰ مدنی کہتے ہیں کہ اسناد حدیث میں بقیہ سے جرجس روایت کرتا ہے ان کا نام یزید بن عبداللہ ہے جرجس اس لیے مشہور ہو گیا کہ محض میں گنبد جرجس کے متصل رہا کرتا تھا۔ جرجس کے سوا اور بھی اس حدیث کو ابقیہ سے روایت کرتے ہیں۔

مقام : 24 | مقالات درود خوانی میں سے ایک مقام صدور گناہ کے بعد ہے۔ جب اس کے کفارہ کا ارادہ ہو۔ ابن ابی حاتم نے کتاب الصلوٰۃ میں بروایت انسؓ بیان کیا کہ:

”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارے لیے کفارہ ہے۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔“ اسی کتاب میں ابو کابلؓ روایت سے حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو کابل! جو مجھ پر ہر ایک دن میں تین دفعہ اور ہر ایک رات میں تین دفعہ میری محبت اور شوق سے درود پڑھتا ہے اللہ پر حق ہے کہ اس دن اور رات کے اس کے گناہ بخش دے۔“

پھر ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ درود تمہارے لیے زکوٰۃ استھرائی اور پاکیزگی ہے۔“

اسی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے اور یہ حدیث بخاری ہے کہ درود خوان کے حق میں درود زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ نمہ و برکت و طہارت کی ضامن ہوتی ہے اور یہی حدیث میں درود کو کفارہ فرمایا ہے۔ یہ محو گناہان پر شامل ہے۔ پس

دو قیوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ نبی ﷺ پر درود پڑھنے سے نفس کو رزائل سے طہارت حاصل ہوتی ہے اور کمالات و فضائل میں نمو و کثرت عطا ہوتی ہے اور یہی دو شافیں ہیں جن پر کمال نفس راجع ہوتا ہے۔ اس لیے صاف معلوم ہو گیا کہ نفس کو کمال و مجز درود خوانی کے حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ درود نبی ﷺ کی لوازم محبت میں سے ہے اور یہی علامت ہے کہ بندہ نبی ﷺ کو دیگر تمام مخلوق پر اولیت دیتا ہے۔

مقام : 25 | اوقات درود میں سے ایک وقت جنگی و عبادت ہونے پر۔ یا ان کے خوف و قوع پر ہے۔ ابو نعیم نے جابر بن سمرۃ السوائی عن ایسے سے روایت کی ہے کہ:

”ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب اعمال سے قریب تر کیا ہے۔ فرمایا ”راست گفتاری اور اداۓ امانت۔“ میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمائیے فرمایا ”صلوۃ لیل اور صوم حواجر“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا ”ہو شخص کسی قوم کی امامت کرے وہ بلی نماز پڑھائے۔ کیونکہ جماعت میں پوڑھے بیمار کمزور اور ضرورتوں والے لوگ ہوتے ہیں۔“

مقام : 26 | مقامات درود میں سے ایک مقام نکاح کا خطبہ ہے۔ اسمعیل بن ابی زیاد نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے »أَنَّ اللَّهَ وَحَلَّيْكَ يَنْصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ« کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ثناء و مغفرت فرماتا اور فرشتوں کو نبی اکرم ﷺ کے لیے استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ »إِنَّا أَنبِئُكَ اللَّهُمَّ أَنَّهُ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا« مومنین کو بھی لازم ہے کہ نبی ﷺ کی ثناء نمازوں اور مسجدوں میں نیز دیگر مقامات پر اور خطبہ نکاح میں کیا کریں۔ بھولیں نہیں۔

① رات کی نماز اور نائے اذان گر روزہ رکھنا۔

مقام : 27 | مقامات درود میں سے ایک مقام چھینکے کا وقت ہے۔ طبرانی نے نافع سے روایت کی ہے کہ:

”میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ ان کے پہلو میں ایک شخص نے چھینکا اور کہا «الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ» ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یوں تو میں بھی کہتا ہوں۔ «الشَّاهِدُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ» لیکن عمل یوں نہیں۔ ہم کو تو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ: ہر چھینک آئے تو الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ کہا کریں۔“

طبرانی نے کہا کہ اس روایت کو جو سہل بن صالح الانطالی ولید سے روایت کرتا ہے، یہ اس روایت میں منفرد ہے اور ولید بن سعید بن عبد العزیز سے روایت کرتا ہے۔ سو اس کے سوا اور کسی نے سعید سے یہ روایت نہیں کی۔ ترمذی نے اسی روایت کو اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ جزئیاد بن ربیع کے طریق کے۔

ابو موسیٰ مدنی کہتے ہیں کہ بروایت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایت کی گئی ہے۔ ابو اسحاق نافع سے روایت کرتے ہیں کہ:

”ایک شخص کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک آئی۔ ابن عمر نے فرمایا تو نے بخل کیا۔ کیوں نہیں تو نے الحمد للہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔“

پس اس طرف بھی ایک جماعت گئی ہے۔ جن میں ابو موسیٰ مدنی وغیرہ ہیں۔ اور دوسروں نے اس مسئلہ میں ان سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چھینک کے وقت درود مستحب نہیں۔ یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صرف حمد ہی مشروع فرمائی ہے۔ درود اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور الفضل اعمال سے بھی ہے۔ تاہم ہر ایک ذکر کے لیے ایک مقام مخصوص ہوتا ہے۔ جن میں اس کی جگہ دوسرا ذکر نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ درود کو کعبہ و سجود اور قومہ میں مشروع نہیں۔ بلکہ صرف تشہد اخیر میں ہے۔ اس کے بعد یہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ:

”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا ذکر تین جگہ نہ کرو: طعام پر بسم اللہ پڑھتے ہوئے اذان اور چھینک کے وقت۔“

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں تین غلط ہیں:

① سلیمان بن یحییٰ جو عبد الرحیم بن زید ثنی سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنی روایت میں منفرد ہے۔

② عبد الرحیم بھی ضعیف ہے۔

③ اس حدیث میں انقطاع ہے۔

اس کے بعد یہ بتی کہتے ہیں کہ ابواسحاق عن نافع کی روایت سے فقیر ابوطاہر نے روایت کیا ہے۔ چھینک کے وقت درود پڑھنے کے بارہ میں لکھی جا چکی ہے۔

مقام : 28 وضو سے فارغ ہو کر درود پڑھنا بھی مقالات درود خوانی میں ہے۔ ابوالشیخ نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ابوداؤد سے حضرت عبد اللہ کی حدیث روایت کی ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو سے فارغ ہو تو «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» پڑھے۔ پھر اس کے بعد مجھ پر درود۔ جب ایسا کیا تو اس کے لیے دروازہ ہائے رحمت کھولے جاتے ہیں۔“

یہ حدیث مشہور ہے اور اس کے طرق عمر بن خطاب، عقبہ بن عامر، ثوبان اور انس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں درود کا ذکر نہیں ہاں صرف اسی روایت میں ہے۔ ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب میں مرفوعاً بیان کیا ہے کہ:

”بو محض نبی اکرم ﷺ پر درود نہیں پڑھتا اس کا وضو صحیح نہیں۔“

اس روایت میں عبد الحسین جو راوی ہے۔ اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی ہے۔

مقام : 29 گھر میں داخل ہوتے وقت درود پڑھنا بھی مقالات درود خوانی میں ہے۔ اس کو حافظ ابوموسیٰ عدنی نے بیان کیا ہے اور اس بارے میں ابوصالح کی روایت سے سند کے ساتھ سل بن سعد ہجو سے روایت کی گئی ہے

”ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فقر و تنگدستی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہہ، خواہ اس میں کوئی ہو یا نہ ہو۔ پھر مجھ پر سلام پڑھ۔ پھر ایک دفعہ رَفْلْ هُوَ اللَّهُ أَحْذَا بَازْ پڑھ۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر رزق کی ریل بیل کر دی۔ یہاں تک کہ وہ مساعیوں اور قراچیوں کو بھی دینے لگا۔

جس مقام پر ذکر الہی کے لیے جمع ہو کر بیٹھیں وہاں درود پڑھنا بھی مقام : 30 مقالات درود خوانی میں سے ہے کہ :

”اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کچھ میر کرنے والے ہیں۔ جب وہ حلقہ ہائے ذکر پر پہنچتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتا ہے ’بیٹھ جاؤ‘ جب یہ دعا مانگیں ہم آمین کہیں گے اور جب درود پڑھیں گے تو ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ یہاں تک کہ فارغ ہو جائیں پھر ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے، کیا خوش نصیب ہیں یہ اپنے گھروں کو ایسی حالت میں جائیں گے جب کہ ان کے گناہ بخشے گئے ہیں۔“

اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

جب کوئی شخص کسی چیز کو بھول جائے اور یاد کرنا چاہے تو اس وقت درود پڑھنا بھی مقالات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو ابو موسیٰ

حدیثی نے ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں محمد بن عقبہ السدوسی کے طریق سے انس بن مالک برہتہ کی حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو۔ ان شاء اللہ وہ یاد آ جائے گی۔“

حافظ موسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کتب الحفاظ والنبیان میں ہم نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

مقام : 32 | احتیاج کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔
 احمد بن موسیٰ نے سند کے ساتھ جابر بن عبد اللہ مؤثر سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”ہو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ جن میں سے ۳۰ نبوی اور ۷۰ اخروی ہوں گی اور مغرب کی نماز میں بھی اسی طرح ہے۔“
 لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر درود کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مِنْبُكِنِهٖ نَصْلُوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ نَافِئُهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلٰوْا عَلَیْهِ وَسَلٰمٌ اَسْلَبَتْهُمُ اللّٰهُمَّ صَلٰوْا عَلَیْهِ (۱۰۰۰ دفعہ)

ابراہیم بن حنیہ نے سند کے ساتھ ابن مسعود مؤثر سے روایت کی ہے کہ:
 ”جب تو اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے تو پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء و مدح اس کی شان کے شایان کر۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پھر دعا حاجت۔ یہ طریق حاجت پورا ہونے کے لیے بہت ٹھیک ہے۔“
 طبرانی نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ جریر سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

”جس کو اللہ عزوجل سے کچھ حاجت ہو اسے چاہیے کہ سنوار کر وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ اللہ عزوجل کی ثناء اور نبی اکرم ﷺ کے درود کے بعد یوں کہ:

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُبْحَنُ اللّٰهِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ لَا تَدْعُ لِيْ هَمًّا اِلَّا فَرَجْتَهُ وَلَا تَدْعُ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا حَاجَةَ لَكَ فِیْهَا رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا بِأَرْحَمِ الرَّاحِمِیْنَ“

حافظ ابن مندہ نے سند کے ساتھ جابر جعفی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ہر روز مجھ پر سو اضع درود پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی سوجھیں پوری کرتا ہے۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔“

مقام : 33 درود خوانی کے اوقات میں سے ایک وقت وہ ہے جب کھان بولنے لگیں۔ اس کو ابو موسیٰ و غیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

”جب کسی کا کھان بولنے لگے تو وہ مجھ پر درود پڑھے اور کہے: ذکر اللہ بخیر من ذکرہ“

معمر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر اس کی روایت میں عبد اللہ نہیں یعنی پہلی روایت میں ابو رافع اپنے بھائی عبد اللہ سے روایت کرتا تھا اور وہ اپنے باپ سے اور اس روایت میں ابو رافع خود اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ذکر اللہ من ذکرہ بخیر ہے۔

مقام : 34 مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام فرض نمازوں کے بعد ہے اور اس بارے میں مجز اس حکایت کے جسے ابو موسیٰ مدنی نے عبد الغنی بن سعید کے طریق سے سند کے ساتھ ابو بکر محمد بن عمر سے روایت کی ہے اور کوئی اثر و خبر نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابو بکر بن عبد کے پاس بیٹھا تھا۔ شبلی آئے ابو بکر کھڑے ہو گئے۔ معافہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے کہا:

”اے میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور تمام بندگان کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہا میں نے اس کے ساتھ وہ کیا جو نبی اکرم ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ شبلی سامنے آئے۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ ایسی عنایت فرماتے ہیں۔ فرمایا ”یہ نماز کے بعد اَلْقَدْ حَاءَ کُمْ ذُنُوبُکُمْ اَنْفِکُمْ“ آخر تک پڑھا کرتا ہے اور پھر درود مجھ پر پڑھتا ہے۔“

دوسری روایت میں یہ ہے کہ:

”اس نے کوئی فرض نماز نہیں پڑھی لیکن اس کے آخر میں «الْفَجَاءُ ثَمَّ رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ» آخر تک پڑھا اور تین دفعہ «اَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّد» اَصَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمَ پڑھا۔“

ابو بکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں شبلی کے پاس گیا اور پوچھا کہ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہو تو انہوں نے ایسا ہی بیان کیا۔

مقام : 33 مقامات درود خوانی میں سے ایک ذبح کا وقت ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کی

تقریر یہ ہے:

”کہ ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا کافی ہے اور اگر اس پر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زیادہ کر لے تو بہتر ہے اور اس میں مکروہ نہیں سمجھتا۔ اگر بسم اللہ کے ساتھ صلی اللہ علی رسول اللہ بھی کہہ دیا جائے۔ بلکہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہر ایک حال میں نبی ﷺ پر درود کی کثرت کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر درود کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت میں داخل ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جو درود اس موقع پر پڑھتا ہے اس کو اجر ملے گا۔ بیشک عبدالرحمن جو پیچھے سے پہنچے تو دیکھا کہ نبی ﷺ سجدے میں پڑے ہیں۔ یہ کہتے ہیں ’میں ٹھہر گیا۔ بہت دیر ہو گئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا۔ عبدالرحمن نے کہا ’میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح سجدہ میں ہی قبض کر لی ہو۔ فرمایا ’عبدالرحمن جب تو نے مجھے دیکھا ہے اس وقت جبریل مجھ سے ملے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا۔ میں اس پر رحمت بھیجوں گا۔ پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”جو مجھ پر درود بخول گیا۔ وہ جنت چھوڑے گا۔“

غرض امام شافعی رحمہ اللہ نے اس مقام پر کلام کے اسباب و علل پیش کئے ہیں اور

دوسرے لوگوں نے ان کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب ہیں۔ وہ اس وقت درود پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اہلال وغیرہ اللہ کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب مختلف ہیں۔

قاضی اور اس کے اصحاب تو مکروہ کہتے ہیں اور ابو الخطاب نے اس کی کراہت کو بڑے ضروری مسائل میں بیان کیا ہے اور ابن شافلانے مثل امام شافعی رحمہ اللہ مستحب کہا ہے۔ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن جبل ہمزہ نے نبی کریم سے روایت کی ہے کہ دو مقامات میں میرا حصہ نہیں۔ چھینک اور فزع۔ پھر سلیمان بن عیسیٰ کی حدیث سے محبت پکڑتے ہیں۔ جس پر بحث لکھی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں۔

مقام : 36 درود خوانی کا ایک مقام تشہد آخر کے سوا قرأت نماز کے اندر وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک آئے یا آیت اللہ و ملئکھہ یصلون علی النبی پڑھی جائے۔ اس کو ہمارے اصحاب احبیبہ وغیرہم نے ذکر کیا ہے کہ جب قرأت میں نبی اکرم ﷺ کے مبارک نام تک انسان پہنچے تو ٹھہر جائے اور درود پڑھے۔ اسمعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ حسن بصری ہمزہ سے روایت کیا ہے کہ:

"جب نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم ملے (یعنی آیت یا نبیہا الذین امنوا صلوا علیہ پر قاری پہنچے) تو چاہیے کہ ٹھہر جائے اور نوافل میں نبی ﷺ پر درود پڑھ کر آگے چلے۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر نص کر دیا ہے کہ جب نماز پڑھنے والا ایسی آیت پر پہنچے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو اگر وہ نماز نوافل میں ہے تو نبی اکرم ﷺ پر ضرور درود پڑھے۔

① غیر کے نام دیجہ پکارنا، دیجہ کو غیر اللہ کے لیے فزع کرنا۔

مقام : 37 مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس

مال نہ ہو تو وہ صدقہ کی بدل درود شریف پڑھے۔ نیک دست سے یہ درود پڑھنا عمومی صدقہ کے کفایت کرے گا۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ ابوسعید جرہ سے روایت کی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں پڑھے۔

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ»
یہی اس کے لیے زکوٰۃ ہے۔"

مقام : 38 سونے کے وقت درود شریف پڑھنا بھی اوقات درود خوانی میں سے

ہے۔ ابوالشیخ نے سند کے ساتھ ابوقرصاد جرہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: "جو شخص ہسٹری لٹ کر «تَسَاوَدَ الذُّبِّي»
بیبہ الملک» پڑھے اور پھر کہے:

«اللَّهُمَّ رَبَّ الْجَلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَرَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِحَقِّ كُلِّ آيَةٍ أَنْزَلْتَهَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَلِّغْ رُوحَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّْي نَحْبَةً وَسَلَامًا»

"یا اللہ! مالک حلال و حرام کے اور مالک شر حرمت والے اور مالک رکن اور مقام کے اور مالک مشعر الحرام کے بحق آیات قرآن مجید جن کو تو نے ماہ رمضان میں اتارا۔ روح مبارک محمد ﷺ پر میری جانب سے تحیت اور سلام بھیج۔"

چار دفعہ اس کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ در فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو محمد ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور کہتے ہیں یا محمد! فلان ابن فلان آپ کو! والسلام و رَحْمَةُ اللَّهِ» عرض کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «وَعَلَى فُلَانٍ مِنِّي

السلام ورحمة الله وبركاته»

حافظ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اسناد میں جو محمد بن بشر راوی کا نام ہے، یہ شریف خوں کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو قرق صافہ کا ذکر ابن عبد البر نے کتاب الصحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام جند رہ ہے۔ بنی کنانہ میں سے فلسطین میں آیا، ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ تلمذ میں رہتے تھے اور محمد بن بشر مدنی ہے اور ازوی نے اس کو متروک الحدیث اور مجہول کہا ہے۔ اہ میں کہتا ہوں کہ علت حدیث یہ ہے کہ یہ مشہور امام ابو جعفر باقر رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

مقام : 39 ہر ایک کلام خیر ذی بال کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود سے ابتداء کرے اور اس کے بعد اپنا کلام ذکر کرے۔ حمد سے ابتداء کرنے کے بارے میں تو مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں حدیث ابو ہریرہؓ ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

”ہر ایک کلام جس کی ابتداء حمد اللہ سے نہیں وہ نبی بریدہ ہے“ اور نبی اکرم ﷺ کے درود کے بارے میں ابو موسیٰ مدنی نے سند کے ساتھ حدیث ابو ہریرہؓ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”کہ جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے ذکر اور میرے درود کے ساتھ نہیں وہ کلام اقطع اور ہر ایک برکت سے خالی ہے۔“

مقام : 40 نماز عید کے درمیان میں درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ بیشک یہ مستحب ہے کہ نماز کے اندر اللہ کی حمد و ثناء کی جائے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ علقہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ

”ولید بن عقبہ عید سے ایک روز پہلے ابن مسعودؓ حدیث ابو موسیٰؓ کے پاس آیا۔ کہ عید قریب آگئی ہے اس میں تکبیر کیوں کر کہی جاتی ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا نماز کو یوں شروع کر کہ پہلے تو تکبیر کہہ۔ جس سے نماز

شروع کی جاتی ہے۔ پھر اللہ کی حمد اور نبی ﷺ پر درود پڑھ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر قرأت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر جب دوسری رکعت کے لیے اکھڑا ہو تو قرأت پڑھ اور حمد رب اور صلوٰۃ بر نبی ﷺ پڑھ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر رکوع کر۔ حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو عبدالرحمن نے ٹھیک بیان کیا۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں ہر دو قرأت میں موالات اتحاد عمل ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ کی بھی اور اس میں عید کی تکبیرات زائدہ تین تین ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور اس میں تکبیرات کے اندر حمد و صلوٰۃ کرنے کا ذکر ہے جو امام شافعی اور امام احمد رحمہما کا مذہب ہے۔ پس امام ابو حنیفہ نے تو اس حدیث کو عدد تکبیرات اور ہر دو تکبیرات میں موالات کے لیے کیا ہے اور امام احمد و شافعی نے تکبیرات میں ذکر کے مستحب ہونے کے بارے میں۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما مستحب سمجھتے ہیں کہ صرف تکبیرات بغیر کسی ذکر کے کی جائیں اور امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث کو نہ موالات و عدد میں لیتے ہیں نہ ذکر تین تکبیرات میں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔



باب ہفتم

ان فوائد اور ثمرات کا بیان جو نبی ﷺ پر درود پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں

- ① اللہ تبارک و تعالیٰ کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم۔
- ② اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔ گو نہ میت میں ہماری صلوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مختلف ہوں۔ کیونکہ ہماری صلوٰۃ تو دعا اور سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ثناء و شرف کا بیان ہے۔
- ③ درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔
- ④ ایک دفعہ درود پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دس رحمتوں کا ملنا۔
- ⑤ ایک دفعہ کے درود پر دس درجات کا بلند کیا جانا۔
- ⑥ ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس نیکیوں کا لکھا جانا۔
- ⑦ ایک درود کے پڑھنے سے دس گناہوں (بدیوں) کا محو کر دیا جانا۔
- ⑧ جب درود دعا سے اول ہو تو اس دعا کی قبولیت کی امید ہوتا۔ کیونکہ درود شریف دعا کو رب العالمین تک لے جاتا ہے اور بلا درود کے زمین و آسمان کے درمیان ہی دعا روک لی جاتی ہے۔
- ⑨ درود خوانی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پانے کا سبب ہے۔ جب درود کے ساتھ نبی ﷺ کے لیے سوال و میلہ ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث روایع کبھی ہائیگی ہے۔
- ⑩ درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔

- ⑤ درود شریف بندہ کے رنج و غم میں اللہ تعالیٰ کے کفایت کرنے کا سبب ہے۔
- ⑥ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہونے کا سبب ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی جا چکی ہے۔
- ⑦ تنگ دست کے لیے درود قائم مقام صدقہ ہے۔
- ⑧ قضاء حاجات کا وسیلہ ہے۔
- ⑨ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا سے رحمت کے حاصل کرنے کا سبب ہے۔
- ⑩ درود خواں کے لیے درود ذکوۃ و طہارت ہے۔
- ⑪ موت سے پہلے بندہ کو بشارت جنت مل جانے کا سبب ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں کیا اور ایک حدیث بھی اس بارے میں لکھی ہے۔
- ⑫ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب۔ ابو موسیٰ نے ذکر کیا اور حدیث لکھی ہے۔
- ⑬ رسول اللہ ﷺ خود صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔
- ⑭ بھولی ہوئی شے درود سے یاد آ جاتی ہے۔
- ⑮ مجلس درود سے پاکیزہ ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن وہ نشست اہل مجلس کے لیے حسرت نہیں بنتی۔
- ⑯ درود شریف سے فقر و تنگ دستی جاتی رہتی ہے۔
- ⑰ درود شریف پڑھنے کے طفیل بخیلی کی عادت بندہ سے دور ہو جاتی ہے۔
- ⑱ درود پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ کی بد دعا و نفم انف سے بندہ محفوظ ہو جاتا ہے۔
- ⑲ درود شریف درود خواں کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے اور جو درود کو ترک کرتا ہے وہ راہ ہمشست چھوڑ بیٹھا ہے۔
- ⑳ مجلس کی سزاوند سے نجات دیتا ہے۔ کیونکہ جس مجلس میں ذکر الہی اور ذکر رسول نہ ہو اور باری تعالیٰ کی حمد و ثناء اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود نہ ہو وہ

مزااں سے پاک نہیں ہوتی۔

⑤ جو کلام حمد اللہ و صلوة پر مصطفیٰ (ﷺ) سے شروع ہو، درود اس کے مکمل ہونے کا سبب ہے۔

⑥ پل صراط پر بندہ کے لیے بے پندہ نور کا سبب درود شریف ہے (ابو موسیٰ نے حدیث بیان کی)

⑦ درود پڑھنے سے بندہ جفا (بر رسول) سے نکل جاتا ہے۔

⑧ درود شریف درود خواں کی ثناء حسن اہل زمین و آسمان کے اندر باقی رہنے کا سبب ہے۔ کیونکہ درود خواں کا سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ثناء و اکرام اور شرف زیادہ فرمائے چونکہ جزا جنس عمل سے دی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسی نوع کی جزاء اس کو بھی ملے۔

⑨ درود خواں کی ذات خاص اور عمل و عمرو دیگر اسباب مصالح میں برکت کا باعث ہے۔ کیونکہ درود خواں کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور ان کی آل پر برکت فرمائے۔ یہ دعا بہر حال مستجاب ہے اور جنس کے موافق جزا دی جاتی ہے۔

⑩ درود اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یا تو رحمت ترجمہ ہے صلوة کا جیسے بعض کا قول ہے۔ یا رحمت صلوة کے لوازم و موجبات میں سے ہے (یہی قول صحیح ہے) بہر حال اس سے رحمت البیہ درود خواں پر نازل ہوتی ہے۔

⑪ درود سب سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کے دوام و اضافے اور افزودنی کا اور یہ صفت مراتب ایمان میں سے ایک مرتبہ ہے جس کے بغیر ایمان کامل و اکمل نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان جس قدر زیادہ محبوب کا ذکر کرے گا، محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد رکھے گا اور ان مضامین کو جو محبت بھرا کاوینے والے ہیں بیش نظر رکھے گا، اسی قدر اس کی محبت بڑھے گی اور شوق کامل ہو گا۔ حتیٰ کہ تمام دل پر چھا جائے گا، لیکن جب ذکر چھوڑ دے اور اس کے محاسن کو دل میں جگہ نہ دے تب محبت تم ہو جائے گی۔ یہ یاد رکھو کہ جس طرح آنکھ کی تھنڈک

دیار یار ہے۔ اسی طرح دل کی تسکین اس کی اور اس کے محاسن کی یاد ہے۔
جب یہ صفت دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو زبان خود بخود مدح اور ثناء میں جاری
ہو جاتی ہے اور محبوب کی تعریف و مخلصہ برابر بیان کیا کرتی ہے اور اس صفت
میں کمی بیشی اصل محبت کی کمی بیشی کے موافق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حسن و
مشاہدہ اس پر شاہد ہے اور شعراء نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

عَجِبْتُ لِمَنْ يَقُولُ ذَكَرْتُ حَبِيبِي
وَهَلْ أُنْسِي فَأَذْكُرُ مَنْ نَسِيتُ
یاد جاں نیا دلاتے ہو نہیں
جو نہیں بھولا ہے اس کی یاد کیا

شاعر گو اس پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ محبوب کی یاد کوئی شخص اسے دلائے۔ وہ کہتا
ہے کہ یاد دلانا تو نسیان کے بعد ہوتا ہے اور تکمیل محبت کے بعد نسیان نہیں ہو سکتا۔
دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لَرَبِّدْ لَا أُنْسِي ذِكْرَهَا فَكَاكِمَا
تَمَثَّلْ بِي لَيْلِي بِكُلِّ سَبِيلٍ
نہیں ممکن بھلا دوں یاد لیلی کو اگر چاہوں
کہ ہر کوچہ گلی میں اس کی ہی تصویر پھرتی ہے
اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت نسیان کی مانع ہے۔
متنی کہتا ہے۔

بُرَادُ مِنَ الْقَلْبِ نَسِيَانُكُمْ
وَنَأْيُ الطَّاعِ عَلَى النَّاقِلِ
بھول جانوں بظاہر یار کے انداز سب
پر طبیعت اس بناوٹ پر بھلا جیتی ہے کب

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت اور یاد طبیعت بن گئی۔ اور داخل

فطرت ہو گئی ہے۔ اب اگر اس کے خلاف ارادہ بھی کریں تو طبیعت اوہڑ جائے سے انکار کرے گی۔ ایک مشہور کلمات ہے جس کو۔

ہو چن ہوئی ہے پیاری
ذکر رکھتا ہے اسی کا جاری

رسول اللہ حبیب اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بناب اشرف واعلیٰ تو وہ ہے کہ شعر ذیل آپ کی آستان پر نہایت نمایاں ہے۔

وَلَوْ شِئْتُ عَنْ قَلْبِي فَرِي وَسَطُهُ

ذَكَرُكَ وَالْتَوَجُّدُ فِي سَطَرِهِ

حیر کر دیجھ لے میرے دل کو
ذکر تیرا ہے اور اللہ کا نام
میں نے اس سینے کے اندر دل کے دو گزے کیے
نصف خالق کے لیے اور نصف ہے تیرے لیے!

بے شک مومن کے دل کی یہی صفت ہے کہ اس میں اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر ایسا لکھا ہوا ہوتا ہے کہ محو و ازالہ ممکن نہیں۔ پس یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کا بکثرت ذکر اس کی دوام محبت کا باعث ہے اور عدم یاد آوری زوال یا ضعف الفت کا سبب۔

اور اللہ تعالیٰ بندوں کی جانب سے نہایت محبت اور نہایت تعظیم کا مستحق ہے اور شرک جسے اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر کو محبت و تعظیم میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ یعنی غیر کی محبت اور تعظیم اس قدر کی جائے جس قدر کہ خاص اللہ کریم کی محبت و تعظیم کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يَخْلُقَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ

اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۶۵)

”کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل

ہماتے ہیں اور ان کے ایسے گردیدہ ہیں، جیسی اللہ کے ساتھ گردیدہ کی ہوتی چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

اس میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ مشرک غیر اللہ «ہند» کے ساتھ دنی محبت رکھتا ہے، جو محبت اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور بتلایا ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت ہر شے سے افزوں اور برتر ہوتی ہے۔ دوزخ کے اندر مگر کر دوزخی نہیں گئے۔

﴿فَاللّٰهُ اِنْ كُنَّا لَیْ حٰكِمًا لِّیْهِمْۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَۙ﴾

(الشعرا ۹۷/۹۸)

"اللہ کی قسم! ہم صریح عنایت میں تھے، جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔"

اور یہ ظاہر ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر سمجھنا محبت چاہت اور عبادت میں تھا، ورنہ اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ بت یا کوئی اور رب العالمین کے صفات و افعال میں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں بلکہ ان بت پرستوں کی پیدائش میں بھی اللہ تعالیٰ کے برابر ہیں۔

وجودیہ کا رد غرض یہ برابری محبت و عبادت میں تھی۔ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر حال وہ لوگ ہیں جو ہر ایک شے کو وجود میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک موجودہ کا کامل ہو یا ناقص وجود بتلاتے ہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عنایت اور شقاوت کا حکم لگایا جو اپنے معبودوں کو صرف محبت میں اللہ کی برابری کا درجہ دیتے تھے اور اسی طرح قائل تھے کہ ان میں اور اللہ کریم میں اوصاف و افعال اور خلق میں بڑا تفاوت ہے۔ تو اندازہ کرو اس شخص کا جو اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کے برابر ہر ایک چیز میں خیال کرتا ہے اور پھر اس پر یہ زعم کہ اس نے تمام معبودوں میں سے بجز اللہ کے دوسرے کی عبادت نہیں کی۔

خیر ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ جب دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کمال محبت و عبودیت و تعظیم و اجلال کا مستحق تر ہے۔ تو کثرت ذکر بھی بندہ کے لیے

رفع ترغصا اور جو اس ذکر سے بندہ کو مانع ہو وہی اس کا اصلی دشمن بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت ذکر کا حکم دیا ہے اور اس کو سبب فلاح ٹھہرایا ہے۔

فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الاعراف: ۸۵/۸۶)
 ”اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/۳۴)
 ”اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو یاد کرنا بہت۔“

فرمایا:

﴿وَالذِّكْرُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالذِّكْرُ لِلَّهِ﴾ (الاحزاب: ۳۴/۳۵)
 ”اور بہت یاد کرنے والے اللہ کو مرد اور عورتیں۔“

فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (البقرہ: ۲۱/۲۲)
 ”اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی ایسا کرے وہی لوگ ہیں خسارے میں آئے۔“

پھر فرمایا:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۷۲/۱۷۳)

”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بہت سے اہل معرفت نے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! مفردین کون ہیں۔ فرمایا:

”اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے۔“

ترمذی میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی خَيْرٍ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِكِكُمْ
وَاَرْفَعُهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ النَّصَبِ وَالْوَرَقِ
وَخَيْرٌ لَّكُمْ اَنْ تَلْقَوْا عَذُوْكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا
اَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى يٰرَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ

”کیا میں تم کو نہ بتا دوں جو سب اعمال میں بہتر ہے اور جو اللہ کے نزدیک
بہت پاک ستھرا ہے اور جو درجات بلند کرنے میں زیادہ تر ہے اور جو سونا
چاندی لٹانے سے بھی بڑھ کر ہے اور جو اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن
سے ملو ان کی گردنیں کاٹو اور اپنے سر کٹاؤ۔ سب نے عرض کی ہاں اے
اللہ کے رسول! بتا دیجئے فرمایا ”اللہ کا ذکر۔“

یہ حدیث مؤطا میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول
ہے۔ کوئی عمل آدمی کا ایسا نہیں جو اس کو عذاب الہی سے نجات دلانے میں اللہ کے
ذکر سے بڑھ کر ہو۔

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تابع اور ساتھ ملا ہوا ہے
اور مقصود یہ ہے کہ دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے اور ذکر دل کے لیے ایسا ہے
جیسے کھیت کے لیے پانی بلکہ مچھلی کے لیے پانی کہ اس کے بغیر زندگی ہی نہیں۔ اور ذکر
کے اندر ذکر کی سب انواع داخل ہیں۔

[1] اسماء کا ذکر، صفات کا ذکر اور ان افعال و صفات پر مدح اور ثناء کرنا۔

[2] تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، تہلیل اور بسا اوقات متاخرین کے نزدیک لفظ ذکر کا
استعمال انہی معنی میں ہوتا ہے۔

[3] احکام، اوامر اور نواہی کا ذکر۔ اور یہ ذکر اہل علم کا ہے۔ بلکہ ہر سہ اقسام کا ذکر
ان کے لیے ہے اور افضل ذکر کلام اللہ کی تلاوت ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

﴿وَمَنْ أَقْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ أَعْمٰی﴾ (ملہ ۲۰/۱۲۱)

”جس نے میرے ذکر سے منہ پھیرا اس کے لیے عک روزی ہے اور ہم اس کو قیامت کے دن اٹھا لھائیں گے۔“

اس سے آگے چل کر اپنے کلام کا جو رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ذکر کیا اور فرمایا۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد ۱۳، ۱۲۸)

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں نے اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑا۔ یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی لوگوں کا اطمینان ہے۔“

ذکر اشی کی قسم میں دعا، اور استغفار و تضرع بھی داخل ہیں۔ پس ذکر کی یہ پانچ اقسام ہوئیں۔

① کثرت درود کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس طرح پر درود شریف درود خواں کی کثرت محبت کا سبب ہے۔ ایسے ہی نبی ﷺ کی محبت کو اپنی جانب کر لینے کا بھی باعث ہے۔ یہ شخص نبی ﷺ سے محبت رکھتا ہے تو نبی ﷺ بھی اسے چاہیں گے۔

② درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیات قلب کا سبب ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ درود پڑھے گا اور ذکر مبارک اس کی زبان پر آئے گا۔ اسی قدر محبت بھی دل پر غالب آ جائے گی۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی شے ایسی باقی نہ رہ جائے گی جو آپ کے احکام کا معارضہ کرے یا آپ کی تعلیم پر شک ہونے دے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی ہدایات اور تعلیمات اس کے دل پر روشن تحریر کے ساتھ لکھی جاتی ہیں اور جس قدر وہ آپ کے احوال میں غور کرتا ہے۔ اتنا ہی گویا لوح دل کی اس تحریر کو پڑھتا رہتا اور اس سے ہمیشہ ہدایت و فلاح اور انواع علوم کا اقتباس کرتا رہتا ہے۔ اب جس قدر اس کی بصیرت بڑھتی اور قوت معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر زیادہ درود شریف کو پڑھتا رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم و عارفین سنت و ہدایت نبوی اور تابعین اداکام کی درود خوانی

اور ہے اور عوام کی (جو سنت سے سرتابی کرنا اور شور مچانا ہی جانتے ہیں) درود خوانی اور عارفین سنت تابعین ملت عالمین ہدایت کی درود خوانی اور ہی قسم کی ہے۔ کیونکہ ان کو جس قدر زیادہ تعلیم نبوی کی معرفت حاصل ہوتی جائے گی اسی قدر ان کی محبت بھی بڑھتی جائے گی۔ اور اسی قدر ان پر درود شریف کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے کھلتی جائے گی۔ اور اس حقیقت کا عرفان ہوتا جائے گا۔ یہی حال ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کا کہ جس قدر زیادہ بندوں کو عرفان ہو گا اور جس قدر زیادہ اس میں اطاعت اور محبت کا مادہ ہو گا۔ اسی قدر اس کے ذکر کو غافلین کے ذکر سے امتیاز حاصل ہو گا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو حس سے معلوم ہوتا ہے صرف خبر سے نہیں۔ دیکھو ایک تو وہ شخص ہے جو خوش محبت سے محبوب کی صفات کا ذکر اور اس کی ثناء و تعجید کرتا ہے جس کے دل پر محبت بے غنہ کئے ہوئے ہے۔ اور ایک وہ ہے جو صرف قرائن سے ذکر کرتا ہے۔ یا ایسے لفظ بولتا ہے جن کے معنی وہ نہیں جانتا۔ وہ تعریف کرتا ہے مگر زبان کے ساتھ دل موافقت نہیں رکھتا۔ ان دونوں میں جو تفاوت ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔ ٹھیک وہی فرق ہو گا جو اجرت پر رونے والی اور پسر مرہ پر رونے والی میں فرق ہوتا ہے۔

الغرض یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اور نبی ﷺ کی تعلیمات کی یاد اور اللہ تعالیٰ کی حمد اس نعمت پر کہ آپ کو ہمارا سردار بنایا اور آپ کی رسالت سے جملہ مخلوقات پر احسان عظیم فرمایا۔ زندگانی وجود اور حیات قلب ہے۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے۔

رَوْحُ الْمَخَالِسِ ذِكْرُهُ وَخَدْبُهُ
وَهَلْ لِي لِكُلِّ مُلْدَدٍ وَحَبْرَانِ

رَإِذَا أَضَلَّ بِذِكْرِهِ فِي مَجْلِسٍ
فَأَوَّلَنِكَ الْأَمْوَاتُ فِي الْحَبْرَانِ

مجلسوں کی جان ہے ذکر و احادیث رسول
بھولے بھگلوں کو اسی سے رہ ہدایت کا ملا

بیٹھ کر مجلس میں بھولے آپ کا جو ذکر خیر
اس کو یہ سمجھو کہ زندوں میں ہے اک مرد پڑا

(۶) درود خوانی ذریعہ ہے اس امر کا کہ درود خواں کا نام و ذکر نبی ﷺ کے حضور
میں کیا جائے اور اہل ایمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی
ہے کہ اس دربار عالی میں اس کا نام لیا جائے۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

وَمَنْ خَطَرَتْ مِنْهُ بِبَالِكَ خَطَرَةٌ
خَفِيٌّ بِأَنْ يَسْمُوَ وَأَنْ يَتَقَدَّمَ

اللہ سے رسائی طالع کہ آن وہ
میری طرف ہیں چشم عنایت سے دیکھتے

وہ ہر اشاعر کہتا ہے۔

أَهْلًا بِنَا لَمْ أَكُنْ أَهْلًا لِمَوْقَعِهِ

فَوَيْلُ الْمُبَشِّرِ بَعْدَ النَّاسِ بِالْفَرَجِ

لَكَ الْبَشَارَةُ فَأَخْلَعُ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ

ذَكَرْتُ ثُمَّ عَلَيَّ مَا فِيكَ مِنْ عَوَجٍ

”اگرچہ میں اس بات کے قابل نہیں تھا لیکن پھر بھی اس اعزاز کو خوش
آمدید کہتا ہوں کہ مجھے مایوسی کے بعد کشادگی کی خوش خبری ملی ہے۔“

”اس (حقیقت کے باوجود کہ آپ کی باتیں آپ کی کج روی مجھے نہیں بھولی
میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیں۔“

(۷) بل صراط پر قائم و ثابت قدم رہنے اور اس سے صاف گزر جانے کا سبب بھی

درود خوانی ہے۔ جیسا کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن سواد رضی اللہ عنہ
سے رسول اللہ ﷺ کے خواب کی روایت میں بیان کیا ہے کہ:

”میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو بل صراط سے گزر رہا تھا۔

بھی سرس کے بل چل پڑتا ہے اور بھی اس کے اوپر گر کر رہ جاتا ہے۔
اسنے میں میرے اوپر پڑھا ہوا درود پینچا اور اس نے اسے قدموں کے بل
کھڑا کر دیا۔ اور پارا کار دیا۔"

اس کو ابو موسیٰ مدینی نے روایت کیا ہے اور اسی پر اپنی کتاب ترفیب و تزییب کی
بنیاد ڈالی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی حسن ہے۔

⑤ درود کا پڑھنا نبی ﷺ کے ادائے حق میں داخل ہے۔ گو حضور کے حقوق کے
مقابلے میں یہ انتہائی کم ہے اور اس نعمت کی شکر گزاری میں شمار ہوتا ہے جو
نبی ﷺ کے مبعوث ہونے سے ہم کو ملی ہے۔ گو نبی ﷺ کے حقوق و استحقاق
اس قدر ہیں کہ ان پر کوئی شخص علم و قدرت اور ارادہ سے احاطہ نہیں کر
سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ بندوں کی جانب سے اس تھوڑی سی شکر
گزاری اور ادائے حق پر خوشنودی کا اظہار فرمادیا ہے۔

⑥ درود کا پڑھنا ذکر الہی اور شکر ربانی اور اس نعمت و احسان کی معرفت کا ضامن
ہے جو نبی ﷺ کی رسالت سے بندوں پر فرمایا ہے۔ پس درود خواں کے درود
میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور رسول کریم ﷺ کا بھی اور امتیاز بھی کہ اللہ
تعالیٰ ایسے رسول کی جزا اپنی بارگاہ سے وہ عطا فرمائے جس کے نبی ﷺ اہل و
شلیان ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے ہم کو اللہ کی معرفت اور اسماء و صفات کی
شناخت بتلائی اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات و خوشنودی کے طریق بتلائے اور لوگوں
کو خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے اور سامنے حاضر ہونے کے بعد ہمارے
ساتھ کیا کچھ معاملہ ہو گا۔ تو گویا درود تمام ایمان پر حاوی ہے اور اسی میں وجود
رب کا جسے درود خواں پکار رہا ہے اقرار بھی شامل ہے۔ اور علم و سمع قدرت و
ارادہ اور دیگر صفات و کلام و ارسال رسول کی شہادت و تسلیم بھی ہے اور اسی
میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا ان سب امور کی علم و تصدیق کا ضامن اور نبی
ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔ اس لیے یہ افضل اعمال بھی ٹھہرا۔

⑦ ہماری جانب سے نبی اکرم ﷺ پر درود کا پڑھا جانا گویا دعا ہے اور جو دعا و سوال

بندہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1) اپنی شہ روزی حاجات و صمات کا سوال۔ پس یہ دعاء سوال تو بندہ کی جانب سے اپنے ہی مطلوب تک ہے۔

2) یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل کی ثناء فرمائے اور اس کی شرف و تکریم کثرت سے کرے اور نبی ﷺ کے ذکر کو وسعت و رفعت دے اور کچھ شک ضمیمہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے پسند کرتے ہیں۔ گویا درود خواں نے اپنے سوال و رغبت و طلب کو اللہ و رسول کی پسندیدگی کی طرف پھیر دیا ہے اور اپنی حاجات کو اس پر شمار کر دیا ہے اور یہی امر اس کے نزدیک جملہ امور سے زیادہ محبوب بن کر دل میں گھر کر گیا ہے۔ پس اس نے اپنی ضروریات و حاجات کو اللہ اور رسول پر قربان کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کی پسندیدگی کو ماسوا سے فائق ٹھہرایا ہے۔ چونکہ عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کو غیر سے ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو غیر پر ترجیح دیتا ہے۔ تم اس کی مثل بادشاہوں اور رئیسوں کے پاس رہنے والے لوگوں میں تلاش کرو کہ جب وہ تقرب و منزلت کے خواستگار ہوتے ہیں تو حاکم سے اس کے محبوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے اور جس قدر وہ اس کے محبوب کے اکرام و شرف کے بارے میں عرض کرتے رہتے ہیں اسی قدر ان کا درجہ بڑھتا رہتا ہے اور قرب و منصب پاتے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ دیکھا کرتے ہیں کہ حاکم کے دل میں اپنے محبوب کی تشریف و تکریم و انعام کے کیسے کچھ ارادے ہیں۔ اس لیے ان ارادوں کی تائید میں جو شخص ایسی گفتگو کرتا ہے کہ ہاں ضرور اس محبوب پر انعام و احسان ہونا چاہیے۔ وہی حاکم کو نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے۔ اگر تم یہ چاہو کہ اس شخص کا درجہ جو خاص اپنے لیے سوال کرتا ہے اور اس شخص کا درجہ جو خود حاکم کے ارادوں کی تائید میں اس کے محبوب پر انعام و احسان کے لیے کتا ہے برابر ہو جائے تو یہ بالکل لفظ ہے۔ اس مثال کو سمجھ کر پھر متلاؤ کہ جو شخص محبوب ترین سبحانی اور سزاوار ترین عنایات ربانی کا اعلیٰ درجہ کا محب و جان نثار اور

مداح ہے، اس کا کیا درجہ ہو گا۔ بے شک اگر درود خوانی میں اور کچھ فائدہ نہ ہوتا۔
بجز اس ایک مطلوب کے تب بھی مومن کے لیے شرف و عزت کے اعتبار سے یہی
کافی ہے۔ اس مقام پر ایک نکتہ، حسد بھی لکھا جاتا ہے اور جو شخص امت محمدیہ کو دین
سکھاتا، تعلیمات نبویہ سے آگاہ کرتا اور احکام الہی کی جانب بلاتا۔ پیروی کے لیے
اٹھاتا اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں ان پر صبر کرتا ہے۔ یہ نکتہ اسی کے کام کا ہے۔
وہ یہ ہے:

کہ نبی اکرم ﷺ کو علاوہ اپنے عمل پر اجر عطا ہونے کے آپ کی امت میں جس
قدر لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے اعمال کا بھی پورا اجر ملے گا۔
اب جو شخص لوگوں کو سنت و دین محمدی کی جانب بلاتا ہے اور امت کو خیر کی
تعلیم دیتا ہے اور اگر اس کا یہ کام اس نیت سے ہو کہ نبی ﷺ کے حصہ میں توقیر ہو
جائے اور ہدایت یافتگان کے اعمال کے بہتر بدلے کے موافق نبی کے اجر میں ترقی
ہو۔ آگواں کے اعمال میں سے کچھ کم نہ ہو گا، تو ان شاء اللہ اس شخص کو بھی خلقت
کی اس دعوت و ارشاد کا اجر اسی نیت کے موافق ملے گا۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ



باب ششم

نبی ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ و سلام کا ذکر

واضح ہو کہ انبیاء اور مرسلین کے لیے صلوٰۃ و سلام کا اطلاق ہوا ہے۔ لفظ سلام کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿وَمَرْكَنًا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ (الصافات/۳۷-۷۸)

”چھوڑا ہم نے پچھلے لوگوں میں اس پر سلام اور نوح کے دونوں جہان میں ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔“

فرمایا:

﴿وَمَرْكَنًا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۖ﴾ (الصافات/۳۷-۱۰۸، ۱۰۹)

”اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم (علیہ السلام) پر۔“

﴿وَمَرْكَنًا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَى مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ﴾ (الصافات/۳۷-۱۱۹، ۱۲۰)

”اور ہم نے بعد کی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔ سلام ہے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر۔“

فرمایا:

﴿سَلَّمَ عَلَىٰ إِلَٰهَائِمِيقِينَ ۖ﴾ (الصافات/۳۷-۱۲۰)

”سلام ہے الیاس علیہ السلام ہے۔“

ان آیات سے واضح ہے کہ انبیاء و مرسلین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام ہے اور بندوں کو بھی ان پر سلام کا حکم ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے جس میں قتادہ و مجاہد بھی ہیں ’سلام سے مراد ثناء حسن اور لسان صدق کی ہے۔ لیکن دونوں ایک ہی قول ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ بعد میں ان کے لیے سلام چھوڑا گیا۔ وہ تو نفس سلام کو مراد رکھتا ہے اور چونکہ «سلام علی نوح» جملہ ہے موعود نصاب میں «نوح» کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عالم حضرت نوح اور انبیاء مابعد پر سلام بھیجتے ہیں اور جس نے لسان صدق و ثناء حسن سے تفسیر کی ہے ’اس نے سلام کے لوازم و موجبات کو لے لیا ہے۔ یعنی ان کی صفت و ثناء کرنا اور جب ذکر آئے تو سلام بھیجنا اور یہی مراد لسان صدق سے ہے۔ ایک گروہ ابن عطیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر یہاں اسلام کی تفسیر ثناء حسن و لسان صدق سے کی گئی تو اس حالت میں «سلام علی نوح علی الغائبین» جملہ ابتدائیہ ہو گا جس کا اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں۔ یہ تو اللہ کا سلام ہے جو ان پر کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سلام تو ہر دو عالم میں نوح علیہ السلام کے لیے امن ہے کہ ہر شخص اس کو یاد رکھے۔ یہ طہرائی کا قول ہے اور اس کو یہ تقویت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تعلق اخروی اور عالمین سے بتلایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ان پر ثناء حسن کو باقی رکھا ہے۔“

مگر یہ قول چند وجوہ سے ضعیف ہے:

(۱) اس سے لازم آتا ہے کہ «نوح» کا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ بریں تقدیر کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے پچھلوں میں سے اس پر چھوڑا۔ مگر نہیں بتلایا کہ کیا۔ کیونکہ اس قائل کے نزدیک لفظ سلام تو ماقبل سے منقطع ہے اور فعل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اگر مفعول حذف کیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ دوسری جگہ اس کا ذکر بھی کیا جاتا تاکہ حذف ہو کر اپنی مراد پر دلالت کرتا رہتا سب جگہ ہی حذف جائز نہ رکھا جاتا۔

قرآن مجید بلکہ ہر ایک کلام فصیح کا طریق بھی یہی ہے کہ ایک شے کا ایک جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اسے حذف کیونکہ محذوف پر مذکور کی دلالت رہتی ہے۔ قرآن مجید میں بسا مقامات پر تو ذکر پایا جائے گا اور حذف کم۔ لیکن یہ صورت بالکل حذف ہی ہو اور ذکر ایک جگہ بھی نہ ہو اور کوئی لفظ اس پر دلالت بھی نہ کرے۔ یہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

③ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں «وَنُوحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ» نصب کے ساتھ ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ خود سلام ہی باقی پھوڑا گیا ہے۔

④ اگر سلام کو عبارت ماقبل سے منقطع سمجھیں تو یہ فصاحت و جزالت کلام میں خلل پیدا کرتا ہے اور جو خوبی ماقبل سے متعلق رکھتے ہیں وہ جاتی رہتی ہے۔ تم ذرا تامل کرو کہ جب سامع «وَنُوحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ» سنے گا تو اس کی کیا حالت ہوگی اور اس کے دل میں پورا ہلکا ہونے اور خبر معلوم کرنے کا کس قدر شوق ہوگا اور کیسی لچکاوٹ سے چاہے گا کہ سیوہ نتیجہ چکھ لیں۔ لیکن اگر یہ سمجھ لیں کہ کلام تمام ہو گیا تب کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور سامع کا شوق اتمام کے لیے ویسا ہی باقی رہتا ہے اور شے متروک کی دریافت کی لگن لگی رہتی ہے۔ پس آخرین پر وقف تمام نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ اس باب کا مفعول حذف کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں ترک بمعنی اعطی ہے اور باب اعطی سے جائز ہے کہ دونوں مفعول حذف کر دیئے جائیں یا دونوں بیان کیے جائیں یا ایک حذف کر دیا جائے۔ مثلاً «اغْطِ بِكَ الْكَوْنُ» میں دونوں مفعول ہیں اور «فَلَمَّا مَنَ اعْطَى» میں دونوں حذف ہیں۔ «وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ» میں ایک کا ذکر کر کے دوسرا حذف کر دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اعطی فعل مدح ہے۔ جس سے عطا کنندہ کی عطا کا عطا یافتہ کو ماننا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ہر دو مفعول کا ذکر یا حذف یا ایک کا حذف جائز رکھا گیا ہے۔ تاکہ فعل سے جس قدر غرض مطلوب ہو اسی قدر ظاہر کرے۔ یعنی اگر مقصود یہ ہے کہ مابیت اعطاء کی اطلاع دی جائے جو بندہ کو بخل و شح سے جدا کرنے والا اور منافی احسان سے روکنے والا ہے۔

تب تو صرف فعل لایا جاتا ہے۔ فرمایا ﴿لَمَّا مَنَّ عَلَيْنَا﴾ (اس میں یہ نہیں بتلایا کہ کیا چیز دی) ادعاء قنوت میں ہے۔ ﴿لَا مَنَعَ لِمَا أَغْفِیْتَ وَلَا مَنَعَتْ لِمَا مَنَعْتَ﴾ چونکہ ان الفاظ سے مقصود عطا و منع میں اللہ تعالیٰ کا تفرد و یکتائی ثابت کرنا تھا۔ اس لیے مختص عطا یافتہ اور چیز عطا شدہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ذکر کرنا بلاغت اور کمال معنی میں غفل انداز تھا اور جہاں یہ مقصود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کسی عطیہ کے پانے میں ظاہر کی جائے وہاں دونوں مفعول بیان کئے۔ کیونکہ ﴿إِنَّا أَغْفِیْزُكَ الْكَذِبُ﴾ فرمانے کے بغیر مقصود پر رات ہو سکتا تھا۔ اہل ہاد کے قول میں فرمایا ﴿وَلَمْ نَكُ نَنْظَعُ الْمُنْكَحِیْنَ﴾ یہاں مقصود یہ تھا کہ اہل ہاد نے بخل کیا اور مستحقین کو حق نہ پہنچایا۔ اس لیے منکحین کا ذکر فرمایا اور ذکر مطعوم چھوڑ دیا۔ قرآن مجید کے اس طریق پر جو کوئی غور کرے گا اور دیکھے گا کہ کیونکر اہم مقصود کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اسے ابواب اعجاز میں سے ایک باب ملے گا اور کمال فصاحت کا دروازہ اس پر کھل جائے گا۔

ربا فعل ترک۔ اسے ان میں کوئی بات حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ طرح
 نہیں کی اور اگر یوں کہیں کہ فلان «بترک» تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا چیز مگر یہ
 کہہ سکتے ہیں کہ «فلان يعطی» اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی معطی ایک اسم ہے۔ لہذا
 ترک کا قیاس اعطی پر کرنا بہت غلط قیاس ہے اور «سلام علی نوح فی الغالبین» تو
 جملہ محکیہ ہے۔ زنجشری کا قول ہے کہ آخری اسم میں جو کلمہ ان پر چھوڑا گیا ہے وہ
 سلام بر نوح ہے۔ یہ کلام محکی ہے۔ جیسے کوئی کے قرأت سورة الرساھا

۵۔ اللہ تعالیٰ نے «سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ هٰی الْعَالَمِیْنَ» فرمایا ہے۔ پس وہ سلام کی ہو سکتا ہے جو سب ان پر بھیجتے ہیں اور ان کی شعا کرتے ہیں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا سلام وہ عالمین کے اندر مقید نہیں۔ اسی لیے یہ بھی مشروع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے یوں سوال کیا جائے کہ «اللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی رَسُوْلِكَ هٰی الْعَالَمِیْنَ» لیکن اگر یہ سلام اللہ کا سلام ہو تا تو ضرور اس طریق پر اللہ سے اس کا طلب کیا جانا مشروع بھی ہوتا۔

رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عالمین میں سلام کیا اور آخر میں باقی

چھوڑا۔ سو اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاء و رسل پر سلام اور ثناء حسن پس آئندہ کان میں باقی رکھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پروردگار کے احکام کو پہنچایا اور اللہ کی راہ میں تکلیف و اذیت کو برداشت فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کچھ ان کے لیے رکھا گیا ہے۔ وہ جملہ عالمین میں عام ہے اور یہ تحیت ایسی ہے جس سے کوئی قوم خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تحیت کو ملائکہ اور جن و انس میں مداومت بخشی ہے اور ہر طبقہ و ہر زمانہ میں ان کے صبر اور قیام برحق کی جڑ عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کی طرف بھیجا اور باقی ہر ملین ان کے دین پر مبعوث کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا ﴾ (النور ۱۲/۱۳)

”تمہارے لیے دین میں وہی مشروع کیا جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو کی تھی۔“

ربا ان کا یہ گنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سو انہوں نے سلام سے ثناء حسن اور لسان صدق کے حرا دلینے میں گویا سلام کے معنی اور فائدہ کو بیان فرما دیا ہے۔ ربا انبیاء پر صلوٰۃ کا ہونا۔ اس کے متعلق اسمعیل نے سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوا عَلَى أَنْبِيَائِ اللَّهِ وَرُسُلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يَغْنُثُهُمْ كَمَا يَغْنُثُنِي»

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یا بقول انس رضی اللہ عنہ من ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث ہے۔

حافظ ابوموسیٰ مدنی کہتے ہیں کہ:

”مجھے اسناد کے ساتھ بعض سلف سے پہنچا ہے کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو

خواب میں دیکھا۔ گویا شکایت کر رہے ہیں کہ ان کی اولاد ان پر درود کم بھیجتی

ہے۔ اَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

ایک سے زیادہ علماء نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ جملہ انبیاء پر صلوٰۃ مشروع

ہے۔ شیخ امام نووی بھی ان میں سے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت بیان کی گئی

ہے کہ:

”ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے کے لیے صلوٰۃ نہیں۔“
 اصحاب مالک نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جس طرح پر ہم کو نبی ﷺ پر صلوٰۃ
 کا علم دیا گیا ہے۔ اس طرح دیگر انبیاء کے لیے ہم کو حکم نہیں دیا گیا۔
غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا مسئلہ: اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیر انبیاء
 پر صلوٰۃ کا استعمال فرماتے تھے۔

جن کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ واجب ہے۔ آل پر واجب ہونے
 کے بارے میں ان کے دو مشہور قول ہیں اور یہ دونوں طریقے شافعیہ کے ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر درود واجب ہے اور آل پر وجوب کے بارے میں امام شافعی
 دہجہ کے دو قول ہیں۔ یہ طریقہ تو امام الحرمین اور امام غزالی رحمہما کا ہے۔

(۲) آل پر وجوب کی دو وجوہ ہیں اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مشہور ہے اور جنہوں
 نے اس کی تصحیح کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آل پر درود واجب نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب بھی آل پر وجوب صلوٰۃ میں مختلف ہیں اور دو وجوہ بیان
 کرتے ہیں اور اگر آل کی جگہ لفظ اہل بدل دیا جائے اور **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ**
اٰہْلِ مُحَمَّدٍ کہا جائے تو اجزاء میں دو وجوہ ہیں۔

بعض شافعیہ نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے کہ صلوٰۃ آل پر مستحب ہے مگر
 اس بارہ میں کوئی اجماع ثابت نہیں۔

صرف آل پر درود ہو سکتا ہے یا نہیں: اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ** کہا جائے۔ یہ صورت جواز ہے۔ کیونکہ آل میں
 نبی ﷺ بھی داخل ہیں اور گو یہاں لفظی طور پر آپ کا ذکر مبارک نہیں ہوا
 مگر معنی میں حضور ﷺ شامل ہیں۔

(۲) آل اطہار میں سے کسی ایک کا منفرد ذکر کیا جائے اور **صَلِّ عَلٰی عَلٰی عَلٰی**
عَلٰی حَسَنِ وَ صَلِّ عَلٰی حُسَيْنٍ بِاٰہِطِہِ (وَصَلِّ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ) وغیرہ کہا جائے تو
 اس بارے میں اختلاف ہے۔

آل کے سوا اوروں پر صلوٰۃ: اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے مکروہ سمجھا ہے اور فرمایا کہ گذشتہ زمانہ میں یہ عمل نہ تھا امام ابو حنیفہ و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوری و طاہس (رحمہم اللہ) کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن عباس رحمہم اللہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ شایاں نہیں۔ اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ مکروہ سے ابن عباس رحمہم اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ۔

”نبی اکرم ﷺ کے سوا صلوٰۃ کی صلاحیت دوسرے کو نہیں۔ ہاں مسلمان و مسلمات کے لیے دعا و استغفار ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز (مجدد اول) کا مذہب بھی یہی ہے۔ انہوں نے فرمان تحریر فرمایا تھا کہ قصہ خواں اور داستان گو لوگوں نے یہ بدعت نکال لی ہے کہ ملوک اور امراء کے لیے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے۔ اس تحریر کو دیکھ کر حکم دیا جائے کہ صلوٰۃ انبیاء کے لیے اور دعاء عام مسلمانوں کے لیے کرنی چاہیے۔ اصحاب شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر اس مسئلہ میں ان کے ہاں تین صورتیں ہیں۔

① ایسا کرنا منع تحریمی ہے۔

② مکروہ تنزیہی ہے۔

③ صرف ترک ادبی ہے۔

اذاکار میں امام نووی رحمہ اللہ نے اسی کو ذکر کیا ہے۔ لیکن جس پر اکثر کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

کیا سلام بمعنی صلوٰۃ ہے: ایک گروہ نے جس میں سے ابو محمد جوینی ہیں «السلام علی فلان یا فلان علیہ السلام» کہنے کو مکروہ سمجھا ہے اور علی علیہ السلام یا حسن علیہ السلام کہنے میں کراہت بیان کی ہے۔ مگر اور لوگوں نے صلوٰۃ و سلام میں فرق سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلام تو ہر ایک مومن کے لیے زندہ ہو یا مردہ حاضر ہو یا غائب مشروع ہے۔ چنانچہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دینا۔ سلام تو تحیت اہل اسلام ہے۔ برخلاف صلوٰۃ کے جو رسول اور آل رسول (علیہ الصلوٰۃ

والسلام) کے حقوق میں سے ہے۔ دیکھو نمازی نماز میں «السلام غلبنا و غلبنا علی عباد اللہ الصالحین» تو پڑھتا ہے مگر «الضلالة غلبنا و غلبنا علی عباد اللہ الصالحین» کبھی نہیں پڑھتا ہے۔ اس سے سلام اور صلوٰۃ میں فرق معلوم ہو گیا۔ اس قول کی حجت چند وجوہ سے یہ ہے۔

- ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو ابھی لکھا جا چکا ہے۔
- ② نبی اکرم ﷺ و آل پاک کے سوا غیر پر صلوٰۃ کا استعمال اہل بدع کا شعار ہے۔
- ③ سلف امت کا اس پر عمل نہ ہونا جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے حجت پکڑی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو وہ ضرور اس پر سبقت کرتے۔
- ④ زبان امت پر لفظ صلوٰۃ کا یاد آوری، نبی ﷺ کیلئے مخصوص ہونا۔ یعنی جس طرح اللہ پاک کے نام کے ساتھ عزوجل یا سبحانہ و تعالیٰ مخصوص ہو گئے ہیں اور کوئی شخص محمد عزوجل یا نبی سبحانہ و تعالیٰ نہیں بولتا اور جانتا ہے کہ خالق کا درجہ حقوق کو نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح شایان نہیں ہے کہ نبی ﷺ کا درجہ غیر کو دیا جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اور کسی کو ﷺ نہیں کہا جائے گا۔
- ⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ لِنَفْسِكُمْ تَكْذُوبًا﴾ بغضکم بغضا ﴿﴾ جب اس سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اوروں کی طرح پکارنا نہ چاہیے تو صلوٰۃ میں بھی اور کا حصہ نہ چاہیے۔
- ⑥ امت کے لیے مشروع یہ ہے کہ نماز میں صالحین پر سلام کریں اور اس کے بعد نبی ﷺ پر صلوٰۃ۔ اس سے واضح ہے کہ صلوٰۃ نبی اکرم ﷺ کا ایسا حق ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔
- ⑦ قرآن مجید میں جس مقام پر صلوٰۃ بر نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے۔ اس موقع پر حضور ﷺ کے دیگر حقوق اور خواص جو ذات مبارک سے ہی خصوصیت رکھتے ہیں، بیان فرمائے گئے ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ نبی ﷺ کا ہی ایک خاص حق ہے اور آل بھی اس میں آپ کی تابع ہے۔
- ⑧ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لیے

دعا مانگیں استغفار کریں۔ حیات و ممات کے بعد ایک دوسرے پر رحم کریں۔ نیز مشروع فرمایا کہ اپنے آقائی اکرم ﷺ پر آپ کی حیات میں نیز بعد حیات صلوٰۃ پڑھا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا مسلمانوں کا حق ہے اور صلوٰۃ نبی اکرم ﷺ کا۔ ایک کی جگہ دوسرے کے لیے نہیں، نماز جنازہ دیکھو کہ میت کے لیے دعا مانگی اور سوال بخشش و رحمت کیا جاتا ہے۔ مگر صلوٰۃ اس پر کوئی نہیں بھیجتا اور «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى عَلِيٍّ وَ عَلِيٍّ وَ عَلِيٍّ» کوئی نہیں کہتا۔ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و درود پڑھا جاتا ہے اور اس کے عوض «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَ اَوْحَدُهُ» نہیں بولا جاتا۔ غرض ہر ایک ہمدار کو اس کا حق دینا چاہیے۔

⑨ مومن کو بہت بڑی حاجت ہے کہ اس کے لیے مغفرت و رحمت اور عذاب سے دعائے نجات کی جائے۔ مگر نبی اکرم ﷺ ایسی دعا کے محتاج نہیں۔ آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر احسان ہے کہ وہ اس درود خوانی سے کرامت و شرافت حاصل کر سکیں۔ برخلاف امت کے جس کا ہر فرد بجائے خود دوسرے کی دعاء مغفرت و رحم کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع نے اہل ایمان کو ان کے درجہ پر ٹھہرایا اور جنتاں نبی کا منصب علیا نبی ﷺ کے لیے ہی خاص رکھا۔

⑩ اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر اطلاق صلوٰۃ ہو سکتا ہے تو یا تو اس ایک خاص امتی کی خصوصیت سمجھی جائے گی یا ہر ایک مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز ہو گا۔ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ تخصیص بلا تخصیص ہے۔ اگر عدم خصوصیت کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ جس کو دعا کا حق حاصل ہے اسے صلوٰۃ کا بھی ہے تو اس میں کل مسلمان شامل ہوں گے۔ حتیٰ کہ اہل کبائر بھی اور «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى عَلِيٍّ وَ عَلِيٍّ وَ عَلِيٍّ» کی جگہ ان کو «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى عَلِيٍّ» کہنا بھی درست ہو گا۔ لیکن یہ محض باطل ہے۔ اگر صرف صالحین کے لیے جائز ہو گے تو نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور نہ اس کا کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا صالح یا غیر صالح ہونا ایک ایسا وصف ہے جو نفع و

فصل سب کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر کون سا رابطہ ہے کہ امت میں سے فلاں شخص پر صلوٰۃ بھیج سکتے ہیں اور فلاں پر نہیں۔

فرض ان دس وجوہ سے صلوٰۃ کا نبی اکرم ﷺ سے مخصوص (آل نبی حضور کی تبعیت میں ہیں) ہونا معلوم ہو گیا۔

جن لوگوں کو اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی و آل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غیر پر بھی صلوٰۃ جائز ہے۔ اس کو قاضی ابو نعیم بن فراء نے رو دس مسائل میں بیان کیا ہے اور یہی قول حسن بصری و نصیب و مجاہد و مقاتل بن سلیمان و مقاتل بن حیان اور اکثر اہل تفسیر کا ہے اور یہی قول امام احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ روایت ابو داؤد میں اسی پر نص کیا ہے۔ چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے ۱۲ دوسرے پر بھی صلوٰۃ شایاں ہے۔ کہا کیا علی بن ابی طالب نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہ کہا تھا «صلی اللہ علیک» کہا یہ قول اسحاق بن راہویہ ابو ثور اور محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ ابو بکر بن ابو داؤد نے یہی قول اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ قاضی ابو نعیم کہتے ہیں کہ اسی پر عمل ہے۔ ان کی حجت کی بھی بعض وجوہات ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾

(التوبہ/۹۰۳)

”اے نبی (ﷺ) تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں برحق اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو۔“
اس میں حکم ہے کہ امت سے صدقہ وصول کریں اور ان پر صلوٰۃ بھیجیں اور ظاہر ہے کہ خلفاء و ائمہ نبی ﷺ کے بعد صدقہ وصول کیا کرتے تھے جس طرح خود آپ وصول فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے بھی مشروع ہے کہ صدقہ دہندہ پر صلوٰۃ بھیجیں جیسے نبی اکرم ﷺ ان پر بھیجا کرتے تھے۔

② صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رحمہ اللہ سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب

کوئی قوم صدقہ لے کر آئی تو فرمایا کرتے «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ ابْنِ فُلَانٍ»

چنانچہ میرا باپ صدقہ لے کر آیا تو فرمایا «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ ابْنِ اَوْفَى» اور اصول یہ ہے کہ اس کو خاص نہ کیا جائے اور آیت بالا سے بھی یہی مراد ہے۔
 ⑤ حجاج نے سند کے ساتھ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر صلوٰۃ فرمائیے۔ فرمایا «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى ذَوْحِكَ» اس کو امام احمد نے اور سنن میں ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

⑥ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ کفائے گئے تھے۔ جب قریب آپہنچے تو فرمایا

«صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ مَا اَلْفَى اِلَى اللّٰهِ بِصِحِّقَتِهِ اَخْبَث اِلَى مَنْ سَرَّ هَذَا الْمُنْحَى يَنْتَكُم»

”اللہ تجھ پر صلوٰۃ بھیجے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نامہ اعمال لے کر نہیں ملا جو مجھے اس کفائے ہوئے سے زیادہ محبوب ہو۔“

⑦ اسماعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ پر تکبیر کہتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے اور پھر گما کرتے:

«اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاعْفِرْ لَهُ وَآوِرْهُ حَوْضَ نَبِيِّكَ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

”اے الٰہی! اس میں برکت دے۔ اس پر صلوٰۃ بھیج۔ اسے بخش دے اور نبی اکرم ﷺ کے حوض پر اسے وارو کر۔“

⑧ صلوٰۃ تو دعا ہے اور دعا کے لیے قلم و اجازت ہے۔ یہ دلیل ابوالحسنین کی ہے۔

⑨ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا جب مومن کی روح نکلتی ہے اسے دو فرشتے ملتے ہیں جو اوپر لے جاتے ہیں۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پاکیزہ خوشبو کا ذکر کر کے کہا۔ اور آسمان کے باشندے کہتے ہیں۔ پاک روح

ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر اور تیرے جسم پر جسے تو نے آباد رکھا صلوة ہو۔

حدیث کو امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موقوفاً ذکر کیا ہے۔ سیاق حدیث مرفوع ہونے پر دلائل رکھتا ہے۔ کیونکہ یوں ہے کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی سزا اور لعنت کا ذکر کیا تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسے لے جاؤ (جہنم میں) آخر وقت (قیامت) تک۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک باریک کپڑا اپنی ناک پر ڈال لیا (یعنی سزا کے ذکر پر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔

ایک جماعت نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان میں سے ابوسلمہ و عمر بن حکم۔ اسماعیل و سعید بن یسار وغیرہ ہیں۔ اس حدیث اور اس کے امثال پر پوری بحث کتاب الروح و النفس میں ہے۔

حدیث بالا میں دلیل یہ ہے کہ جب فرشتے روح مومن کو «صَلَّى اللہُ عَلَيْكَ» کہتے ہیں تو مومنین کو باہم کہنا بھی جائز ہے۔

⑤ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّونَ عَلَیْ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرِ»

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِی یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُهُ﴾ (الاحزاب ۴۳/۴۴)

”وہ صلوة بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔“

⑥ ابو داؤد میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّونَ عَلَیْ مَبِیْنِ الصُّفُوفِ»

”اللہ اور فرشتے صف کی داہنی طرف پر صلوة بھیجتے ہیں۔“

دوسری حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصَلُّونَ الصُّفُوفَ»

”اور فرشتے ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں جو صفوں کو طاعتے ہیں۔“

شروع کتاب میں وہ حدیث لکھی جا چکی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ درود خواں پر ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

① قاضی ابویعلیٰ نے اس حدیث مرسل سے حجت پکڑی ہے۔

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى عَلِيٍّ عُمَرَا فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى عُثْمَانَ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى أَبِي عُبَيْدَةَ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى عُمَرُو بْنِ الْعَاصِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ»

”اے علی! ابو بکر و عمر، عثمان، علی، ابو عبیدہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر صلوٰۃ بھیج۔ کیونکہ یہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔“

② مؤطا میں عبد اللہ بن زید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

”میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ قبر نبوی پر کھڑے ہوتے اور نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ بھیجتے۔“ (ایہ لفظ نبی بن یحییٰ کے ہیں۔)

③ صلوٰۃ بر ازواج حدیث میں آپکا ہے اور یہ حدیث ان لوگوں پر حجت ہے جو ازواج کو آل میں جن پر صدقہ حرام ہے داخل نہیں کرتے۔ پس جب صلوٰۃ ان پر جائز ہے تو دیگر صحابہ پر بھی جائز ٹھہرا۔

④ ابویعلیٰ موصلیٰ نے سند کے ساتھ زید بن ثابت رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا سکھائی اور حکم دیا کہ اپنے اہل کو بھی ہمیشہ پڑھنے کے لیے کہیں اور خود بھی اٹھ کر پڑھا کریں۔

«لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ - لَيْتَكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ»

وَمِنْكَ وَالْيَكْ - اَللّٰهُمَّ مَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ اَوْ نَدَرْتُ مِنْ نَذْرٍ
وَحَلَفْتُ مِنْ حَلْفٍ فَشَيْئُكَ بَيْنَ يَدَيْهِ مَا شِئْتُ مِنْهُ كَانَ وَمَا
لَمْ نَشَاءْ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ - اَللّٰهُمَّ وَمَا صَلَّيْتُ مِنْ صَلٰوةٍ فَعَلٰى مِنْ صَلَاتٍ
وَمَا لَعَنْتُ مِنْ لَعْنٍ فَعَلٰى مِنْ لَعْنَةٍ - اَنْتَ وَلِيُّ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ تَوَفِّيْ مُسْلِمًا وَآلِحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

”حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں“ حاضر ہوں اور فرمانبردار ہوں“ تمام بھلائیوں
تیرے ہاتھ میں ہیں اور تجھ سے اور تیری جانب ہیں۔ یا اللہ! جو قول میں نے
کما اور جو نذر میں نے مانی یا جو حلف میں نے کیا۔ سو تیری مشیت اس کے
آگے ہے۔ جو تو نے چاہا وہ ہوا۔ جو نہ چاہا نہ ہوا۔ نیکی کرنے اور بدی سے
بچنے کی توفیق تیری طرف سے ہے۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ یا اللہ! جس پر
میں نے صلوٰۃ بھیجی“ یہ وہی ہے جس پر تو نے بھیجی۔ اور جس پر میں نے
لعنت کی“ یہ وہی ہے جس پر تو نے کی۔ تو دنیا و آخرت کا ولی ہے مجھے اسلام پر
وفات دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔“

وجہ استدلال اس دعا سے یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ
م شروع نہ ہوتی۔ تب اس سے اشتناء صحیح نہ ہوتا کیونکہ جب بندہ اس پر صلوٰۃ کرتا
ہے جو اہل و مستحق ہے تو پھر اشتناء کیا کرے گا۔

گروہ اول کہتا ہے کہ جو دلیلیں تم نے بیان کی ہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ان
دلائل کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم: صحیح جس کا محل نزاع سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لیے وہ ہم پر حجت نہیں۔
دوسری قسم: وہ ہے جس کی صحت معلوم نہیں۔ اس لیے وہ بھی حجت نہیں ہو سکتی۔
یہ امر تم پر بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ جب ہر ایک دلیل کے متعلق بیان کیا جائے گا۔
تمہاری دلیل اول قرآن مجید کا لفظ صَلَّیْ عَلَیْہِمْ ہے۔ لیکن اس پر تو بحث نہیں۔
کیونکہ بحث یہ تھی کہ آیا امت کو نبی اکرم ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ بھیجنا مشروع

ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں یہ پیش کرنا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ کیونکہ اصلی جواب ہو سکتا ہے۔ یہ تو مسئلہ ہی جدا ہے۔
 پہلا مسئلہ جس پر بحث ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جس صلوٰۃ کا حکم ہم کو دیا گیا ہے۔ آیا اس صلوٰۃ میں کوئی اور شخص بھی نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ صلوٰۃ نبی ﷺ کا حق ہے۔ جس کا ادا کرنا اور جس کی ادائیگی پر قائم رہنا امت پر متعین کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو اختیار ہے کہ اپنے حق کے اندر کسی کو مخصوص فرمالیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی نبی ﷺ کو گلی دے یا ایذا پہنچائے۔ اس کو قتل کر ڈالنا آپ کا ایک حق ہے۔ جو امت کو ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن خود نبی ﷺ ایذا دہندہ کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپ کو ایذا تکلیف پہنچتی تو فرمایا کرتے۔

”اللہ رحم کرے موسیٰ علیہ السلام پر۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔“

دوسری دلیل جس میں آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ اور تیسری دلیل جس میں ایک عورت اور اس کے شوہر پر صلوٰۃ کا ذکر ہے کا بھی یہی جواب ہے۔
 رہی چوتھی دلیل کہ علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صلی اللہ علیک کہا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

① جعفر بن محمد سے راویان حدیث نے روایت میں اختلاف کیا ہے۔ انس بن عیاض کی روایت میں یہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور سر پر رکھا گیا تو علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی ثناء کی۔ الخ۔ محمد اور یحییٰ نے اسی طرح روایت کی ہے اور لفظ «صَلَّى اللہُ عَلَیْکَ» روایت نہیں کیا۔ ورقاء بن عمرو اور سلیمان بن بلال اور یزید ہارون کی روایتوں میں بھی یہ لفظ نہیں۔ عون بن ابی جحیفہ کی روایت میں رَحِمَکَ اللہُ کا لفظ ہے۔ عمار بن الفضل نے سند کے ساتھ ایوب اور عمرو بن دینار اور ابی جحیفہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں لفظ صلوٰۃ نہیں۔ اسی طرح قیس بن ربیع نے روایت کی ہے۔

② ابن سعد نے اس حدیث کی سند بیان نہیں کی۔ بلکہ طبقات میں یوں کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہم کو سفیان بن عیینہ سے خبر دی کہ میں نے اس حدیث کو سفیان سے سنا ہے اور اس میں **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ** کا لفظ ہے۔ سو یہ مبہم ہے اور ممکن ہے کہ وہ محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے حجت نہیں۔

③ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے بھی مخالف ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ جائز نہیں ہے۔

ری تمساری پانچویں دلیل یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواز میں اللہم صل علیہ پڑھنا اس کا جواب چند وجوہات سے یہ ہے:

① نافع بن ابی نعیم حدیث میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ مگر قرأت میں امام ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان سے قرآن لے لینا چاہیے اور حدیث میں کچھ نہیں۔ اس روایت کے محفوظ نہ ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت نہیں کیا۔ بلکہ ایک اثر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پس اگر یہ روایت حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کے پاس ہوتی تب امام مالک یہ نسبت ابن ابی نعیم کے زیادہ واقف ہوتے۔

② قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے خلاف ہے۔
ری چھٹی دلیل کہ صلوٰۃ دعا ہے اور دعا ہر ایک مسلمان کے لیے مشروع ہے۔ اس کا جواب چند وجوہات سے یہ ہے:

① یہ دعا مخصوص ہے اور صرف رسول اللہ ﷺ کے واسطے اس کا حکم ہے۔ دعا و صلوٰۃ میں وہی فرق عظیم ہے جو امتی اور رسول میں ہے۔ مدعو (رسول) کے ساتھ الحاق صحیح نہیں تو دعائے مخصوص (صلوٰۃ) کے ساتھ بھی الحاق صحیح نہیں۔

② صلوٰۃ پر دعا کا قیاس صحیح نہیں جیسے رسول پر غیر کا قیاس۔
③ صلوٰۃ جو نبی اکرم ﷺ کے حق میں مشروع ہے۔ وہ صرف دعا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ دعا سے بڑھ کر خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ آپ کی تعظیم و تجید اور ثناء پر ضامن ہے۔

رہی ساتویں دلیل یعنی ملائکہ کا روح مومن کو صلی اللہ علیہ وسلم کہتا۔ یہ محل نزاع سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث یہ ہے کہ ہم کو غیر نبی پر صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں۔ رہے فرشتے وہ احکام تلیف بشری کی تحت میں نہیں نہ اعمال میں نہ افعال میں۔ کیونکہ کجا احکام ملک اور کجا احکام بشر۔ فرشتے تو اللہ کے رسول اس کے خلق و امر میں ہیں اور اسی کے حکم سے تصرف کرتے ہیں۔ اسی تقریر سے ہر ایک دلیل کا جواب جس میں فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے آگیا۔

رہا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مومنین اور معلم خیر پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ یہ بھی مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ بندہ کے فعل کا قیاس پروردگار کے فعل پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ بندہ کی صلوٰۃ تو بمعنی دعا و طلب ہے اور اللہ کی صلوٰۃ بمعنی اکرام و تعظیم اور محبت و ثناء پس کہاں وہ صلوٰۃ اور کہاں یہ۔

رہی دسویں دلیل جس میں نبی اکرم ﷺ نے چند صحابہ پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے۔

① صحت حدیث کا ہم کو علم نہیں اور نہ اس کی اسناد بیان کی گئی ہے۔ جسے ہم دیکھ لیتے۔

② یہ مرسل ہے۔

③ مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو تو اختیار ہے مگر ہم کو ایسا اختیار نہیں۔

رہی گیارھویں دلیل کہ ابن عمر رضہ منورہ پر کھڑے ہو کر نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضہ منورہ پر صلوٰۃ پڑھتے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے۔

① ابن عبد البر نے کہا کہ اس روایت میں علماء نے یحییٰ بن یحییٰ اور ان کے اتباع پر انکار کیا ہے۔ امام مالک کی روایت میں یہ ہے کہ ابن عمر نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتے اور ابو بکر و عمر رضہ منورہ پر دعا کرتے۔ ابن قاسم و قعنی و ابن کبیر وغیرہ نے مالک سے اسی طرح روایت کی ہے اور مؤطا ابن وہب میں بھی اسی طرح ہے۔ دیکھو اگر صلوٰۃ بمعنی دعا ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کے لیے لفظ صلوٰۃ اور شیخین کے لیے لفظ

دعا کی تفریق کی ضرورت نہ تھی۔

② قاعدہ ہے کہ جب دو فعل ایک جگہ لاتے ہیں۔ تو ان کے لیے ایک لفظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ گو وہ لفظ پہلے پر نہیں آتا ہو۔ مثلاً آب و دانہ کھلایا۔ سیف و نیزہ دکھایا۔ آنکھوں اور ابروؤں کو درست و ہموار بنایا ایسی مثالیں۔ جن میں یہی قاعدہ رکھا گیا ہے اور چونکہ ایک فعل دوسرے فعل سے جنس عام میں موافق تھا۔ اس لیے ایک لفظ پر ہی اکتفاء کی گئی۔ یعنی غذا میں سکھاس پانی سے موافق ہے اور تموار کا دکھانا نیزہ کے اٹھانے سے۔ اسی طرح صلوٰۃ نبی دعاء شیخین سے طلب اور دعا کے معنی میں موافق ہے۔

③ قول ابن عباس علیہ السلام اس روایت کے مخالف ہے۔

رہی دلیل بارہویں کہ ازواج مطہرات پر اطلاق صلوٰۃ ہوا ہے۔ بالکل فاسد ہے۔ کیونکہ ازواج آل کے اندر داخل ہیں۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کی اہل بیت اور ازواج اس بارے میں نبی ﷺ کے تابع ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ ہم ازواج پر صدقہ کا حرام ہونا نہیں مانتے۔ سو اس کا یہ جواب ہے کہ گو ازواج کا اس آل میں سے ہونا ثابت نہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ کیونکہ ان کو خون کی قرابت حاصل نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ازواج اہل بیت میں ضرور داخل ہیں۔ جو مستحق صلوٰۃ ہیں اور ان پر دو امور میں کوئی قصا نہیں۔

رہی یہ دلیل کہ نبی ﷺ کی تبعیت میں دوسرے پر صلوٰۃ جائز ہے اور اس جواز پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کا جواب دو وجوہات سے یہ ہے۔

① اس اتفاق کی صحت معلوم نہیں اور یہ تفصیل گو بعض نے کی ہے مگر سب کا قول نہیں بلکہ منع کرنے والوں نے تو مفرد اور تابع دونوں صورتوں میں منع کیا ہے۔

② یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اگر تبعیت میں جواز ہے تو مستقل اور مفرد حالت میں بھی ہے۔ رہا احادیث صحیحہ کا حوالہ سو صحیح حدیثوں میں تو نبی اکرم ﷺ اور آل و ازواج کے سوا کسی پر صلوٰۃ کا ذکر نہیں۔ نہ اصحاب کا ذکر ہے نہ اتباع کا۔ رہا تشدد کا حوالہ اس میں صلوٰۃ بر غیر کا حکم کہاں ہے۔

رضی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس میں احتیاء۔ سو اس حدیث میں ابو بکر بن ابی مریم ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابوحاتم، نسائی، سعدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ وہ اہل شام کے نیک بندوں میں سے تھا۔ لیکن حافظ خراب تھا۔ ایسی ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن پر تہمت لگائی جائے۔ جب یہ امر بکثرت پایا گیا تو مستحق ترک ہو گیا۔

فیصلہ کن بات: اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صلوٰۃ میں نبی اکرم ﷺ کے سوا یا تو آل و ازواج و ذریت ہیں یا ان کے سوا۔ آل و ازواج اور ذریت پر مشروع تو نبی اکرم ﷺ کی تبعیت میں ہے اور جائز و مفرد بھی۔ رہے ان کے سوا اگر ملائکہ ہیں یا عام طور پر اہل طاعت ہیں ان میں انبیاء بھی شامل ہو سکتے ہیں اور غیر بھی) تب جائز ہے۔ اسی لیے «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِينَ وَ أَهْلِ ظِلِّكَ الْجَنَّةِ» کہنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص یا کسی گروہ کو معین کر دیا جائے تب مکروہ ہے اور اگر صلوٰۃ کو کسی کے لیے شعار بنا دیا جائے کہ کبھی ترک ہی نہ کیا جائے تو اس صورت میں حرام کہنے کے لیے وجہ موجد ہوگی اور اس وقت ترک کرنا ضروری ہو جائے گا۔ لیکن اگر شعار نہ بنایا جائے اور کبھی کبھار اطلاق کیا جائے تب کچھ ڈر نہیں۔ اس تفصیل سے تمام دلائل میں تطبیق ہو سکتی ہے اور پھر وجہ صواب منکشف ہو جاتی ہے۔ ①

رَبِّ اَوْزَعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَتِيْ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنَّيْٓ اُتِمُّنُ الْبَلَدَ وَالْاَيُّمِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

① میرے نزدیک لفظ صلوٰۃ کے معنی ایک تو حقیقت شریعہ ہیں اور ایک حقیقت لغویہ۔ حقیقت شریعہ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق نبی ﷺ اور حضور کے آل و ازواج و ذریت کے سوا مشروع و جائز نہیں اور حقیقت لغویہ کے اعتبار سے جائز ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ شخص معین کیلئے شعار نہ بنایا جائے اور عام صالحین یا اہل طاعت پر استعمال کیا جائے۔ احمد سلیمان

اصْلُوۃ وِاسْلَام عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ

نبی مکی ﷺ پر درود و سلام اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کا انکار یا استغناء کفر ہے اور اس کا ہر نام رسول اللہ ﷺ سے محبت اور والہانہ تعلق و وابستگی کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی علامت و ردیئل بھی۔

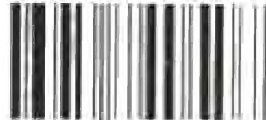
لیکن درود و سلام کون سا اور اس کا طریقہ کیا ہے جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور جو محبت رسول کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی علامت بھی؟

جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیف **جَلَالُ الدِّیْنِ طَرِیْقُ الصَّلَاۃِ وَ السَّلَامِ عَلَیْہِ السَّلَام** کا اردو ترجمہ ہے اسی موضوع پر منفرد اور نہایت اہم کتاب ہے۔ اس میں صلوٰۃ و سلام کے تقریباً ہر موضوع پر تفصیلی دلائل اور واضح مکتوبات ہیں۔ جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کا سلوب ہے جو اہل علم میں معروف ہے۔

- صلوٰۃ و سلام کے متعلق علم قرآنی کی نوعیت کیا ہے؟
- درود و سلام کے صحیح اور مستند اور مستون الفاظ کیا ہیں؟
- انہیں کہاں کیسے اور کب پڑھنا ہے؟
- درود و سلام کے فضائل و آثار کیا ہیں؟
- اس سے متعلق موضوع اور ضعیف احادیث کی وضاحت و تحقیق اور اس قسم کے دیگر احکام و مسائل اور بے شمار فوائد پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

قرآن و حدیث کے دلائل سے نرغہ جلال و جمال کا عرق محبت و اتباع رسول کا حسین امتزاج لکھانے عقیدت کا ایک مجتہد گلدستہ اور محبان رسول کے لیے ایک دل آویز تحفہ اور دارالسلام کے مسن طاعت کا شاہکار۔

N 969574050-2



1695740507

دارالسلام

کتاب مفت آن لائن مفت مواد

ریاض - جدہ - شامیہ - لاہور

اسلام آباد - کراچی - لندن - ہیوسٹن - نیویارک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد اسلامی مواد پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ